الجواهر والدرر

مما استفاده سيدي عبد الوهاب الشعراني
من شيخه سيدي علي الخواص

للإمام القطب العارف بالله
أبي المواهب عبد الوهاب بن أحمد الشعراني
المتوفى سنة ٩٧٣ھ



مترجم
شاہ محمد چشتی

کاوش
محمد محسن

ادارہ پیغام القرآن

الجواهر والدرر

مما استفاده سيدي عبد الوهاب الشعراني
من شيخه سيدي علي الخواص

للإمام القطب العارف بالله
أبي المواهب عبد الوهاب بن أحمد الشعراني
المتوفى سنة ٩٧٣ھ

مترجم

شاہ محمد چشتی

ادارہ پیغام القرآن
۴۰۔ اردو بازار ○ لاہور, Ph:042-37323241

نام کتاب	....	الجواھر والدررا
مصنف	....	امام عبدالوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	....	شاہ محمد چشتی
اہتمام اشاعت	....	محمد محسن
سالِ اشاعت	....	2011ء
کمپوزنگ	....	ہجویری ایڈورٹائزرز
طابع	....	غلام مصطفٰے پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت	....	450 روپے

............ملنے کا پتے............

حسیب پبلشنگ ہاؤس ایوانِ علم پلازہ اُردو بازار لاہور

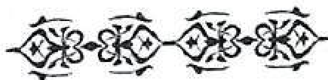
042-37361444

اسلامک بک کارپوریشن پنڈی

احمد بک کارپوریشن پنڈی

کرمانوالہ بک شاپ دربار مارکیٹ، لاہور

فہرست



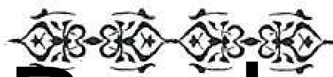
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ کہ ادارہ کو قطب وقت امام ابوالمواہب عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الجواہر والدار'' کا ترجمہ شائع کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس میں انمول معلومات درج ہیں جو قارئین کی دل تشفی کا باعث ہیں لہٰذا ان سے درخواست ہے کہ اسے دل لگا کر پڑھیں انشاء اللہ مسرور ہوں گے۔ صوفیاء کا کلام پڑھنے میں برکات کا حصول ہوتا ہے، راہنمائی ملتی ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا اشتیاق بڑھتا ہے۔

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ اسے بہتر سے بہتر صورت میں پیش کریں چنانچہ ترجمہ حاضر ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ آمین

محمد محسن فقری و برادران

ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالعُذرُ عِندَ کِرَامِ النَّاسِ مَقبُولٌ

علم تصوف ایک بحر ناپیدا کنار سمندر ہے کہ اس کا سہارا نہ لینے کی صورت میں بہت سی آیاتِ قرآنیہ واضح نہیں ہوئیں اور اس سے وہی لوگ واقفیت رکھتے ہیں جو اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک طبقہ اہل دوائر و اعداد کہلاتا ہے' یہ لوگ ایک خاص تعداد میں پوری کائنات کے اندر گھومتے ہوئے نظام باطنی چلا رہے ہوتے ہیں۔ صوفیاء کرام کا طبقہ ہی وہ گروہ ہے جو نظامِ باطن کو باحسن وجوہ سنبھالتے ہوئے دنیوی حکمرانوں کو اپنی نگرانی میں حکومت کراتا ہے۔ تاہم حکمرانوں میں اچھے برے سبھی لوگ ہوتے ہیں چنانچہ اصلاحِ احوال دنیا کے لئے یہ لوگ اچھے حکمران کا تعاون کرتے ہیں لیکن برے حکمرانوں کی معزولی کا فرمان بھی یہی لوگ کرتے ہیں۔

تصوف ایک ایسا مربوط نظام ہے کہ جس میں کائنات کی ہر لحاظ کا اندراج ہے' اس میں باقاعدہ عہدہ داری اور تقسیم ارضی کا لحاظ رکھا جاتا ہے' بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے افسران ہوتے ہیں بلکہ اس میں جنات کو بھی دخیل بنایا جاتا ہے' پوری سرزمین ان کے احکام کے مطابق چل رہی ہے اور بڑے چھوٹے افسران پوری یک جہتی سے اسے چلا رہے ہیں اور جب ان میں سے آخری شخص بھی جہان سے اٹھ جائے گا تو بربادی اور بدکرداری کا دور دورہ ہوگا' بے حیائی عام ہوگی' خدا اور رسول کی حدوں کو توڑا جائے گا اور آخر کار صرف کفار پر قیامت برپا ہوگی۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کے نامور صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پروردہ یہ لوگ قیامت تک رہیں گے اور ان کی تعداد کو اللہ و رسول کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کسی غوث کے ماتحت نہیں ہوتے' ان کا اپنا ایک جہان ہے۔ جس میں وہ کامل ترین ہوتے ہیں اور نظامِ گنتی کی ہر بہار انہی کے دم قدم سے تعلق رکھتی ہے۔

انہی پاکباز شخصیات میں سے ایک عظیم بزرگ حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جو ظاہری آنکھوں سے محروم تھے لیکن روحانی طور پر اس نگاہ کے مالک تھے' لاینحل سوالات کے جوابات اس روانی سے دیتے کہ سننے والوں پر سکتہ طاری ہو جاتا۔ قطب وقت حضرت امام ابوالمواھب عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ دس سال تک ان کی خدمت میں رہے چنانچہ اس دوران اپنے شیخ سے سوالات کرتے رہے۔ پیش نظر کتاب ''الجواہر والدار'' میں انہی عجیب وغریب سوالات و جوابات کا ذکر ہے جو پڑھنے اور غور کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں ایمان کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ روحانی دنیا سے دلچسپی بڑھتی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ روحانی لوگ کیسی کیسی گہری معلومات رکھتے ہیں جو دنیوی علوم کی دسترس سے باہر ہیں۔

اس کتاب کی ترجمانی میں مجھے سخت دقت پیش آئی لیکن دو ماہ کی ورق گردانی کے بعد مصنف و شیخ مصنف کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ' شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی اور باعمل استادِ گرامی فقیہہ اعظم مفتی محمد نوراللہ نعیمی بصیرپوری رحمۃ اللہ علیہ سے مستمدّ انہ یہ ترجمہ شروع کر دیا جو بحمدہ تعالیٰ پورا ہو گیا۔ اس کے ترجمہ میں میرا ذاتی اشتیاق باعث ترجمہ ہوا۔

کسی بھی کام میں بشری خامیوں سے براءت کا دعویٰ ممکن نہیں لہٰذا اہل علم سے درخواست ہے کہ خامیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے مفید مشوروں سے نوازیں۔

مولا تعالیٰ ہمیں اپنے ان اکابر سے استفادہ کی توفیق دے۔ آمین

محمد محسن فقری برادران نے اسے چھاپتے وقت بڑی محنت سے کام لیا ہے' اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور بے حساب اجر سے نوازے۔ آمین

غبارِ راہِ صاحبدلاں

شاہ محمد چشتی سیالوی انصاری عفی عنہ

محلّہ محمود پورہ' قصور

049-2772040, 0321-6577473

E-mail: chishtiart.com

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ

تحریر (صاحبزادہ) مفتی محمد محب اللہ نوری
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

مجمع البحرین حضرت امام شعرانی قدس سرہ العزیز شریعت وطریقت کے امام، راسخ فی العلم اور ارباب مشاہدہ میں سے تھے--- آپ کی کنیت ابو المواہب ہے، جب کہ صاحبزادے کی نسبت سے ابو عبد الرحمٰن کہلاتے تھے--- آپ کے والد گرامی کا نام احمد بن علی ہے---

سلسلۂ نسب

آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے---[۱]

آپ نے اپنا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے

عبد الوھاب بن احمدبن علی بن احمد بن علی بن محمد بن زوفا بن ابوالعمران شیخ موسیٰ بن سلطان احمد بن سلطان قاشین بن سلطان محیا بن سلطان زوفا بن ریان بن سلطان محمد بن موسیٰ بن محمد بن الحنفیہ بن امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم---[۲]

والد گرامی

امام شعرانی کے والد گرامی شیخ شہاب احمد بن نور الدین علی شعراوی اپنے عہد کے جید عالم دین اور شیخ طریقت تھے--- نحو، فقہ، فرائض اور فلکیات میں مہارت کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر اور بہت بڑے خطیب و انشا پرداز تھے--- منبر پر کھڑے ہو کر فی البدیہہ خطبہ ارشاد فرماتے--- بہت خوش الحان تھے، قرآن کریم کی تلاوت نہایت خشوع وخضوع سے کرتے تھے--- ایک بار قاضی کمال الدین الطّویل آپ کی قراءت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جسمانی توازن برقرار نہ رہ سکا---

گوناگوں علمی مصروفیات کے باوجود رزق حلال کے حصول کے لیے کھیتی باڑی کا کام بھی کرتے---
ذاتی کاموں کے علاوہ ضرورت مند افراد کی مدد کرتے اور خدمت خلق کوثواب کا ذریعہ گردانتے تھے---
آپ شب بیدار تھے، ہر رات نماز میں ایک تہائی قرآن کریم کی تلاوت کرتے--- آپ کے صاحب زادے شیخ عبدالوہاب شعرانی کا بیان ہے کہ بعض اوقات قرآن کریم کی تلاوت سنتے تو بے خود ہوکرگر جاتے اور مرغ بسمل کی طرح لوٹنے لگتے--- آپ نے حدیث، نحو، اصول اور معانی و بیان میں متعدد کتب تصنیف کیں، جو چوری ہوگئیں--- آپ نے اس پر اظہار افسوس کی بجائے یہ فرمایا

''ہم نے یہ کتابیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تحریر کی تھیں، لہٰذا اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ لوگ ان کتب کو ہماری جانب منسوب کریں یا نہ کریں''---

۹۰۷ھ میں آپ کا وصال ہوا اور اپنے والد ماجد علی بن احمد کے پہلو میں آبائی قصبہ ابوشعرہ کی خانقاہ میں آسودۂ خاک ہوئے---[۳]

ولادت

امام عبدالوہاب شعرانی کی ولادت ۸۹۸ھ/۱۴۹۳ء کو ابوشعرہ نامی بستی میں ہوئی[۴] اسی نسبت سے آپ کو شعرانی یا شعراوی کہا جاتا ہے[۵] بعض نے کہا ہے کہ آپ کی ولادت مصر کی بستی قلقشندہ میں ہوئی---[۶]

بچپن ہی میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، چناں چہ ایک یتیم بچے کی حیثیت سے پرورش پائی--- بے کسی اور یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت ان کے شامل حال رہی اور آپ آفات و بلیات سے محفوظ رہے---[۷]

تعلیم

آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا، صغر سنی ہی سے پابند صوم وصلوٰۃ تھے، تحدیث نعمت کے طور پر خود بیان فرماتے ہیں۔

''کئی دفعہ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن کریم ختم کر لیتا تھا، حالاں کہ ابھی بالغ نہیں ہوا

تھا’’---[۸]

حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ آپ نے ابوشجاع اور اجرومیہ نامی کتابوں کو بھی حفظ کرلیا--- اس وقت آپ کی عمر سات یا آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی---[۹]

۹۱۱ھ کے اوائل میں آپ ریف کے صحرائی علاقے سے نقل مکانی کر کے مصر آ گئے، تب آپ کی عمر تقریباً بارہ سال تھی---مصر کی سرزمین علم میں پہنچ کر آپ سیدی ابو العباس الغمری کے جامع میں قیام پذیر ہوئے--- فرماتے ہیں کہ شیخ الجامع اور آپ کی اولاد مجھ پر حد درجہ مہربان تھے، جو خود کھاتے، وہی مجھے کھلاتے اور جو پہنتے، وہی مجھے پہناتے--- ان کے ہاں کتب شرعیہ کے متون اور ان کی اصطلاحات یاد کیں---[۱۰]

دورانِ طالب علمی لوگ انھیں سونا، چاندی اور کپڑے دیتے، مگر تقویٰ وطہارت کی بنا پر آپ قبول نہ کرتے--- اسی اثنا میں کبھی فاقہ کی نوبت بھی آ جاتی مگر لوگوں کے آگے دست سوال کبھی دراز نہ کیا[۱۱] جامع غمری میں آپ نے مختلف علوم وفنون کی بنیادی کتابیں مثلاً المنہاج للنووی، الفیہ ابن مالك، توضیح ابن ہشام، جمع الجوامع، الفیہ العراقی، تلخیص المفتاح، شاطبیہ، قواعد ابن ہشام وغیرہ زبانی یاد کرلیں[۱۲] علامہ عبد الرؤف مناوی (م۱۰۲۱ھ) اسے آپ کی کرامت گردانتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’’میں نے تاریخ اور طبقات کی کتب میں آج تک کسی کے حالات میں یہ نہیں دیکھا کہ اسے اتنی کتابیں حفظ ہوں‘‘---[۱۳]

اساتذہ

امام شعرانی نے علوم وفنون کی بیسیوں بڑی بلند پایہ اور عظیم وضخیم کتب کے نام تحریر فرمائے ہیں، جنھیں آپ نے وقت کے جید اساتذہ اور ائمہ فن سے پڑھا--- آپ نے کم وبیش پچاس اساتذہ کرام کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیے، جن میں شیخ امام امین الدین، شیخ امام شمس الدین الدواخلی، شیخ علامہ شہاب الدین مسیری، شیخ امام محقق نور الدین محلی، شیخ امام نور الدین سنہوری، شیخ علامہ ملا علی العجمی، شارح بخاری شیخ امام شہاب الدین قسطلانی، شیخ برہان الدین قلقشندی، شیخ الاسلام زکریا انصاری اور شیخ امام شہاب الدین رملی ایسے ائمہ ومحدثین

شامل ہیں---[۱۴]

یوسف الیان سرکیس نے آپ کے اساتذہ میں امام جلال الدین سیوطی کا نام بھی ذکر کیا ہے[۱۵]

شعرانی ان کا تذکرہ بایں القاب کرتے ہیں۔

سیدنا و شیخنا خاتمة الحفاظ الشیخ جلال الدین السیوطی رحمه الله و نفعنا بعلمه و المسلمین---[۱۶]

بچپن میں کرامات کا ظہور

مصر میں اقامت کے بعد تعلیمی دور کے آغاز ہی میں جب کہ ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے، کرامات و عنایات ربانی کا ظہور ہوا---تحدیث نعمت کے طور پر خود بیان فرماتے ہیں

- ایک بار دریائے نیل کناروں تک بہ رہا تھا، میں اس میں تیرتے ہوئے بہت تھک گیا، قریب تھا کہ ڈوب جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور میرے لیے ایک مگرمچھ بھیج دیا، جو میرے پاؤں کے نیچے آ کر ٹھہر گیا، حتی کہ مجھے راحت ملی، میں نے سمجھا کوئی چٹان ہے---اسی اثنا میں وہ تیرنے لگا اور مجھے بخیریت ساحل تک پہنچا کر دریا میں غوطہ زن ہو گیا---

یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان تھا کہ ایک وحشی جانور کو میرا مطیع کر دیا اور مجھے نجات عطا فرمائی، حالاں کہ اس وقت میں چھوٹا تھا اور مجھے اللہ کے حضور حسن معاملہ کی معرفت حاصل نہیں تھی---

- اسی طرح ایک بار ایک فاسق و فاجر شخص نے میرے ساتھ فحش کلامی کی---ابھی ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کوڑھ کے موذی مرض میں مبتلا کر دیا، یہاں تک کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے اور وہ اسی ذلت میں مر گیا---[۱۷]

ذوقِ مطالعہ

آپ کو مطالعۂ کتب کا اعلیٰ ذوق تھا---اللہ تعالیٰ نے بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا، جو چیز ایک بار سن لیتے، حفظ ہو جاتی---سرعت مطالعہ کا یہ عالم کہ ایک ہی رات میں ضخیم کتاب کا مطالعہ مکمل کر لیتے---[۱۸]

اگرچہ آپ کا زیادہ تر میلان تصوف کی طرف تھا، مگر قرآن و سنت، عقائد اور فقہ وغیرہ علوم شرعیہ سے

بھی بہت لگاؤ تھا--- آپ نے تفسیر، حدیث، شروح حدیث، سیرت، اصول، کلام، قواعد، فتاویٰ اور تصوف کی کئی کئی جلدوں پر محیط ضخیم کتب کا متعدد بار مطالعہ کیا--- ذیل میں ہم بعض کتب کا تذکرہ کرتے ہیں، جس سے قارئین کو ان کی وسعت علمی اور کثرت مطالعہ کا اندازہ ہو جائے گا--- امام شعرانی فرماتے ہیں۔

میں نے اپنے استاذ شیخ زکریا انصاری کی تصنیف ''الروض'' کا مطالعہ تیس (۳۰) دفعہ کیا--- امام شافعی کی کتاب ''الام'' کا مطالعہ تین بار کیا، اس کتاب کی اکثر نصوص حفظ تھیں---

شیخ محی الدین ابن العربی کی تیس ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب ''مختصر'' ایک بار، ماوردی کی کتاب ''الحاوی'' اور ''الاحکام السلطانیه'' ایک ایک بار--- ''الحاوی'' تیس ضخیم مجلدات پر محیط ہے---

کتاب الشامل لابن الصباغ	ایک بار
شیخ ابو محمد الجوینی کی کتاب ''المحیط''	ایک بار
امام غزالی کی ''الوسیط، الوجیز''	ایک بار
شرح المھذب	تقریباً پچاس بار
شرح مسلم للنووی	پندرہ بار
شرح المنھاج	تیس بار
قواعد زرکشی	۳/ بار اور

متعدد دیگر مطولات کا مطالعہ کیا---

شروح حدیث

جن شروح حدیث کا مطالعہ کیا، ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں

فتح الباری شرح صحیح بخاری	ایک بار
شرح الکرمانی علی البخاری	دو بار
شرح البرماوی	پانچ بار
علامہ عینی کی شرح بخاری، ۲۵/ جلدیں	دو بار

شرح القسطلانی ایک بار

شرح مسلم للقاضی عیاض ایک بار

شرح ترمذی لابن ملقن ایک بار

کتب تفسیر

تفسیر بغوی، ایک بار
تفسیر خازن، ۳/ بار

تفسیر ابن عادل، ۷/ بار
تفسیر کواشی، ۱۰/ بار

تفسیر قرطبی، دو بار
تفسیر ابن کثیر، ایک بار

تفسیر بیضاوی، پانچ بار
تفسیر ابن نقیب المقدسی، ایک بار

یہ تفسیر سو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اس سے زیادہ مبسوط تفسیر کا میں نے مطالعہ نہیں کیا---

تفسیر جلالین، ۳۰/ بار
تفسیر درمنثور، ۳/ بار

تفسیر امام سنید بن عبد اللہ ازدی--- یہ نہایت نفیس تفسیر ہے، امام جلال الدین سیوطی کو اس کے مطالعہ کا اشتیاق تھا، بیس سال تک تلاش کرتے رہے، مگر دستیاب نہ ہوسکی، میں نے اس کتاب کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ اس کی تخریج بھی کی--- اس کے علاوہ متعدد تفاسیر۔

کتب حدیث

صحاح ستہ، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند امام احمد، موطا امام مالک، طبرانی کی المعجم الکبیر، المعجم الاوسط، المعجم الصغیر، جامع الاصول لابن اثیر، امام جلال الدین سیوطی کی الجامع الکبیر، الجامع الصغیر اور زیادات (یہ دس ہزار احادیث کا مجموعہ ہے) سنن بیہقی کے بعد یہ حدیث کی جامع کتاب ہے، شریعت کا شاید ہی کوئی مسئلہ ہو، جو اس میں نہ آ گیا ہو---

سنن کبریٰ للبیہقی، دلائل النبوۃ للبیہقی، کتاب المعجزات و الخصائص للسیوطی وغیرہ متعدد اجزاء و مسانید کا مطالعہ کیا---

کتب لغت

جوہری کی صحاح، قاموس، النهايه لابن اثير، کتاب تهذيب الاسماء و اللغات و غيره--- موخر الذکر کا پندرہ بار مطالعہ کیا---

اصول وکلام

شرح العضد، شرح منهاج البيضاوی، کتاب المستصفى للغزالی، کتاب الامالی لامام الحرمين، شرح المقاصد، شرح الطوالع و المطالع، سراج العقول للقزوینی، شرح العقائد للتفتازانی اور حاشیه ابن ابی شریف وغیرہ---

کتب فتاویٰ

فتاویٰ ابن زید مروزی، فتاویٰ قفال، فتاویٰ قاضی حسین، فتاویٰ ماوردی، فتاویٰ غزالی، فتاویٰ ابن صباغ، فتاویٰ ابن صلاح، فتاویٰ ابن عبد السلام، فتاویٰ نووی، فتاویٰ سبکی، فتاویٰ بلقینی، فتاویٰ شیخ الاسلام زکریا، فتاویٰ شیخ شہاب الدین رملی وغیرہ---

کتب قواعد

قواعد شیخ عز الدین الکبریٰ و الصغریٰ، قواعد العلائی، قواعد ابن سبکی، قواعد الزرکشی وغیرہ

کتب سیرت

سیرۃ ابن ہشام، سیرۃ ابن اسحاق، سیرۃ الکلبی، سیرۃ ابوالحسن البکری، سیرۃ طبری، سیرۃ کلاعی، سیرۃ ابن سید الناس اور سیرۃ شیخ محمد شامی، یہ بہت جامع کتاب ہے، دس جلدوں پر مشتمل ہے، اسے ایک ہزار کتب کی مدد سے تحریر کیا گیا ہے---

کتب تصوف

قوت القلوب از ابوطالب مکی، محاسبی کی کتاب الرعاية، ابونعیم کی حلیة الاولیاء، رساله قشیریه، عوارف المعارف، غزالی کی احیاء العلوم، امام یافعی کی جملہ کتب، شیخ محی الدین ابن العربی کی فتوحات مکیہ،

رسالة النور للشيخ احمد الزاهد، کتاب منح المنة (چھ جلدیں)، کتاب منازل السائرین للهروی، شرح الفصوص للقاشانی، شعب الایمان للقصری وغیرہ---

مختلف علوم وفنون کی ان کتب کی فہرست پر نظر ڈالیں تو حیرت ہوتی ہے کہ امام شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی ذاتی، نجی، علمی مصروفیات کے باوجود اس قدر کتب کا مطالعہ فرمالیا--- امام شعرانی نے صراحت کی ہے کہ انھوں نے اپنی زیر مطالعہ کتب میں سے صرف بعض کا ذکر کیا ہے[۱۹] اور ان بعض کتب میں سے بھی دسیوں کتب کے نام اختصار کے پیش نظر احقر نے حذف کر دیے ہیں---

سرعت مطالعہ

آپ سریع الفہم تھے، پڑھنے لکھنے کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز تھی، ورنہ کئی جلدوں پر مشتمل کتابوں کا کئی کئی بار مطالعہ ممکن دکھائی نہیں دیتا--- بلکہ اس میں خرق عادت اور کرامت کا پہلو نمایاں ہے، جیسا کہ آپ نے اپنی دو جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب الیواقیت و الجواھر کے آخر میں خود تصریح کی ہے کہ یہ کتاب انھوں نے ایک ماہ سے بھی کم عرصہ میں تصنیف کی، یہ شیخ محی الدین ابن العربی کی تعلیمات پر مبنی ہے--- یہ ۷۱/ مباحث پر محیط ہے اور ہر بحث لکھتے ہوئے آپ نے شیخ محی الدین ابن العربی کی دس ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب الفتوحات المکیة کا مکمل مطالعہ کیا--- اس طرح آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جب حساب لگایا تو ایام تصنیف میں روزانہ دس جلدوں کی یہ کتاب اڑھائی مرتبہ پڑھی، یعنی روزانہ پچیس ضخیم جلدوں کا مطالعہ کیا--- اسے لوگ میری کرامت سمجھتے ہیں---[۲۰]

معمولات

حصول علم کے بعد آپ نے مطالعہ کتب اور درس و تدریس کو اپنا معمول بنالیا، چناں چہ اپنے استاذ شیخ الاسلام زکریا انصاری کے ایماء پر آپ نے فقہ، تفسیر، حدیث اور تصوف کی تدریس کا شغل جاری رکھا[۲۱] آپ نے اپنے اوقات تقسیم کر رکھے تھے، ایک حصہ عبادت کے لیے، ایک حصہ مریدین کی روحانی تربیت کے لیے اور ایک حصہ تصنیف و تالیف کے لیے مختص تھا---[۲۲]

خدمت خلق

آپ کی خانقاہ کے دروازے امیر فقیر سب کے لیے کھلے تھے، یہ خانقاہ طالبانِ رشد و ہدایت سے آباد رہتی--- مہمان کثرت سے آتے اور آپ کھلے دل سے ان کی مہمان نوازی کرتے--- آپ نے اندھوں اور محتاجوں کو خانقاہ میں پناہ دے رکھی تھی اور ان کے لیے روٹی، کپڑے اور دیگر ضروریات کی مکمل کفالت کرتے[۲۳]، زیر کفالت اندھوں کی تعداد کبھی ایک سو تک پہنچ جاتی---[۲۴]

اتباع شریعت

آپ نے عمر بھر اتباع شریعت کا درس دیا اور اپنی تصانیف میں اس پر بڑا زور دیا ہے--- آپ کا فرمان ہے۔

دوروا مع الشرع کیف کان لامع الکشف فانہ قد یخطی---[۲۵]

''ہر حال میں شریعت کی پاسداری رکھو، کشف پر بھروسا نہ کرو، اس لیے کہ کشف میں کبھی غلطی ہو جاتی ہے''---

فقہ سے رغبت

ہر چند کہ آپ کا رجحان تصوف کی طرف تھا مگر روحانی امور میں مصروفیت کے باوجود فقہ سے آپ کی دلچسپی قائم رہی، بلکہ دوسروں کو بھی کتب فقہ کے مطالعہ کی ترغیب دیتے--- آپ فرماتے ہیں۔

''کتب فقہ کا بکثرت مطالعہ کرنا چاہیے، نام نہاد صوفیہ راہ تصوف میں قدم رکھتے ہی یہ کہہ کر فقہ کے مطالعہ سے منع کرنے لگ جاتے ہیں کہ یہ علم تو حجاب ہے، حالاں کہ ان کی یہ بات سراسر مبنی بر جہالت ہے''---[۲۶]

حزم واحتیاط

امام شعرانی رحمہ اللہ پیکر تقویٰ وطہارت تھے، ہر چند کہ آپ مذہباً شافعی تھے مگر ان کی کوشش یہ ہوتی کہ مذاہب اربعہ یا کم از کم تین ائمہ کے مذہب پر عمل ہو جائے تاکہ ممنوعات ومشتبہات سے بچا جا سکے[۲۷]

اس مقصد کے لیے آپ نے چاروں مذاہب کی کتب کا مطالعہ کیا، چناں چہ احناف کی کتب میں سے شرح کنز الدقائق، شرح مجمع البحرین، فتاویٰ قاضی خاں، شرح قدوری، بزازیہ، خلاصۃ الفتاویٰ، شرح الہدایہ، زیلعی وغیرہ کا مطالعہ کیا اور حل طلب مقامات کے لیے جید علماء سے رہنمائی لی---[۲۸]

جرأت و بہادری

خداداد ہمت و جرأت کا یہ عالم تھا کہ آپ خطرناک ترین درندوں، جنوں اور دیگر مخلوقات میں سے کسی سے ذرّہ برابر خوف نہ کھاتے---

ایک بار آپ دریا میں سفر کر رہے تھے کہ سات مگرمچھوں نے کشتی کو گھیر لیا، ہر مگرمچھ بیل کی طرح تھا، مسافر سخت گھبرا گئے، ہر کوئی ان سے ڈر رہا تھا، آپ نے دریا میں چھلانگ لگا دی، انھیں دیکھتے ہی تمام مگرمچھ بھاگ گئے---

ایک بار ان کے گھر میں ایک جن داخل ہو گیا، وہ رات کو دیا بجھا دیتا اور شرانگیزی کرتا، جس سے بچے ڈر جاتے، چنانچہ آپ نے جن کو ٹانگ سے پکڑ لیا، بالآخر وہ چیختا چلاتا بھاگ گیا اور دوبارہ ادھر کا رخ نہ کیا---[۲۹]

ازدواجی زندگی

آپ کی ازدواجی زندگی نہایت خوش گوار تھی، چار بیویاں تھیں
زینب، حلیمہ، ام عبدالرحمٰن فاطمہ اور ام الحسن---

چاروں نہایت عابدہ زاہدہ اور تہجد گزار تھیں، خصوصاً فاطمہ اور ام الحسن تو بہت زیادہ عبادت گزار تھیں--- قیام اللیل کے لیے اپنے شوہر امام شعرانی کی اقتدا میں کھڑی ہو جاتیں، جس میں بسا اوقات آپ ایک رکعت میں سات آٹھ پاروں کی تلاوت کرتے--- آپ کی ازواج پردہ نشین، عفت مآب اور حیادار تھیں[۳۰] اہلیہ ام عبدالرحمٰن فاطمہ تو اس قدر باحیا تھیں کہ ایک بار آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا ہو گئیں اور باوجود اصرار کے اپنی آنکھیں ماہر طبیب چشم کو دکھانے پر آمادہ نہ ہوئیں---[۳۱]

تصوف وطریقت

ظاہری علوم سے فراغت کے بعد تصوف کی راہ پر گامزن ہوئے، چناں چہ شیخ محمد شناوی اور شیخ علی الخواص سے علوم طریقت حاصل کیے---[۳۲]

موخر الذکر سے بہت زیادہ استفادہ کیا، خصوصاً مسائل تصوف کی وضاحت میں اکثر انھی کے ملفوظات کا حوالہ دیتے ہیں--- علاوہ ازیں شیخ علی الخواص کے شیخ و مرشد شیخ ابراہیم المبتولی اور اپنے پیر بھائی الشیخ الصالح افضل الدین سے مستفیض ہوئے---[۳۳]

دنیوی مشاغل سے الگ تھلگ رہ کر عبادت و ریاضت اور مجاہدات میں زندگی بسر کی--- سال ہا سال تک یہ معمول رہا کہ ہمیشہ زمین پر لیٹتے، رات کو اپنی خلوت گاہ میں عبادت کے لیے کھڑے ہوتے تو چھت سے لٹکی ہوئی رسی گردن میں باندھ لیتے تاکہ غلبہ نیند سے گر نہ جائیں--- اکثر روزہ رکھتے، پھٹے پرانے کپڑے زیبِ تن فرماتے---غرض آپ سادگی و بے نفسی کا مرقع تھے---[۳۴]

آپ کی خانقاہ پر ہمہ وقت ذکر وفکر کا سلسلہ جاری رہتا، ایک قاری تلاوت قرآن سے فارغ ہوتا تو دوسرا شروع ہو جاتا--- ایک جانب کتب حدیث کی قراءت جاری ہے اور نوبت بہ نوبت مسلسل احادیث پڑھی جارہی ہیں، تیسری جانب کتب تصوف پڑھی جاتیں، ایک حلقہ فقہی کتب پڑھنے میں مصروف رہتا اور یوں شب و روز تسلسل کے ساتھ آپ کی خانقاہ ذکر وفکر کی برکتوں سے معمور رہتی---[۳۵]

ذکر الٰہی سے کیف و سرور کی کیفیت میں کبھی یوں بے خود ہو جاتے کہ صحن مسجد سے اڑ کر چھت پر جا پہنچتے---[۳۶]

قریب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کا خصوصی قرب حاصل تھا، چناں چہ خود فرماتے ہیں

"مجھے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحیح بخاری شریف سنانے کا شرف حاصل ہے، اس خصوصی درسِ حدیث میں میرے سمیت آٹھ ساتھی شامل تھے، جن میں ایک حنفی بھی تھا---[۳۷]

آپ درود پاک بکثرت پڑھتے اور اس کو کامیابی کا زینہ گردانتے--- فرماتے ہیں

مَنْ جَعَلَ الصَّلٰوةَ عَلٰی رسولِ اللہ ﷺ شغلہ فازَ فی الدارین بفضلِ اللّٰہ و رَحْمَتِہٖ---

''جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود پاک پڑھنا مستقل معمول بنا لے، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے دنیا و آخرت میں فوز و فلاح سے ہم کنار ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے مقبول واسطہ حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہے، آپ کے وسیلہ جلیلہ سے کی گئی دعا کو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا''---[۳۸]

یوں ہی حضور ﷺ کی بارگاہ تک رسائی کا اعلیٰ ذریعہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں--- سو، ادب کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے واسطہ اور وسیلہ سے دعا کی جائے---[۳۹]

امام شعرانی کے ہاں جمعہ کی شب نماز عشاء سے فجر تک حضور ﷺ پر درود و سلام کی محفل ہوتی، آپ علالت کے باوجود ساری رات اس محفل میں درویشوں کے ساتھ موجود رہتے---[۴۰]

بارگاہ نبوی میں قرب کے حوالے سے خود بیان کرتے ہیں

اکثر اوقات میرے اور حضور ﷺ کے مزار پُر انوار کے درمیان فاصلے سمٹ جاتے ہیں، یہاں تک کہ میں مصر میں بیٹھ کر اپنا ہاتھ حجرہ شریفہ پر رکھ دیتا ہوں اور آپ ﷺ کی خدمت میں یوں معروضات پیش کرتا ہوں جیسے کوئی اپنے پاس بیٹھے شخص کے ساتھ گفتگو کرتا ہے--- اس امر کا ادراک ارباب ذوق ہی کر سکتے ہیں---[۴۱]

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

رسول اللہ ﷺ واسطۂ کبریٰ ہیں

امام شعرانی کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ بندے اور رب تعالیٰ کے مابین واسطۂ کبریٰ اور وسیلۂ عظمیٰ ہیں--- چناں چہ فرماتے ہیں

''مجھ پر اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے طلب حاجات میں حضور ﷺ کو واسطہ بناتا ہوں کیوں کہ آپ دربار الٰہیہ کے منتظم اعلیٰ ہیں--- سو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطۂ

مصطفیٰ کچھ مانگنا بے ادبی ہے--- ہمیں بارگاہ خداوندی کے آداب سے واقفیت حاصل نہیں، جب کہ حضور ﷺ کو ان آداب کی کامل معرفت حاصل ہے--- سیدنا غوث اعظم سیدی عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے پرہیز کر کہ تو رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ حذف کر کے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرے، اگر ایسا کرے گا تو بدعتی ہوگا، حضور ﷺ کا متبع نہیں ہوگا--- جب کہ بندۂ کامل کا ہر ہر قدم اتباع نبوی کے مطابق ہوتا ہے---[۴۲]

ادب

امام شعرانی تلاوت قرآن، قراءت حدیث یا درس و تدریس میں مشغول ہوتے اور کسی شخص سے ضروری بات کرنا ہوتی تو ادب کے پیش نظر اللہ و رسول (جل جلالہ و ﷺ) سے بایں کلمات اجازت طلب کرتے

دستور یا رب، دستور یا رسول اللہ---

''یا اللہ! اجازت ہو تو فلاں بندے سے بات کرلوں، یارسول اللہ! اجازت ہو تو فلاں شخص سے کلام کرلوں''---[۴۳]

اسی طرح جب بیٹھے بیٹھے تھک جاتے اور مجبوراً پاؤں پھیلانے کی حاجت ہوتی تو دستور یا اللہ کہہ کر اجازت طلب کرتے ہوئے پاؤں پھیلاتے--- مدینہ منورہ یا کسی اور ولی کے شہر کی طرف پاؤں پھیلانے کی ضرورت پیش آتی تو یوں اجازت طلب کرتے

دستور یا سید المرسلین ---یا--- دستور یا سیدی عبد القادر جیلانی، یا سیدی احمد الرفاعی، یا سیدی احمد بدوی، یا سیدی ابراھیم دسوقی وغیرھم --- (رحمہم اللہ)

شعرانی کہتے ہیں کہ یہ اجازت اس مشاہدے کی بنا پر کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور ائمہ دین کے حضور حاضر ہوں---[۴۴]

گویا ان کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کو ''یا'' سے پکارنا اور ندا کرنا مستحسن

ہے--- بلاشبہ عاشقان مصطفیٰ کا یہی پیغام ہے

بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے
یا رسول اللہ کی کثرت کیجیے

مقام ومرتبہ

امام شعرانی رحمہ اللہ ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، باطنی کیفیات اور مخفی حقائق پہچاننے کا خاص ملکہ تھا، کسی مزار پر حاضر ہوتے تو صاحبِ مزار بزرگ کے بارے میں معلوم کر لیتے کہ قبر میں موجود ہیں یا کہیں تشریف لے گئے ہوئے ہیں، کیوں کہ اہل اللہ کو اپنی قبور میں آنے جانے کی مکمل آزادی ہوتی ہے---[۴۵]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی قوت عطا فرمائی تھی کہ مغرب تا فجر جمادات وحیوانات کی تسبیح سماعت فرماتے--- یہ درجہ اس طرح نصیب ہوا کہ ایک مرتبہ جب شیخ امین الدین کی اقتداء میں مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حجابات دور فرما دیے--- مسجد کے ستونوں، دیواروں اور دور دراز کے علاقوں تک کی چیزوں سے تسبیح کی آوازیں سنائی دینے لگیں---[۴۶]

ایک کرامت یہ بھی تھی کہ آپ کی توجہ سے رزق میں برکت ہو جاتی، ایک بار آپ کے ہاں ۱۴ر مہمان آ گئے، گھر میں صرف ایک روٹی دستیاب ہوئی، اسی سے تمام مہمان سیر ہو گئے---[۴۷]

انسانوں کے علاوہ جنات بھی رہنمائی لینے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ایک مرتبہ انھوں نے آپ کی خدمت میں مسئلہ توحید پر ۷۵ر استفتاءات بھجوائے، جس کے جواب میں آپ نے یہ کتاب تحریر فرمائی۔

''کشف الحجاب و الران عن وجه اسئلة الجان''---[۴۸]

تصانیف

امام شعرانی صاحبِ تصانیف بزرگ تھے، آپ اپنی خودنوشت میں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان و انعام فرمایا ہے کہ میں نے شریعت (وطریقت) میں کثیر کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں اکثر اپنے موضوع کے اعتبار سے ممتاز ومنفرد ہیں اور مجھ سے پہلے ایسی کاوش نہیں

ملتی---چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔

ا...... البحر المورود فی المواثیق و العهود---

۲...... كشف الغمه عن جميع الامة---(اس کتاب کا ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے)

۳...... المنهج المبين في بيان ادلة المجتهدين---(یہ کشف الغمہ کی احادیث کی تخریج ہے)

۴...... البدر المنير فی غريب احاديث البشير النذير---

۵...... مشارق الانوار القدسية فی بيان العهود المحمدية---

۶...... لواقح الانوار القدسية فی مختصر الفتوحات المكية---

۷...... قواعد الصوفية---

۸...... مختصر قواعد الزركشی---

۹...... منهاج الوصول الی علوم الاصول---

۱۰...... اليواقيت والجواهر فی بيان عقائد الاكابر---

۱۱...... الجوهر المصون فی علوم كتاب الله المكنون---

۱۲...... طبقات الصوفية---

۱۳...... مفحم الاكباد فی بيان مواد الاجتهاد---

۱۴...... لوائح الخذلان على كل من لم يعمل بالقرآن---

۱۵...... حد الحسام على من اوجب العمل بالالهام---

۱۶...... التتبع و الفحص على حكم الالهام اذا خالف النص---

۱۷...... البروق الخواطف لبصر من عمل بالهواتف---

۱۸...... رسالة الانوار القدسيه فی آداب العبودية---

۱۹...... كشف الحجاب و الران عن وجه اسئلة الجان---

۲۰...... الجواهر و الدرر---

۲۱......الکبریت الاحمر فی بیان علوم الکشف الاکبر---

۲۲......الاقتباس فی علم القیاس---

۲۳......تنبیہ المغترین فی القرن العاشر علی ما خالفوا فیہ سلفھم الطاھر وغیرہ---[۴۹]

اسماعیل پاشا بغدادی نے ان مزید کتب کا ذکر کیا ہے

۲۴...... الاجوبۃ المرضیۃ عن ائمۃ الفقہاء الصوفیہ---

۲۵...... الاخلاق الزکیۃ و العلوم اللدنیۃ---

۲۶...... الاخلاق المتبولیۃ المفاضۃ من الحضرۃ المحمدیۃ---

۲۷......ارشاد المغفلین من الفقہاء و الفقراء الی شروط صحبۃ الامراء---

۲۸......تنبیہ الاغبیاء علی قطرۃ من بحر علوم الاولیاء---

۲۹......حقوق اخوۃ الاسلام---

۳۰......درر الغواص فی فتاویٰ سید علی الخواص---

۳۱...... الدرر المنثورۃ فی بیان زبد العلوم المشہورۃ---

۳۲......ردع الفقراء عن دعویٰ الولایۃ الکبریٰ---

۳۳......الدرر و اللمع فی الصدق و الورع---

۳۴......سر المسیر و التزود لیوم المصیر---

۳۵...... السر المرقوم فیما اختص بہ اہل اللہ من العلوم---

۳۶......شرح جمع الجوامع للسبکی فی الفروع---

۳۷...... الطراز الابھج علی خطبۃ المنھج---

۳۸......طھارۃ الجسم و الفواد من سوء الظن باللہ تعالٰی و العباد---

۳۹...... الفتح المبین فی ذکر جملۃ من اسرار الدین---

۴۰......فتح الوھاب فی فضائل الآل و الاصحاب---

۴۱...... فرائد القلائد فی علم العقائد---

۴۲...... القواعد الكشفية الموضحات لمعانی صفات الالٰهية---

۴۳...... القول المبين فی بيان آداب الطالبين---

۴۴...... القول المبين فی الرد علی الشيخ محيی الدين---

۴۵...... لطائف المنن و الاخلاق فی بيان وجوب التحدث بنعمة اللّٰه علی الاطلاق---(یہ المنن الکبریٰ کے نام سے معروف ہے)

۴۶...... لواقح الانوار فی طبقات السادة الاخيار---

۴۷...... المآثر و المفاخر فی علماء القرن العاشر---

۴۸...... مختصر الالفيه لابن مالك فی النحو---

۴۹...... مختصر المدونة فی فروع المالكية---

۵۰...... المقدمة النحوية فی علوم العربية---

۵۱...... منع الموانع---

۵۲...... الميزان الكبریٰ الشعرانية المدخلة لجميع اقوال الائمة المجتهدين و مقلديهم فی الشريعة المحمدية (یہ میزان شعرانی کے نام سے معروف ہے)

۵۳...... النور الفارق بين المريد الصادق و غير الصادق---

۵۴...... هادی الحائرين الیٰ رسوم اخلاق العارفين---[۵۰]

وصال

امام شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی تمام زندگی تصوف وشریعت کی خدمت میں بسر کرنے کے بعد ۹۷۳ھ کو قاہرہ میں وصال فرمایا--- نماز جنازہ کے عظیم اجتماع میں علماء وفقہاء اور امراء وفقراء کا جم غفیر تھا--- آپ اپنی خانقاہ میں شہر کی دو فصیلوں (بین السورین) کے درمیان مدفون ہوئے[۵۱] آپ کے صاحب زادے شیخ عبدالرحمٰن شعرانی آپ کے مسند نشین ہوئے--- ان کا وصال ۱۰۱۱ھ میں ہوا---[۵۲]

الغرض الجواهر الدار اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مفید کتاب ہے۔اس اہم کتاب کا ترجمہ فاضل جلیل عالم نبیل علامہ شاہ محمد چشتی قصوری نے بڑی عرق ریزی سے کیا ہے--- موصوف رسالہ قشیریہ، الادب المفرد، کشف الغمہ، کتاب اللمع، وفاء الوفاء وغیرہ کتب کا ترجمہ کر چکے ہیں، امید کہ پیش نظر ترجمہ بھی اہل ذوق کی نگاہ میں مقبول ہو گا--- اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے اور مزید علمی کاموں کی توفیق مرحمت فرمائے---

ان کے دیگر تراجم کی طرح یہ کتاب بھی محمد محسن اینڈ برادرز (ادارہ پیغام القرآن، لاہور) شائع کر کے اپنے علمی ذوق کا لوہا منوا رہے ہیں---

فجزاه اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء

حوالہ جات وحواشی

۱...... امام عبد الوہاب شعرانی، ۹۷۳ھ، المنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، صفحہ ۱۰

۲...... المنن الکبریٰ، صفحہ ۵۵

۳...... شذرات الذهب، جلد ۸، صفحہ ۳۴-۳۵

۴...... مقدمہ لواقح الانوار القدسیہ للشعرانی، دار صادر بیروت، صفحہ ۵

۵...... طبقات کبریٰ للمناوی، حاشیہ از محمد ادیب الجادر، دار صادر بیروت، جلد ۳، صفحہ ۳۹۲

۶...... مقدمہ لواقح الانوار القدسیہ للشعرانی، دار صادر بیروت، صفحہ ۵

۷...... المنن الکبریٰ، صفحہ ۵۶/ طبقات کبریٰ للمناوی، جلد ۳، صفحہ ۳۹۲

۸...... المنن الکبریٰ، صفحہ ۶-۵۵

۹...... طبقات کبریٰ للمناوی، جلد ۳، صفحہ ۳۹۶

۱۰...... المنن الکبریٰ، صفحہ ۵۶

۱۱...... مرجع سابق

۱۲...... مرجع سابق، صفحہ ۵۶-۵۷

۱۳...... طبقات کبریٰ للمناوی، جلد ۳، صفحہ ۳۹۲

۱۴...... المنن الکبریٰ، صفحہ ۵۷ تا ۶۰

۱۵...... معجم المطبوعات العربیة، صفحہ ۱۱۳۰

۱۶...... کشف الغمة، جلد ۲، صفحہ ۵۲

۱۷...... المنن الکبریٰ، صفحہ ۵۶

۱۸...... مرجع سابق، صفحہ ۱-۶۰

۱۹...... مرجع سابق، صفحہ ۶۷ تا ۷۱

۲۰...... الیواقیت و الجواہر، مطبوعہ مصر، جلد۲، صفحہ۲۰۱

۲۱...... مرجع سابق، صفحہ۱۰

۲۲...... طبقات کبریٰ للمناوی، جلد۳، صفحہ۳۹۶

۲۳...... المنن الکبریٰ، صفحہ۶۲۱

۲۴...... طبقات للمناوی، جلد۳، صفحہ۳۹۴

۲۵...... المنن الکبریٰ، صفحہ۳۱

۲۶...... طبقات کبریٰ للمناوی، جلد۳، صفحہ۳۹۶

۲۷...... شذرات الذہب، جلد۸، صفحہ۳۷۴

۲۸...... مرجع سابق

۲۹...... المنن الکبریٰ، صفحہ۱۷

۳۰...... مرجع سابق

۳۱...... مرجع سابق، صفحہ۱۶۳

۳۲...... مرجع سابق، صفحہ۶۲۲-۲۳

۳۳...... مرجع سابق، صفحہ۶۲۲

۳۴...... معجم المطبوعات العربیہ و المعربہ، صفحہ۱۱۳۰

۳۵...... المنن الکبریٰ، صفحہ۸

۳۶...... طبقات کبریٰ للمناوی، جلد۳، صفحہ۳۹۳، ۳۹۴

۳۷...... فیض الباری شرح صحیح بخاری، انور شاہ کشمیری، جلد۱، صفحہ۲۰۴

۳۸...... المنن الکبریٰ، صفحہ۵۶۶

۳۹...... مصدر سابق، صفحہ۵۶۷

۴۰...... طبقات کبریٰ، جلد۳، صفحہ۳۹۶

۴۱...... المنن الکبریٰ، صفحہ۲۳۲

۴۲...... مرجع سابق، صفحہ۱۷۲

۴۳...... مرجع سابق، صفحہ۱۷۱

۴۴...... مرجع سابق، صفحہ۱۷۲

۴۵...... مرجع سابق، صفحہ۲۴۳

۴۶...... مصدر سابق، صفحہ۲۷۷

۴۷...... مصدر سابق، صفحہ۲۸۱

۴۸...... مصدر سابق، صفحہ۲۷۷-۷۸

۴۹...... المنن الکبریٰ، صفحہ۷۳-۲

۵۰...... ہدیۃ العارفین، جلد۱، صفحہ۲......۶۴۱

۵۱...... طبقات کبریٰ للمناوی، جلد۳، صفحہ۳۹۶

۵۲...... مرجع سابق



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَبِہٖ نَسۡتَعِیۡنُ.

''ہم ہر کام میں صرف اسی (اللہ) ہی سے مدد چاہتے ہیں۔''

حمد و ثناء اللہ تعالیٰ کو جچتی ہے جو سارے جہانوں کو روزی دے رہا ہے جبکہ درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوتے رہیں جو مرتبہ میں سب رسولوں سے بڑھ کر ہیں اور اس کے علاوہ آپ کی ساری آل اور صحابہ کرام پر بھی نازل ہوتے رہیں۔

مجھ سے خاص تعلق رکھنے والوں (اللہ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے) نے کہا کہ میں انہیں وہ سب علمی جواہرات اور موتی بتاؤں جنہیں میں نے اپنے شیخ، اللہ کی طرف راہنمائی فرمانے والے، کامل شیخ، علم میں پختہ تحقیق کرنے والے، اللہ کے ہاں سے دل کی آنکھیں حاصل کرنے والے اور اس کی پہچان کرانے والے، اپنے آقا حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر سیکھا یا سنا تھا۔ میں نے اللہ سے مدد مانگتے ہوئے ان کی بات مان لی چنانچہ اگر یہ ارشادات صحیح اور درست ہیں تو انہی کا فیض ہے لیکن اگر ان میں غلطی یا تبدیلی ہوگئی تو یہ میرے ذمہ ہوگی، دنیا و آخرت میں اس کا بوجھ میرے سر ہوگا جس کے لئے میں عظیم اللہ سے اپنی بخشش کی دعا کر رہا ہوں لہٰذا جو شخص اس کتاب میں کوئی غلطی یا راہِ راست سے ہٹی ہوئی چیز دیکھے تو اسے درست کر دے یا شیخ کے مقابلے میں زیادہ واضح جواب دیکھے تو ان کے جواب کے بعد اسے لکھ دے کیونکہ حضرت شیخ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ میں تو ان کی بات اسی طرح بیان کروں گا جسے علماء پسند کرتے ہیں، علاوہ ازیں عام طور پر جوابوں کی وضاحت بھی کرتا جاؤں گا جنہیں میں نے حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی اور سیّدی ابوالسعود رضی اللہ عنہما جیسے عظیم مرتبوں والے مشہور بزرگوں کے کلام کے نور کی روشنی سے حاصل کر رکھا ہے جن کا ذکر ابوالعشائر نے کیا ہے انشاء اللہ آپ لوگ آگے جا کر یہ سب کچھ جلد دیکھیں گے۔

یقیناً وہ ضروری مسائل ذہن میں نہیں رکھ سکا جو میں نے حاصل کئے تھے کیونکہ بہت مرتبہ میں بھول جایا کرتا ہوں اور پھر دل میں وہ حوصلہ بھی نہیں رہا کیونکہ شیخ کی کلام سمجھنے کے لئے اسی سیڑھی کی ضرورت ہے جس کے ذریعے وہ خود اس تک پہنچے تھے۔ ہاں! اس سلسلے میں ایسے درمیانے طریقے پر چلوں گا جس میں انشاء اللہ مجھ پر اعتراض نہ ہو سکے گا اور وہ یوں کہ جو مسائل سننے والے تک ذوق وشوق کے بغیر پہنچنے ممکن نہیں، انہیں شیخ ہی کے لفظوں میں ذکر کروں گا، ان کا معنی بتانے کی کوشش نہیں کروں گا اور وہ مسائل جن کے بارے میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے ایک گروہ کو تو بتائے تھے لیکن دوسروں سے چھپائے رکھے تھے، انہیں اللہ کی مہربانی سے موقع پر واضح کرتا جاؤں گا اور وہ مسائل جنہیں میری سمجھ کے مطابق انہوں نے بالکل چھپائے رکھا تھا، میں بھی انہیں صرف اشارے ہی سے ذکر کرتا چلا جاؤں گا کیونکہ مجھے اللہ ہی کی مہربانی پر بھروسہ ہے اور وہ وہی آسانی پیدا فرمانے والا ہے۔

میں نے اس کتاب کا نام ''الجواہر والدرر'' رکھا ہے۔ میں نے شیخ کے ہر فرمان کو نفیس قسم کے پتھروں میں سے کسی نہ کسی پتھر کا نام دیا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیخ کا کلام جتنا نفیس ہے علماء کے ہاں اس کا جواب اتنا ہی نفیس ہوگا چنانچہ آپ کے فرمان کو ماس کہوں گا، کافور کہوں گا، کبریت الحمر کہوں گا، یاقوت لکھوں گا، بلخش کہوں گا، جوھر کہوں گا، دُرّی کہوں گا، زبرجد لکھوں گا اور مرجان وغیرہ کا نام دوں گا کیونکہ مجھے اسی پر بھروسہ ہے اور میرے لئے وہی آسانی پیدا فرمانے والا ہے۔

آیئے ہم اللہ بادشاہ اور سب کچھ عطا فرمانے والے کی مدد سے کتاب کا اصل مقصد شروع کرتے ہیں چنانچہ میں بیان کرتا ہوں، سیدھی راہ کی توفیق اور ہدایت دینا اسی کی مدد سے ممکن ہے۔

یاقوت

میں نے اپنے آقا حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب دل کی آنکھوں والوں (اہل کشف) کے ہاں ہر موجود چیز زندگی رکھتی اور سوجھ بوجھ والی ہے تو پھر عام لوگوں کے نزدیک بے جان چیز کے مقابلے میں جاندار چیز کا مرتبہ کیوں زیادہ ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جاندار میں موجود سوجھ بوجھ کے علاوہ صرف خواہش کا اضافہ ہوتا ہے۔

ہر بے جان چیز بھی اللہ کو جانتی ہے:

چنانچہ صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہر بے جان چیز اللہ کی پہچان رکھتی ہے، اس کے حکموں کو جانتی ہے، ہر چیز کی سمجھ رکھتی ہے اور ہر بات کو سمجھتی ہے لیکن وہ اللہ سے کی ہوئی اپنی بات ہمیں سنانے سے عاجز ہوتی ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کے معجزے یا کسی ولی کی کرامت کے طور پر اسے ہمارے ساتھ بات کرنے کی توفیق دے دے خصوصاً خاموش حیوان کو ہم سے بات کرنے کی توفیق دے دے جیسے آگے چل کر اس کی طرف اشارہ آ رہا ہے۔

خچر نے عذابِ قبر دیکھا:

ایک دن رسول اللہ ﷺ خچر پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ اسی دوران ایک پرانی قبر کے قریب پہنچے تو خچر بدک اٹھا جس پر آپ نے بتایا کہ ''اس نے اس قبر والے کو عذاب ہوتا دیکھا ہے تو بدک اٹھا ہے۔''

اولیاء باطنی نظر سے ایسے کام دیکھ لیتے ہیں:

پھر صحیح میں ہے کہ جن و انسان کے علاوہ ہر شے قبر کا عذاب سنتی ہے چنانچہ بہت سارے اولیاء اللہ نے اپنی باطنی نظروں سے ایسا ہوتے دیکھا بھی ہے جن میں سے ایک حضرت شیخ محمد بن عنان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے اس شخص کے لئے دعا کی تو اس کے بعد آج تک اس کے چلانے کی آواز نہیں سنی جا سکی اور پھر انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ عذاب والا وہ شخص اناج تولا کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے تو ہر انصاری آپ کی اونٹنی کی مہار تھامنے کی کوشش میں تھا جس پر آپ نے فرمایا: ''اسے جانے دو کیونکہ یہ اللہ کے حکم پر چل رہی ہے اور حکم اسی کو دیا جاتا ہے جس میں سمجھ ہوتی ہے۔''[1]

پھر قرآن کریم میں بھی ہے:

1۔ صہ۸ حاشیہ نمبر ۱

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَّطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ.

(الانعام: ۳۸)

''اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پیروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں۔''

اور امتیں وہی ہو سکتی ہیں جن میں ایک طرح کی عادتیں ہوں اور وہ حیوان ناطق ہوں البتہ ان میں سے ہر جنس دوسری سے بات کرتے وقت اس کی بات کو پوری طرح سمجھ نہیں پاتی۔ واللہ اعلم

پھر انہی امتوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ.

(الانعام: ۳۸)

''پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے۔''

یعنی بالکل ویسے ہی اٹھائے جائیں گے جیسے تمہیں اٹھایا جائے گا اور یہ بات اللہ کے اس فرمان میں موجود ہے۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ.

(تکویر: ۵)

''اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں۔''

یعنی اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ ہماری طرح ان سب کا بھی فیصلہ فرمائے گا چنانچہ وہ سینگ والی بکری سے بے سینگ بکری کو بدلہ لے کر دے گا جیسے حدیث پاک میں آتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان جانوروں کو حکم ہوتے ہیں اور وہ اللہ کے پابند ہیں لیکن انہیں نہ جاننے والوں کو ان کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہی بات اس آیت سے بھی معلوم ہو رہی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ.

(فاطر: ۲۴)

''اور جو کوئی گروہ تھا، سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے اُمَّةٌ اور نَذِيْرٌ کے الفاظ ''نکرہ'' لا کر بیان فرمائے ہیں (جس کا مفہوم یہ بنتا ہے

کہ ہر امت کے لئے کوئی ڈر سنانے والا ہو گزرا ہے) اور یہ جاندار بھی تو ایک گروہ ہی ہیں۔

اس پر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ڈر سنانے والا بھی انہی کی جنس سے ہوا کرتا ہے یا اس کی جنس کوئی اور ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ دونوں ہی صورتیں ممکن ہیں لیکن اسے صرف وہی جانتا ہے جسے خود اللہ تعالیٰ دکھا دے جبکہ شیطان اور اس کا قبیلہ وہاں سے تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہے جہاں سے تم نہیں دیکھا کرتے اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ انسانوں کے دلوں میں ایسی باتیں ڈال دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے جھگڑنے لگتے ہیں لیکن جھگڑا کرنے والا یہی سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ بات اپنی طرف سے کر رہا ہے حالانکہ وہ شیطان کی طرف سے ڈالی گئی ہوتی ہے اور چونکہ وہ پردے میں ہوتا ہے اس لئے اسے اس کا پتہ نہیں چلتا لیکن دل کی آنکھوں والے کبھی جھگڑا نہیں کرتے بلکہ وہی کچھ کرتے ہیں جو پردے میں ہوتا ہے کیونکہ دیکھنے والا جھگڑا نہیں کرتا اور پھر کتوں کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ تمہاری طرح ایک امت اور گروہ ہیں' پھر چیونٹی' چوہے اور زمین پر چلنے والے جانوروں کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ انہی کی طرح گروہ ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا کہ گروہوں میں جو کچھ بھی ہے وہ ہماری طرح ہی ہے بلکہ ان میں میری طرح کا ابن عباس بھی موجود ہے۔

اس پر میں نے آپ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ میں گمراہوں کو جانوروں جیسا فرمایا ہے تو کیا اس میں جانوروں کے اللہ کے بارے میں علم کو انسان سے گھٹیا قرار دیا ہے یا کامل فرمایا گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ بات میرے علم میں تو نہیں ہے تاہم میں نے ایک صوفی سے سنا ہے کہ گمراہوں کو جانوروں جیسا کہنے میں جانوروں کی خامی کا ذکر نہیں بلکہ اس میں ان کے اللہ کو پوری طرح جاننے کا بیان ہے اور وہ اس کی ذات میں حیران ہوتے ہیں چنانچہ درحقیقت وہ صرف حیران ہی ہوا کرتے ہیں' جانوروں جیسے نہیں ہوتے جبکہ ان جیسے نہیں جن میں حیرانی پیدا ہوئی تاہم وہ اللہ کے بارے میں علماء سے بڑھ کر حیران نہیں ہوتے؟ چنانچہ اللہ کا علم رکھنے میں جس اعلیٰ مقام پر علماء پہنچے ہوتے ہیں وہ جانوروں کے اس علم کی ابتداء ہوتی ہے جہاں سے وہ ہٹتے نہیں اور ان کا بنیادی علم ہوتا ہے اگرچہ وہ اللہ کی شانوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ان جانوروں جیسے ہیں جنہیں اللہ نے گمراہ قوم قرار دیا ہے کیونکہ وہ اس حیرانی سے اپنی سوچ

بچار کے ذریعے نکلنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ ایسا نہیں کر سکتے جبکہ وہ جانور اس بات کو جانتے ہیں اور اس کے سامنے ٹھہرے ہوتے ہیں' وہ اس مقام سے نکلنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ اللہ کے بارے میں پورا پورا علم رکھتے ہیں۔ (انتہی)

اس پر میں نے عرض کی کہ آپ کے مطابق جانوروں کو مویشی صرف اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی بات چیت اور حالات کا مقابلہ اکثر مخلوق سے چھپا ہوتا ہے نہ یہ کہ خود انہیں بھی اس کا علم نہیں ہوتا؟

آپ نے فرمایا: بات تو یونہی ہے کیونکہ ان مویشیوں کا مقابلہ اس طور پر چھپا ہوتا ہے کہ مخلوق اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی' وہ اس بارے میں حیران ہوتے ہیں اور اپنے بارے میں یوں واقف نہیں ہوتے جیسے دل کی آنکھوں والے ہوتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ آخر حیوانوں کے بارے میں لوگوں کے حیران ہونے کا سبب کیا ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: اس کا سبب کچھ جانداروں کے ایسے کام ہوتے ہیں جو صحیح غور وفکر اور گہری سوچ کے سوا ہو ہی نہیں سکتے جبکہ اللہ نے ان لوگوں کو ان کے بارے میں علم ہی نہیں دیا ہوتا اور پھر وہ ان کے عجیب و غریب پختہ کاموں کا انکار بھی نہیں کر سکتے تاہم خوامخواہ جھگڑنے لگتے ہیں چنانچہ اللہ سے پردے میں رہنے والے یہ لوگ اپنی کہی ہوئی اور ان باتوں میں ہیر پھیر کرتے ہیں جو کتاب وسنت کے اندر ان کے بارے میں آ گئی ہیں۔ میں حیران ہوں کہ یہ لوگ مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کے بارے میں کیا کر رہے ہیں جیسے شہد کی مکھی کو دیکھتے ہیں کہ وہ شمع کی ٹکیاں بناتی ہے جن میں اللہ کے سامنے ان کی کئی حکمتیں اور آداب ہوتے ہیں اور یونہی مکڑیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ شکار کرنے کے لئے ایک ترتیب سے جالے بنتی ہیں کیونکہ اللہ نے ان کے لئے اس شکار کو روزی بنا رکھا ہے۔ یونہی چیونٹیوں اور کئی حیوانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی روزی جمع کر رکھتے ہیں' وہ اپنے گھونسلے وغیرہ بناتے ہیں جنہیں گھاس پھوس اور مٹی سے تیار کرتے ہیں جن کا خاص اندازہ اور ایک پھیلاؤ ہوتا ہے چنانچہ ان میں وہ اپنی روزی رکھتے ہیں تاہم یہ قحط سے بچنے کے لئے جمع کی ہوئی چیز میں سے آدھا کھانے کی کوشش کرتے ہیں کھانے کو کچھ نہیں پاتے چنانچہ اگر یہ سب کچھ سوچ بچار سے کرتے ہیں تو اہل نظر کی طرح ہوتے ہیں جس کی بناء پر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بے عقل ہیں اور اگر ان کا یہ علم واضح ہے تو پھر

جیہ ان چیزوں میں ہماری طرح ہیں جنہیں ہم واضح ہونے کے بغیر نہیں جان سکتے تو ایسے میں ان کے اور ہمارے درمیان فرق نہ ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ مخلوق کی آنکھوں سے اندھے پن کا پردہ یوں اتار دے جیسے مشاہدہ کرنے والوں اور ایمان والوں کی آنکھوں سے ہٹایا ہوا ہے تو عجیب وغریب چیزیں دیکھتے اور پھر درختوں کے ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور ملاپ کی خواہش میں سوچ بچار کرنے والوں کے لئے واضح نشانی موجود ہے بشرطیکہ وہ انصاف سے کام لیں چنانچہ خود میں نے حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ کے ہاں دیکھا تھا کہ وہ حیوانوں کے ساتھ تو کیا' بے جان چیزوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرتے تھے جو جانداروں سے کیا جاتا ہے چنانچہ فرماتے تھے کہ ہر بے جان چیز بات کو سمجھتی ہے اور دکھ میں ویسے ہی مبتلا ہوتی ہے جیسے جاندار ہوتا ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ ہمارے علم کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام سے گفتگو کرنے والی چیونٹی نے ان سے کہا تھا کہ اے اللہ کے نبی! مجھے معاف کرو' میں آپ کو وہ بات بتا رہی ہوں کہ میرے خیال کے مطابق آپ اسے نہیں جانتے۔ جس پر آپ نے اسے امن دیا تو اس نے راز سے آپ کے کان میں کہا کہ میں بارگاہِ الٰہی میں آپ کی اس بات میں حسد کی بو محسوس کرتی ہوں جس میں آپ نے کہا تھا کہ ''مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔'' جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے دوبارہ عرض کی کہ آپ نے یہ بات کرتے ہوئے کئی طرح سے اللہ کا ادب سامنے نہیں رکھا تھا۔

۱۔ ایک یہ کہ آپ نفس کی اس بری خواہش سے اس اچھائی کی طرف نہیں گئے جس کے بارے میں اللہ نے آپ کو حکم دے رکھا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ آپ نے پرزور طریقے سے خواہش کی تھی کہ آپ کے بعد یہ بادشاہی آقا و مولیٰ کے بندوں میں سے کسی کو نہ مل سکے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ آپ نے هَبْ لِیْ مُلْکًا (مجھے بادشاہی دے) کہہ کر یہ چاہا کہ آپ کے آقا و مولیٰ کی بادشاہی صرف آپ کو مل جائے لیکن آپ کے ذہن میں یہ بات نہ آ سکی کہ آپ بھی اس کے ایک بندے ہیں چنانچہ آپ کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ آپ بھی بادشاہ بن بیٹھیں حالانکہ بادشاہی ملنے کی خوشی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ آپ اسی کی بادشاہی دیکھیں' آپ

کی یہ بات سمجھداری نہ تھی۔

اس کے بعد وہ بولی کہ اے سلیمان! وہ کون سی چیز ہے جسے آپ نے دینے والے سے مانگا ہے؟ آپ نے کہا کہ وہ میری انگوٹھی ہے۔ جس پر اس نے کہا: مجھ اس بادشاہ پر افسوس ہے جسے ایک انگوٹھی اپنے گھیرے میں لئے رکھے۔

چیونٹی کی بات مکمل ہوئی۔ واللہ اعلم

ماس

میں نے اپنے شیخ سے پوچھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اللہ کے پیغاموں کو کیسے یاد رکھا کرتی تھی جبکہ اس دور میں کوئی بھی شخص لکھنا نہیں جانتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس بارے میں کچھ بتایا ہی نہ تھا؟

آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد بہت سمجھدار ہونے کی بناء پر کم ہی بھولا کرتے تھے چنانچہ حرفوں کے نام یاد کرتے اور لفظ بول کر معنی بتا دیتے اور اس کی راہنمائی کر دیتے تھے تاہم قلم کے ساتھ ان میں سے لکھنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ ان میں سے کسی کے دل میں کوئی بات ڈالی جاتی تو الفاظ اور حروف کم ہونے کی وجہ سے وہ اسے یاد کر لیتا اور روئے زمین پر اس وقت چند لوگوں کے علاوہ علم والا انسان کوئی بھی موجود نہ تھا۔ وہ آپس میں صرف ضرورت کی بات کرتے تھے' گزری ہوئی کوئی بات ان کے سامنے نہ تھی اور نہ ہی انہیں اس کی ضرورت تھی' اور یونہی کسی ایسے شخص کے اثرات کی ضرورت بھی نہ تھی جسے وہ اپنی کتاب میں محفوظ کرتے اور نہ انہیں اس کی ضرورت تھی اور نہ ہی ایسے آثار کی ضرورت تھی جو ان سے پہلے کوئی تھا جس کی وہ حفاظت کریں' جس کی وجہ یہ تھی کہ فرشتوں کی سریانی زبان کسی دنیوی جسم میں نہیں لکھی جا سکتی تھی کیونکہ وہ صرف دلوں میں سمانے والی ہوتی ہے اور اسی بناء پر اس دور میں آدمی اور اس کے گھر والے اپنی ضرورت کی' کھانے پینے اور فائدے کی ہر چیز کو لکھنے کے محتاج نہ تھے اور نہ ہی گھر کی ہر چیز کو سنبھالتے تھے' انہیں صرف اسے جاننے کی ضرورت ہوتی تھی تاکہ وہ اپنی اولاد کو کسی بھی طریقے سے اسے سکھا کر پرورش پاتے چنانچہ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور آخرکار ان کے حالات بدل گئے' جان پہچان میں کمی آ گئی' بہت بھولنے لگے' ایک دوسرے کو بتانے کی باتیں بڑھ گئیں اور انہیں پہلے لوگوں کی باتیں جاننے کی خواہش ہوئی جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی اور رحمت

کی بناء پر انہیں لکھنے لکھانے کا ڈھنگ بتا دیا۔

اس پر میں نے پوچھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب ہندوستان میں اتارا گیا تو اللہ نے انہیں ہندی زبان کے حرف سکھائے تھے یا عربی کے؟

آپ نے فرمایا کہ انہیں صرف ہندی حرف سکھائے گئے تھے جو ان نو شکلوں میں موجود تھے۔ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹ چنانچہ انہی سے ہر موجود چیز کے نام تیار ہوئے، انہی سے سارے معنی بنے، حساب اور گنتی کے سارے ہند سے انہیں سے بنے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام انہی حروف کی وجہ سے ساری چیزوں کے نام جانتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کی اس شکل وصورت کو پہچانتے تھے جس کی بناء پر وہ موجود تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں یہ سلسلہ ان کے گھنے ہونے تک جاری رہا، آپ نے سریانی بولنا شروع کی۔ پھر آپ کے وصال کے بعد آسمان نے وہ شکل بنائی جس میں تبدیلی لازم تھی چنانچہ حروف بڑھا دیئے گئے جو بڑھتے رہے اور ایک ایک کر کے چیزیں بھی بڑھتی چلی گئیں۔ آخر کار ان کی گنتی پورے اٹھائیس حروف تک جا پہنچی چنانچہ حروف مکمل ہونے پر عربی بولی بھی تیار ہوگئی اور بولی پوری ہونے پر حرف بھی ختم ہو گئے اور ان کے مالک کی شریعت پر کسی زیادتی کے بغیر قیامت برپا ہوگی۔

میں یہاں بتاتا چلوں کہ میں نے یہی بات حضرت مخریطی رحمہ اللہ کے کلام میں بہت مرتبہ دیکھی ہے۔ واللہ اَعلم

جوہر

میں نے اپنے شیخ سے اللہ کے خوف کے بارے میں پوچھا کہ آیا درحقیقت یہ اس کی ذات سے آتا ہے یا اس چیز کی وجہ سے آتا ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ خوف اللہ کی ذات سے نہیں ہوسکتا کیونکہ ڈرنے والا اس کی ذات سے واقف نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اس چیز سے خوف کھاتا ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ.

(النور: ۳۷)

''ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔''

ان کے اس دن سے ڈرنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس میں سختیاں دیکھنے کو ملیں گی۔

میں نے ان سے پوچھا کہ پھر اس آیت کا معنی کیا ہوگا؟

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ.

''وہ اوپر سے اپنے رب کا ڈر رکھ رہے ہوں گے۔''

آپ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان اسباب کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے جو ان کے اوپر ہوں گے۔

میں نے عرض کی کہ کیا اللہ کے کسی قریبی شخص کا ڈر ختم بھی ہو سکے گا؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں خواہ وہ جنت میں جا کر اعلیٰ مرتبے ہی کیوں نہ حاصل کر لے کیونکہ اللہ کا یہ قریبی شخص جانتا ہوگا کہ اللہ کا یہ فرمان سب کے لئے ہوگا۔

میں نے پوچھا کہ آخر بندے کا یہ خوف کب دور ہو سکے گا؟

آپ نے فرمایا کہ یہ خوف جنت میں چلے جانے پر ختم ہوگا۔ واللہ اعلم

یاقوت

صرف مومن ہی کے لئے امدادِ الٰہی کیوں؟

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

(الروم: ۴۸)

''اور ہمارے ذمۂ کرم پر ہے مومنوں کی مدد فرمانا۔''

کہ کیا ان کی یہ امداد ہر شخص کے لئے ہر وقت ہوگی یا آخر کار کسی خاص شخص کے لئے رہ جائے گی جس کی وجہ سے مومنوں کی حکومت بنے؟

آپ نے فرمایا: ایمان کے ہوتے ہوئے یہ مدد ہمیشہ کے لئے ہو گی کیونکہ اس کا اللہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

وجہ شکست صحابہ:

اس پر میں نے ان سے پوچھا کہ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کہیں کہیں شکست کا سامنا کیوں کرنا پڑا' وہ تو یقینی مومن تھے؟

آپ نے فرمایا کہ انہیں یہ شکست اس وقت ہوئی جب انہوں نے اپنی کثرت پر ناز کرتے ہوئے اللہ سے کچھ توجہ ہٹائی چنانچہ ان کی یہ کثرت ان کے کام نہ آسکی۔

میں نے شَطْح (اپنے بارے میں بڑائی کا دعویٰ) کرنے والے ایک شخص سے سنا جو بتا رہا تھا کہ اس موقع پر مشرک لوگ صحابہ کے مقابلے اپنے خداؤں پر پختہ ایمان رکھے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر غیرت کھاتا ہے کہ جس کا نام خدا ہے' ذلیل ہو جائے۔

میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے تو امداد کو صرف مومنوں کے حصے میں کیا ہوا ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ تمہیں کہاں سے سوجھی؟ اللہ تعالیٰ نے تو صرف ایمان کا ذکر کیا ہے (مومن کا ہو یا کافر کا) اس نے یہ تو نہیں فرمایا کہ یہ ایمان فلاں فلاں چیز پر ہو بلکہ اس نے صرف ایمان کا ذکر کیا ہے تا کہ اس میں وہ بھی آجائے جس نے غلطی سے بت پر خدا کا نام بولا ہے اور اس پر ایمان لایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ گری ہوئی بات ہے لہٰذا یوں کہنے سے گریز کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

دُر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں عرض کی کہ علماء کرام بڑے بڑے اولیاء کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی وضاحت یوں کیوں نہیں کرتے جیسے انبیاء علیہم السلام کے الفاظ کی خاطر کرتے ہیں حالانکہ ان سب کا طریقہ فرمان تو ایک ہی ہوتا ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا: یہاں اگر انصاف سے کام لیا جائے تو اولیاء کرام اس وضاحت کے زیادہ حقدار

بنتے ہیں کیونکہ وہ فصاحت و بیان میں حضرت شارع کے مرتبہ سے کم مرتبہ ہوتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ہر دور کے اندر ایسا کم ہی کیا گیا ہے، ذرا رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں غور کرو:

''آج رات میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس کوئی آیا ہے۔''

ایک اور روایت میں یہاں یہ الفاظ ہیں:

''میرے پاس میرا پروردگار آیا اور میرے دونوں پستانوں (سینہ پر) کے درمیان اپنی انگلیاں رکھیں، مجھے ان کی ٹھنڈک محسوس ہوئی چنانچہ میں نے پہلے والوں اور پچھلوں کا علم حاصل کرلیا۔''

اگر یہی بات کوئی ولی کہہ دیتا تو لوگ مل کر اس کو قتل کر دیتے حالانکہ یہ بات ان کے ذہن میں نہیں کہ اولیاء کرام کو وحی کی اطلاع ہوتی ہے اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وحی کے جھونکے ان کے دلوں پر سے گزرتے ہیں جو ان کے سامنے اللہ کے معاملات کی حقیقتیں کھول دیتے ہیں لہٰذا ادب اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایمان کی بناء پر ان جھونکوں کو ویسے ہی قبول کرلیں جیسے انبیاء علیہم السلام سے قبول کئے جاتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ گذشتہ حدیث ''میں نے پہلے والوں اور پچھلوں کا علم حاصل کرلیا'' میں رسول اکرم ﷺ کے فرمان کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس سے مراد فقہ، نحو اور اصول وغیرہ جیسے نقلی اور عقلی علوم مراد ہیں جو آپ نے اپنی امت کو سکھائے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! اس سے یہ سارے علوم مراد ہیں۔

اس پر میں نے عرض کی کہ پھر ''پہلے والوں اور پچھلے والوں'' کا مطلب کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد پہلی امتیں اور قیامت تک آنے والے آپ کے پیروکار ہیں۔

میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر کسی عالم کے فرمان کو ردّ کرنا حضرت شارع علیہ السلام کی بے ادبی ہوگی کیونکہ ان کا یہ فرمان درحقیقت آپ ہی کا فرمان بنتا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں! ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ حضرت شارع علیہ السلام کے کھلم کھلا فرمان کے بغیر ایسے قول کا ردّ کر دیں جو سمجھ میں نہ آسکے۔ ہاں! اگر وہ عالم اپنے قول پر دلیل دے اور ہمیں حدیث کے

منسوخ ہونے کا پتہ نہ چل سکے تو پھر کبھی ہم اس پر عمل کریں گے اور کبھی اُس پر۔

میں نے ان سے کہا کہ ہمارا کسی قول کو یوں ردّ کر دینا بھی تو نبی کریم ﷺ ہی کے علم سے تعلق رکھتا ہوگا تو پھر صورت کیا بنے گی؟

آپ نے فرمایا: یہ بات صحیح ہے لیکن ادب اور اصل طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے بندہ ہونے کو دیکھے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کی اہمیت پر نظر رکھے چنانچہ اہمیت والے شخص کی ہر بات کو مان کر اپنی رائے کو چھوڑ دے کیونکہ اگر ہم علماء کے کسی قول کو ردّ نہ کریں تو ایک مذہب کے پابند کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ جو شخص کسی ایک مذہب کا پابند ہو جائے تو یہ بات بہت اچھی ہوگی۔ واللہ اعلم

زمـــرّد

ایک عارف شخص کے لئے دنیا میں آرام وسکون مناسب نہیں:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا تھا کہ اس دنیا میں کامل لوگوں کے لئے آرام طلبی کا دروازہ بند ہے جس کی بناء پر ہر شخص اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں شرمندہ ہو رہا ہوتا ہے کہ اپنے چہرے سے مکھی تک کو ہٹائے اور وہ اس بات میں بہت زیادہ شرمندگی محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نفسانی خواہش پوری ہوتا دیکھے یا پھر مکھی، مچھر یا جوں سے اپنا کوئی بدلہ لے کیونکہ عارف لوگوں کے ہاں ذاتی طور پر دنیا میں ٹھہرنا یہ چاہتا ہے کہ کوئی بھی شخص حیوانوں کی طرح بیکار نہ ہو بلکہ اس کی ہر حرکت وسکون حکم الٰہی کے تابع ہو چنانچہ جو شخص اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے چہرے سے مکھی ہٹا رہا ہوگا تو گویا وہ کسی نعمت کی خواہش رکھتا ہوگا۔

بلـخش

مسلسل روزوں کے ناجائز ہونے کی وجہ:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا لگاتار روزے رکھنا ہر شخص کے لئے حرام ہے یا کسی خاص کے لئے؟

آپ نے فرمایا: میں جانتا تو نہیں البتہ کسی سے سنا ہے کہ یہ فرمان اس شخص کے بارے میں ہے جسے

سوتے میں، کھانے پینے کو ہمیشہ نہیں ملتا لیکن جسے حضور ﷺ کا وارث ہونے کی وجہ سے کھانے کو ملتا ہی رہتا ہے تو اسے لگاتار رکھنے جائز ہیں چنانچہ یہ رکاوٹ حضرت شارع علیہ السلام کی طرف سے صرف شفقت ومہربانی کی بنتی ہے لہٰذا ہمت والے کے لئے لگاتار رکھنا جائز ہوں گے۔

اس پر میں نے عرض کی کہ علماء تو اس کے مخالف ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ مخلوق میں سے ہر عالم وہی فتویٰ دیتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اسے علم دے رکھا ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا ایسے شخص کی کوئی علامت بھی ہوتی ہے جو یہ کہہ دیتا ہے کہ نیند میں اسے کھلایا پلایا جاتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے ایک نشانی ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنی طاقت، عقل اور مزاج میں کمی محسوس نہیں کرتا اور جب ان چیزوں میں کمی محسوس کرے گا تو اسے لگاتار رکھنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے دنیا وآخرت کے فائدے جانتا ہوتا ہے چنانچہ اس نے ہمارے لئے فجر طلوع ہونے سے سورج غروب ہونے تک کا وقت صرف اس بناء پر مقرر کیا ہے کہ اس سے زیادہ وقت جسم میں کمزوری پیدا کرے گا جس کی بناء پر بندہ دوسرے ایسے کاموں سے بیگار ہوکر رہ جائے گا جن کا کرنا اس بھوک کے مقابلے میں بھی زیادہ ضروری ہے جیسے اکثر لوگ کسی شیخ کی پیروی کے بغیر عبادت کیا کرتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ اگر لگاتار روزے اس بناء پر ہوں کہ وہ شخص اپنے حال میں غرق ہے یا پھر اس کی حالت بن گئی ہے جو اس کے اور کھانے کے درمیان رکاوٹ ہے تو پھر؟

آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے شخص کا حال ویسے ہی صحیح رہتا ہے کیونکہ کچھ فقیر ایسے ہوتے ہیں جو کھاتے ہیں تو بھوکے ہوتے ہیں اور ان کا بدن کمزور ہو جاتا ہے اور جب بھوکے ہوتے ہیں تو پیٹ بھرے اور طاقتور ہوتے ہیں جیسے ہم نے ابن عراق رحمہ اللہ کے ساتھیوں کو دیکھا ہے۔

میں نے کہا یوں تو پھر بڑے لوگوں کی بھوک مجبوری کی بناء پر ہوتی ہوگی، مرضی سے نہیں ہوتی ہوگی؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! کھانا ہوتے ہوئے کسی عقل مند کے لئے بدن کو نقصان دینے والی بھوک کبھی

مناسب نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھوکا ہوگا تو اپنے آپ پر ظلم کر رہا ہوگا' انصاف کو ہاتھ سے جانے دیتا ہوگا اور یہ بات بہت بری ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ "یہ بری بات ہے کہ کچھ کھانے کو نہ مل سکے۔" دیکھئے رسولِ اکرم ﷺ کئی کئی راتوں تک بھوکے رہا کرتے تھے کیونکہ یا تو کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا یا اپنے آپ سے زیادہ ضرورت مند کو دے دیتے تھے جیسے کہ حدیثوں میں آتا ہے۔ واللہ اعلم

جوھر

زاہد شخص اللہ کے ناموں وغیرہ کے مطابق عمل کرے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اس دنیا میں زاہد شخص اللہ کے کن ناموں اور دوسری چیزوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ جہان میں موجود ہر چیز اللہ کی ذات ہی سے تعلق رکھتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اسے نہ بنانے کی بجائے بنا دیا ہوا ہے تو پھر اس زاہد کا تعلق کس چیز سے ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے اس سے بے تعلق ہونا' پہلے اور بعد والے ان لوگوں کے لئے ایک ہدایت ہے جو اللہ کے حکموں کو مانتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا ہے اور ہر چیز کو ان کے لئے سجا دیا ہے اور پھر اسے اپنے لئے ایک پردہ سا بنا دیا ہے کہ وہ دونوں جہانوں کی خوبصورتی سے توجہ ہٹا کر اس کو پہچان سکے چنانچہ جو شخص دنیا و آخرت میں کسی شے کی خواہش نہیں رکھتا' وہ صرف اللہ ہی کا ہوتا ہے لیکن جو دنیا میں زہد کرتا ہے وہ صرف آخرت کے لئے ہوتا ہے لیکن جو دنیا میں زہد نہیں کرتا' وہ کسی کے ساتھ بھی تعلق نہیں رکھتا چنانچہ برباد ہوتا اور سر کے بل گرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ زاہد لوگ اس بناء پر اللہ والے کام کرتے ہیں کہ جب سے اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے' اس نے ان چیزوں کی طرف پیار اور دلچسپی سے نہیں دیکھا اور نہ وہ اسے بنانے سنوارنے کے لئے توجہ ضرور دیتا حالانکہ وہ ہر طرح سے ان کا خیال رکھتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو وہ موجود ہی نہ ہوتیں چنانچہ زاہد شخص بھی انہیں دلچسپی سے نہیں دیکھتا وہ صرف اس بناء پر دیکھتا ہے کہ وہ اس روزگار کے بارے میں غور و فکر کر سکے جس کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتا کیونکہ جو اللہ سے تعلق کی بناء پر دنیا کی پرواہ نہیں کرتا وہ جاہل ہوتا ہے کیونکہ صرف اللہ سے تعلق رکھنا صحیح نہیں ہوتا چنانچہ موجود چیزوں

سے بے پرواہی صرف اللہ ہی کا کام ہے چنانچہ دنیا سے لوگوں کی بے تعلقی کا مقصد صرف یہ رہ جاتا ہے کہ بندہ اپنا دل فارغ رکھے اور اپنی ضرورت سے زائد چیز کو حاصل کرنے کی پرزور کوشش نہ کرے' یہ نہ ہو کہ وہ ان چیزوں میں دلچسپی لیتا پھرے۔

اس پر میں نے ان سے پوچھا کہ کچھ لوگ دنیا سے بے تعلقی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں روزی سے صرف اس بناء پر بے تعلق ہوں کہ اپنے بھائیوں کے لئے کچھ بچ رہے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ایسا زہد بے کار ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیوں؟

انہوں نے فرمایا: اس بناء پر کہ یوں اس کا اعتقاد یہ ہوگا کہ اس نے جو کچھ ان کے لئے رہنے دیا ہے وہ اللہ نے اسے ہی دیا تھا اور اس کے بعد مخلوق کو دیا تھا اور یہ باطل ہے۔

میں نے عرض کی: تو پھر ایسے زہد سے چھٹکارا کیسے مل سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: چھٹکارا یوں ممکن ہے کہ جس چیز کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے وہ اس سے زیادہ مضبوط' پائیدار ہے جو وہ خود نبھاتا ہے اور پھر وہ اس کے قبضے میں موجود چیزوں میں بھی تو دانا اور علم والے شخص کی طرح عمل دخل فرماتا ہے کیونکہ وہ شخص اللہ کی طرف سے اس کے المعطی اور المانع ناموں کا نائب ہوتا ہے چنانچہ وہ اسی کے سہارے چیزوں کو بچاتا اور دیا کرتا ہے۔ واللہ غفور رحیم

کبریتِ احمر

اللہ کی پہچان پوری طرح کیا کرو:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو اللہ کی پہچان کے لئے پوری دلیلیں تیار کرتا اور کوئی کسر نہیں چھوڑتا جس کی وجہ سے اللہ کی کچھ صفتوں کو چھوڑ بیٹھتا ہے یا اس کی ایسی خوبیاں بتاتا ہے جو اس کے لئے مناسب نہیں جب تک وہ حق تعالیٰ سے راہنمائی نہیں لیتا' آیا اسے ثواب ہوگا یا یہ کہا جائے گا کہ اسے ثواب نہیں ملا؟ اور جب اسے ثواب نہ ملے ایک تو پھر اس کہاوت کا مطلب کیا ہے کہ جو

کوشش کرتے ہوئے غلطی کر جاتا ہے اسے ایک اجر ملے گا؟

آپ نے دلیل دیتے ہوئے سورج کی مثال دی (یعنی یہ بات واضح ہے) اور فرمایا کہ ایسے معاملے میں جب انبیاء علیہم السلام سے کوتاہی ہو سکتی ہے تو دوسروں سے تو ان سے بھی پہلے ہو سکے گی۔

پھر بتایا کہ یہ بات میں نے اہل سنت والجماعت میں سے کسی کے کلام میں نہیں دیکھی۔

اس پر میں نے اپنے شیخ سے کہا کہ یوں تو پھر برا بھلا اسی کو کہا جائے گا جو نہ تو پوری طرح غور وفکر کرے اور نہ ہی اپنی پوری کوشش کرے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں!

اس پر میں نے پوچھا کہ پھر یہ لوگ اللہ کے فرمان

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ.

(النساء: ۱۱۷)

''اللہ تعالیٰ اپنا شریک بنائے جانے کو نہیں بخشے گا۔''

کے بارے میں کیا کہیں گے؟

انہوں نے فرمایا: یہ لوگ اس سلسلے میں حق تعالیٰ کی تلاش میں اس کے ساتھ کسی کو شریک بنانے والے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ انہیں نہیں بخشے گا لیکن اس کی پہچان کے لئے پوری کوشش نہیں کرتے چنانچہ جو شخص پوری کوشش کرے گا اسے بخش دیا جائے گا۔

میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک کے بارے میں عام حکم فرمایا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اسی بناء پر شطح (بڑائی کا دعویٰ) کرنے والے لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں جو اس سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرتے ہیں۔

میں نے کہا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ کا یہ فرمان

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ.

(المومنون: ۱۱۸)

''آپ فرمادیں کہ اے پروردگار! بخش دے اور رحم فرما۔''

ہر غلطی کرنے والے کے لئے شفاعت بن سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! بنتا ہے لیکن یہ شفاعت آخرت سے پہلے صرف دنیا سے تعلق رکھتی ہے تو گویا آپ نے یوں فرمایا ہے کہ ''اے پروردگار! ان کو توبہ کی توفیق دے تاکہ اپنی غلطی سے توبہ کرلیں اور اس کی وجہ سے نیک بخت ہوتے ہوئے فوت ہوں۔'' تاہم شطح (دعویٰ کرنے) والے کو کچھ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ آخرت سے پہلے ان کے لئے شفاعت ہی ہے خواہ وہ توبہ کئے بغیر فوت ہو جائیں چنانچہ جب انہیں اللہ کو ایک ماننے کا فائدہ حاصل ہوگا' وہ جہنم سے نکلیں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ یہ ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کی برکت ہے تو وہاں آپ کے مرتبہ کو جان لیں گے کیونکہ آپ تو فرمانبرداروں اور ساری امت کے نافرمانوں کے لئے رحمت ہیں چنانچہ وہ جنت میں جائیں گے' وہاں آپ سے تعلق رکھیں گے اور یہ بہت بڑا کرم ہوگا۔ واللہ اَعلم

میں نے ان سے عرض کی: آپ یہ تو بتایئے کہ پچھلی اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بخشش و رحمت کے لئے کی ہوئی دعا صرف آپ کی امت ہی سے تعلق رکھتی ہے یا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے لئے ہر اس شخص کو کام دے گی جو اس طرح کا کام کرے؟

علماء کرام ہر اسلامی فرقے کے لئے دعائے مغفرت و رحمت کیا کریں:

آپ نے فرمایا کہ یہ دعا ہر اس شخص کے لئے ہے جو پوری طرح غور و فکر کرے کیونکہ آپ نے اپنی اس دعا میں صرف اسی کو سامنے رکھا ہے جس پر شریعت کے احکام لاگو ہوں اور وہ تلاشِ حق کی کوشش کرتا ہے۔

اس پر میں نے عرض کی: یوں تو پھر رسول اللہ ﷺ کے نائب بننے والے ہر ولی اور عالم کے لئے مناسب یہ ہے کہ بخشش و رحمت کی دعا کرتے وقت اہل سنت والجماعت کے علاوہ ہر اسلامی فرقے کو ذہن میں رکھے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! ہر دعا کرنے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ صحیح راہ سے ہٹے ہوئے ایسے ہر اسلامی فرقے کے لئے دعا کرے جسے کوئی مجبوری ہے چنانچہ جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس

شفاعت میں حصہ دار بنائے گا لہٰذا اے بھائی! یہ حصہ لینے سے غفلت نہ کرو اور ان لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤ جنہیں ابلیس اور جہالت نے گھیر رکھا ہے کیونکہ اللہ کی رحمت تو عام ہے تاہم اس شفاعت میں پابندی یہ ہوتی کہ یہ صرف فرمانبرداروں کو ملے گی جبکہ یہ پابندی اس بات میں فرق نہیں رکھتی کہ یہ رحمت کون لے رہا ہے؟ چنانچہ یہ لازماً اسے ملے گی جو اللہ کی طرف سے احسان کے طریقے پر لے رہا ہو گا جبکہ صحیح حدیث میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر اس شخص کو دوزخ سے نکال لاؤ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان موجود ہے۔ یونہی دوسری حدیث میں آتا ہے کہ دوزخ سے لوگوں کو اس حد تک نکال لیا جائے گا کہ ان میں سے صرف ایک ایسا شخص رہ جائے گا جس نے کوئی بھی نیکی نہ کی ہو گی چنانچہ ارحم الراحمین خود اسے بھی نکال لے گا۔

میں نے عرض کی: اس سے معلوم ہوا کہ پھر یہ رحمت تلاشِ حق کرنے والے بدبختوں کو صرف اللہ کی مہربانی ہی کے طور پر مل سکے گی؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں! یونہی ہو گا۔

یاقوت

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا تھا کہ الہام' کشف اور واضح طور پر عقل میں آنے والی وہ چیزیں جنہیں انسان پہلے سے یا موقع پر جانتا ہے' وہ شروع ہی سے اس کے علم میں ہوتی ہیں۔

میں نے کہا کہ ایسا کیونکر ہے؟

آپ نے فرمایا: رہا کشف کے علاوہ علم تو یہ بالکل واضح ہے اور رہا کشف تو اس کی انتہاء یہ ہے کہ اسے وہ علم دے دیا جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اور جس کے ذریعے وہ اپنی معلوم چیزوں کو جانتا ہے۔ ہاں! یہاں غور و فکر کے ذریعے کشف کے علوم تک نہیں پہنچا جا سکتا چنانچہ ہر علم کے لئے علامتیں ہوتی ہیں اور آخر کار یہ معاملہ اصل ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے۔

میں نے ان سے عرض کی کہ یوں تو پھر ہر وہ علم جسے بندہ کشف کے بغیر حاصل کر لیتا ہے' اس کا دارومدار غور و فکر ہی پر ہو گا۔

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یہ غور و فکر جو کچھ نفس ناطقہ کو دیتا ہے اور وہ حقیقۃً علم ہوتا ہے تو غور و فکر

ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر گھٹی میں موجود علم کا پتہ کیسے چلے گا جبکہ یہ تو حس کے ذریعے پہچانی جانے والی چیزوں میں شامل ہوتا ہے لہذا صرف غور وفکر ہی رہ گیا؟

آپ نے فرمایا: ایسا نہیں جیسے تم کہہ رہے ہو بلکہ اللہ کی طرف سے الہام اور بتانا باقی ہوتا ہے جیسے نفس ناطقہ اپنے رب سے کشف و ذوق کے ذریعے ایک ایسی خاص وجہ سے علم حاصل کرتا ہے جو اس کے اور اللہ کے علاوہ ہر موجود چیز کو حاصل ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ تو یوں پھر صحیح سوچ تو آخر کار ممکن ہی رہے گی چنانچہ ابن عطاء کے اس موقع پر جَلَّ اللّٰہُ کہنے میں غور کرو جب اس کے اس اونٹ کا پاؤں زمین میں دھنس گیا جس پر وہ سوار تھا تو اونٹ نے کہا تھا: جَلَّ اللّٰہُ جس پر رسالہ قشیریہ کے عظیم مشائخ میں شامل ابن عطاء نے اسے سمجھ لیا تھا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس اونٹ نے جانا تھا' وہ اللہ کی طرف سے علم ملنے کی ہی بناء پر جان لیا تھا کیونکہ اس کے پاس غور وفکر اور وہ سوچ بچار نہ تھی جس کے ذریعے وہ معاملات کو سمجھ سکے جیسے ابن عطاء کو تھی چنانچہ ابن عطاء کو اونٹ کی اس بات سے شرم آئی اور پھر صحیح حدیث میں لکھا ملتا ہے کہ بنی اسرائیل کے دور میں ایک گائے پر جب کچھ بوجھ لادا گیا تو وہ کہنے لگی کہ مجھے اس کام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا' مجھے تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو دیکھئے یہ ایک گائے ہے جو حیوانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ اسے کس لئے پیدا کیا گیا ہے جبکہ انسان اور جن صرف اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ اللہ کی عبادت کریں اور اسے پہچانیں چنانچہ اگر تم ان میں سے کسی سے پوچھو گے کہ اسے کس لئے پیدا کیا گیا ہے؟ تو عام طور پر اسے جواب نہیں آتا ہوگا چنانچہ اسی بناء پر اللہ کی کتاب میں اس پر تنبیہ آئی ہے۔

میں نے عرض کی: کیا وہ چیز جو اونٹ کو بتائی گئی ہماری طبیعتوں میں شروع ہی سے اس طور پر رکھی گئی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن اصل معاملہ ہمیں بتایا نہیں گیا جبکہ حیوان غیر ناطق ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس کے سامنے وہ کام فطری طور پر واضح ہوا کرتا ہے جو آخر کار ہونا ہوتا ہے چنانچہ حیرانی کے موقع پر آدمی زیادہ سے زیادہ وہاں تک پہنچ سکتا ہے جسے مویشی شروع ہی سے جانتے ہیں اور یہ اس انسان کے لئے بھی

ابتدائی چیز ہے جیسے بتایا جا چکا ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا یہ حیوانات ہماری لغزشوں اور بے فرمانیوں کو جانتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: ہاں! جانتے ہیں لہٰذا کسی بے فرمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ کسی حیوان کے دیکھتے اللہ کی بے فرمانی کرے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اس بے فرمان کو ذلیل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اس جانور کو بولنے کی توفیق دیتا ہے۔

میں نے عرض کی: تو پھر گائے والی گذشتہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یوں کیوں فرمایا تھا کہ اس بات پر خود میں، ابوبکر اور عمر ایمان رکھتے ہیں، یہ اس وقت کی بات ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی تھی کہ یارسول اللہ! ایک گائے بھی بول رہی ہے؟ اور یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ ایمان کا ''خبر'' سے تعلق ہوتا ہے لہٰذا یہ بتایئے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر کس نے دی تھی؟

آپ نے فرمایا کہ آپ کو یہ خبر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دی تھی کیونکہ اگر آپ گائے کی کلام کو دل کی آنکھوں سے دیکھتے تو اپنے بارے میں یوں نہ فرماتے کہ ''میں ایمان رکھتا ہوں'' اسے ذہن میں رکھو۔ واللہ اعلم

بلخش

خواب میں اللہ کو بندے کی شکل پر دیکھنا:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے خواب کے اندر اللہ کو بندے کی شکل میں دیکھنے کی وجہ پوچھی حالانکہ ایسا ہونا محال ہے جبکہ تعبیر بتانے والا واقعہ بتانے والے سے کہہ دیا کرتا ہے کہ یہ خواب صحیح ہے؟

آپ نے اس بارے میں فرمایا کہ خواب میں اللہ کو دیکھنے والا اپنے خیال میں گم ہوتا ہے کیونکہ وہ خواب میں آنے والی چیزوں کو اپنا لباس پہنا دیتا ہے (اپنی صورت دے دیتا ہے) جبکہ اللہ کے اس فرمان ''کوئی بھی چیز اس جیسی نہیں'' (الشوریٰ: ۱۱) اور ''تمہارا عزت والا پروردگار ان عیبوں سے بچا ہوا ہے جو یہ لوگ بتاتے ہیں۔'' (الصافات: ۱۸۰) کے مطابق اس کی تجلی ایسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔

اس پر میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر یہ بات خیال اور جگہ کی ہوئی (جہاں یہ خیال پیدا ہوتا ہے)؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! کیونکہ حقائق اور معانی کو وہی نام دیا جاتا ہے جو ان چیزوں کو دیا جاتا ہے جن کے حقائق اور معانی ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکابر کے بارے میں بھی یہی کچھ کہا جاتا ہے اور خیال ان کے بارے میں یہی کچھ کہتا ہے جیسے انشاء اللہ آگے چل کر وہاں بیان کیا جائے گا جہاں اللہ تعالیٰ کو نوجوان کی شکل میں دیکھنے پر گفتگو ہوگی۔ واللہ اعلم

جوھر

گناہوں سے بچے ہونے کے باوجود انبیاء و اصفیاء کی آزمائش کی وجہ:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و صالحین کی آزمائش کا سبب پوچھا حالانکہ وہ تو گناہوں اور برائیوں سے بچے ہوتے ہیں؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی آزمائش صرف اس بناء پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب دے اور ان کے مرتبے اور بڑھائے کیونکہ وہ اس بناء پر ان کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے کہ ان کے ایسے گناہ نہیں ہوتے جو ان کے معصوم ہونے اور محفوظ ہونے کی وجہ سے مٹائے جاسکیں چنانچہ اس دنیا میں اس نے واضح بخشش کی بناء پر ان کے مرتبہ کو چھپایا ہوتا ہے تاکہ مومن لوگوں کو تسلی اور ان پر رحمت ہو ورنہ یہ بخشش صرف اسی کی ہوتی ہے جس میں گناہ موجود ہوں جبکہ انبیاء تو گناہوں سے دور ہوتے ہیں۔ اس بات کو سمجھ لو گے تو تمہیں اللہ کے اس فرمان کی حکمت سمجھ آجائے گی:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

(الکھف: ۱۱۰)

''فرما دیجئے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔''

کیونکہ آپ کی طرف سے آپ کی یہ بات عاجزی کی بناء پر تھی ورنہ لوگوں کے مقابلے میں نبی کے مقام کا کیا مقابلہ؟

میں نے عرض کی کہ کیا اس بخشش کے بارے میں ''آزمائش'' کا لفظ ویسے ہی بولا جا سکتا ہے جیسے بھلائی کی جزاء کو ثواب کہہ لیتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ نہیں بول سکتے۔

میں نے عرض کی: میں نے کسی سے سن رکھا ہے کہ ایک عارف کے ہاں یہ بخشش آزمائش کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ جب اپنے بندے سے اپنا پورا حق لے لیتا ہے تو اسے اس کی وجہ سے سکون مل جاتا ہے جبکہ اسے بخشتا ہے تو وہ زندگی بھر شرم وحیاء میں ڈوبا رہتا ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا: ایسی بات وہ شخص کر سکتا ہے جو اللہ کی پوری پہچان نہیں رکھتا۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ بندے سے حق تعالیٰ کا حق پورا لے لیا جائے؟ وہ تو جنت میں اللہ کے فضل اور رحمت سے داخل ہوگا خواہ اس سے پہلے اسے دیر تک عذاب ہی کیوں نہ ہوتا رہا ہو۔ اگر کوئی بندہ کسی گناہ کرنے پر ایک ہزار سال یا اس سے زیادہ دیر تک دوزخ میں ٹھہرا رہے اور پھر اسے نکالا جائے تو وہ صرف اللہ کی رحمت ہی کی وجہ سے نکالا جائے گا کیونکہ حقیر سے گناہ پر اللہ کی عزت وعظمت کے مطابق اس کی طرف سے جزاء کا پورا حق لینا مشکل ہوتا ہے۔ دیکھئے جب کفار کو معافی نہ دیتے ہوئے ان سے اللہ کے حق لینے کا موقع بنا تو انہیں کیسا عذاب ہوا؟ وہ نہایت شدید اور نہ رکنے والا تھا۔ واللہ اَعلم

میں نے عرض کی: یوں تو پھر کامل شخص وہی ہوگا جس کی طرف تم میں سے اشارہ کیا گیا ہے؟

آپ نے فرمایا: بات یونہی ہے اسے حال والوں کے علاوہ سب عارف جانتے ہیں۔

میں نے عرض کی: جزاء والے کو یہ جزاء کتنی جلدی ملتی ہے کہ کیا یہ بھلائی کی جزاء ہوتی ہے یا برائی کی؟

آپ نے فرمایا کہ بھلائی کرنے والے کو یہ جزاء برائی کرنے والے کے مقابلے میں تیزی سے ملتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ثواب کا لفظ ثَابَ الشَّیْءُ سے بنا ہے جس کے معنی تیزی اور جلدی سے لوٹ آنے کے ہوتے ہیں جبکہ برائی یوں نہیں ہوتی کیونکہ اس کی جزاء اللہ تعالیٰ کے نام مبارک الحلیم اور الرحمٰن کے ذریعے ہوتی ہے اور یہ دونوں ہی ذاتی طور پر کشف کے مطابق بردباری، دیر، مہلت اور رحمت دیا کرتے ہیں کیونکہ اللہ کے فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے لہٰذا یہ بات ذہن میں رکھو۔

در

انسان کے لالچی ہونے کی وجہ:

میں نے اپنے شیخ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ بنیادی طور پر انسان حرص والا اور لالچی ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے اخلاق کے مطابق پیدا کیا گیا ہے جبکہ حقیقی طور پر یہ اخلاق چاہتے ہیں کہ ہر چیز انہی کی ہو ان کے حکم اور حکومت کے ماتحت ہو۔

اس پر میں نے عرض کی: کیا انسان کی یہ خواہش کہ جہان بھر کی ہر شے اسی کی ہو علم کی قسم ہے یا جہالت کی؟

آپ نے فرمایا کہ یہ جہالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب پورا وجود پیدا فرما کر اسے آنکھیں کھولنے کا حکم دیا تو اس نے ایک تاریک اور قیدی وجود دیکھا اور وہ بے قید وجود اس وجود کے سامنے اس شخص کی طرح تھا جس نے خواب دیکھا ہو چنانچہ یہ قیدی وجود حق تعالیٰ کی صفات تلاش کئے جا رہا ہوتا ہے جو کبھی بھی اس کے سامنے واضح نہ ہو سکیں گی لہٰذا اس کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ اسی محتاجی اور تنگدستی کی حالت میں رہے۔ واللہ اعلم

جوھر

کُنْ فَیَکُوْنُ کا مطلب:

میں نے اپنے شیخ سے

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ.

(النحل: ۴۰)

''جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہ ہوتا ہے کہ ہم کہیں ''ہو جا'' وہ فوراً ہو جاتی ہے۔''

کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس سے مراد کاف اور نون کے حروف ہی ہیں یا وہ معنی مراد ہیں جس کی بناء پر چیزیں وجود میں آتی ہیں؟ اور کیا اللہ کے فرمان کُـنْ کے قدیم ہونے کی بناء پر موجود ہونے والی چیزوں کا

قدیم ہونا بھی لازم آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان کُنْ قدیم ہے؟ نیز یہ بھی بتائیے کہ اَرَدْنَاہُ، اَرَدْنَا بِہٖ اور اَرَدْنَا مِنْہُ کے لفظوں میں کیا فرق ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ کے فرمان کُــــنْ سے مراد کاف اور نون کے حروف نہیں بلکہ اس سے مراد وہ مفہوم ہے جس کی بناء پر چیزیں وجود میں آتی ہیں کیونکہ ایک عقل منداور دیکھنے والے کے لئے کُنْ کا لفظ پردہ بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کُــــنْ کے قدیم ہونے کی بناء پر موجود چیزوں کا ہر لحاظ سے قدیم ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ پورا جہان اللہ کے علم میں قدیم ہے لیکن موجود ہونے پر نیا گنا گیا ہے۔

اس سوال کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ کسی معدوم چیز کو وجود میں لانا قدرت ہونے کی دلیل ہے جو کُنْ کے ذریعے ہی سے وجود میں آتی ہے اور کُنْ کا لفظ ایک قول ہے اور جو چیز بھی بنتی ہے کُنْ کے لفظ سے ہی بنتی ہے تاہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کُــــنْ کہنے کی قدرت رکھتا ہے کیونکہ اس کا یہ فرمان مخلوق نہیں ہے جبکہ قدرت کا اثر تو مخلوق چیز ہی میں ہوا کرتا ہے۔

اس کا جواب وہی ہے جو بتایا جاچکا کہ یہ جہان اللہ کے علم میں قدیم ہے لیکن ظاہر ہونے میں نیا ہوا ہے لہٰذا اللہ کے اس فرمان کا مطلب یہ بنا کہ اے چیز! تو ہمارے خاص علم کی بناء پر عالم شہادت (نظر آنے والے جہان) میں ظاہر ہو جا چنانچہ آیت میں جہان کو قدیم کہنے والے کے لئے شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ مخلوق سے بے فرمانی ہوا کرتی ہے تو یہ بات اللہ کے کُنْ فرمانے کے خلاف نہیں بلکہ یہ اس کے ارادے پر اس کی فرمانبرداری کے عین مطابق ہے اور جب یہ گناہ بندوں میں برے شمار ہوتے ہیں تو یہ جاننے کے باوجود کہ یہ اللہ کے ارادے ہوتے ہیں، ہم ادب کی وجہ سے انہیں اللہ کے نام نہیں کیا کرتے۔

حضرت شیخ محی الدین عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں اس آیت کے معنی میں تحقیق کرنا باقی ہے اور وہ یوں کہ اللہ کا امر جب اس کی طرف سے بلاواسطہ ہوا کرتا ہے تو وہ کام ہو جانے سے نہیں رکتا لہٰذا اس کے لئے ہمیشہ تنبیہ ہوا کرتی ہے اور جب کئی ذریعوں سے ہوتا ہے تو کبھی کبھار ہونے نہیں پاتا تاہم کبھی ارادے کے ساتھ ہی فوراً ہو بھی جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسولوں کی زبان میں اپنے بندوں سے فرماتا ہے:

''نماز قائم کرو، صبر کیا کرو، آپس میں صبر سے کام لو، آپس میں تعلق رکھو، جہاد کرو اور ڈرو۔''

لیکن کچھ انسانوں میں سے کوئی بھی یوں نہیں کر پاتا کیونکہ وہ اللہ کے ارادہ پر عمل سے رکے ہوتے ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ان سے کہا کہ ''پیدا کرو'' حالانکہ ان سے یہ کام ہونے ممکن نہیں تو گویا ان کے ساتھ کُن کے لفظ کا جسم ہوتا ہے، روح نہیں ہوتی چنانچہ وہ اس مردہ کی طرح ہوتی ہے جسے کھانا منع ہے اور جب اللہ کی طرف سے کُن کا حکم بعینہ جہاد کر لینے، سرحدوں کی حفاظت کرنے، نماز پڑھنے یا بندوں کے کاموں سے تعلق رکھتا ہے تو یہ کام حق کی طرف توجہ کی بناء پر ہو جاتے ہیں، خود بخود نہیں ہو سکتے ورنہ نمازی کے بغیر نماز ہو جاتی اور مجاہد کے بغیر جہاد ہو جاتا تو ان کاموں کا ان دونوں میں دکھائی دینا ضروری ہے چنانچہ جب یہ کام نمازی اور مجاہد وغیرہ میں ظاہر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کام کو بندے کا قرار دیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے اس کی جزاء دیتا ہے۔ چنانچہ پیدا کر دینا تو صرف ایک اللہ ہی کا کام ہے تاہم بندے کا اس سے تعلق ہوتا ہے کیونکہ کام اسی سے انجام پاتے ہیں لیکن اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو اللہ کے اسے حکم دینے اور تکلیف دینے میں کمی رہ جاتی اور یہ کام انسانی حس سے الگ ہوتا جبکہ اس حس پر کسی بھی لحاظ سے بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس پر میں نے عرض کی کہ کیا ہر انسان کے باطن میں کُن کہنے کی طاقت رکھی گئی ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن ظاہری طور پر وہ عام لوگوں کی طرح ہی ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا: یہ تو دنیا میں ہوا لیکن آخرت میں اس کا حال کیا ہو گا؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ آخرت میں بظاہر اسے ایسے موقع پر کُن کہنے کی ہمت دی جائے گی جب اسے زندہ خدا کی طرف سے اعمال نامہ دیا جائے گا۔ الخ

کُن کے ذریعے ولی بھی کام کرتا ہے:

میں نے پوچھا کہ کیا اولیاء میں سے بھی کسی کو اس دنیا میں کُن کے ذریعے کام لینے کی اجازت دی گئی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! انہیں یہ اجازت نبی کریم ﷺ کا وارث ہونے کی بناء پر ہوتی ہے، کیونکہ آپ نے کئی موقعوں پر کُن کے ذریعے کام کئے ہوئے ہیں جن میں سے ایک موقع وہ غزوہ تھا جس میں آپ

نے فرمایا کہ "ابوذر ہو جا" چنانچہ وہ ابوذر ہو گئے۔

میں نے پوچھا کہ کیا ایک ولی کے لئے کُنْ کے ذریعے کام کرنا بہتر ہوتا ہے یا نہیں؟

اس پر فرمایا کہ اس کے ذریعے کام کرانا ان اکابر لوگوں کا کام ہوتا ہے جو اللہ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہیں۔

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا.

(الاسراء:۲)

"کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ۔"

چنانچہ انہوں نے ادب کی وجہ سے اپنی بجائے یہ کام اللہ پر چھوڑ رکھا ہے کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ عقلی اور کشفی طور پر یہ کام ان کے کرنے والے نہیں ہیں اور جب انہیں یقین ہو چکا تو وہ کہتے ہیں کہ ہم حسن کو بھی کشف اور عقل کا شمار کرتے ہیں تا کہ اس مصیبت سے بچ سکیں جو متصرف (کام کرنے والے) پر اتر آیا کرتی ہے تاہم اگر وہ کام حقیقی طور پر ان سے تعلق رکھتا ہو تو ان کی طرف سے ہونا بالکل ادب بن جاتا ہے کیونکہ جب کوئی کام تمہاری طرف سے ہو رہا ہو تو اس کے لئے اللہ سے یہ کہنا کہ اسے ہماری طرف سے کر دے تو یہ تمہاری طرف سے بے ادبی بنے گی۔

میں نے پوچھا کہ کیا فرشتوں میں سے کسی کو کُنْ کے ذریعے کام کرنے کی ہمت ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں، یہ بات صرف انسان ہی سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اس دنیا میں خلیفہ اور نائب ہونا اسی کا کام ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ کیا اولیاء کی طرف سے کُنْ کے ذریعے کام کرنا ہر شخص خواہش ہونے کی صورت میں کر سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کام کی ایک حد ہوتی ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی طاقت نہیں رکھتا کہ کسی شے کو اپنی طرف سے پیدا کرے یا کھیتی اگائے۔

رہا اَرَدْنٰہُ، اَرَدْنَا بِہٖ اور اَرَدْنَا مِنْہُ کہنے میں فرق تو یقین کیجئے کہ حق تعالیٰ کسی بھی موجود یا معدوم چیز کو

وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے تو جس چیز سے اس ارادے کا تعلق ہوتا ہے' اس کے لحاظ سے یہ حکم کئی طرح کا ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ جب اپنے بندوں کی طرف سے مثلاً کوئی کام کرانا چاہتا ہے تو ان کے عاجز ہونے کی بناء پر وہ ان سے نہیں ہوسکتا اور جب ان کی وجہ سے خود ارادہ کرتا ہے تو ہو جاتا ہے چنانچہ ''ان کی وجہ'' سے اور ''ان کے ذریعے'' کام کرنے میں فرق واضح ہو گیا۔

اس پر میں نے عرض کی کہ میں اس کی مزید وضاحت چاہتا ہوں؟

انہوں نے فرمایا: اس کی وضاحت یوں کہہ کر کی جاسکتی ہے کہ اللہ کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ لوگوں کو کھڑا کرنے کا ارادہ نہ کرتے ہوئے بھی کھڑا ہونے کا حکم دے۔ ہاں! صرف دلیل قائم کرنے کے لئے تو حکم دے سکتا ہے' کھڑا کرنے کے ارادہ سے نہیں دے گا جس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں حکم دینے کا معنی یہ بنے گا کہ وہ کھڑے ہو جائیں اور حکم کرنے کے لئے ارادہ ضروری ہوتا ہے جو وہ ان کے بارے میں کرتا ہے۔ صرف اس لحاظ سے کہا جائے گا کہ وہ اس وقت قیام نہیں کر رہے ہوں گے کیونکہ ارادے کا تعلق عدم (نہ ہونے) سے ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس شخص کے کھڑا ہونے کا ارادہ کرتا ہے جسے کھڑا ہونے کا حکم ہے تو وہ کام کے ہو جانے کا حکم دے گا چنانچہ حکم دینے والے کی طرف سے یہ قیام وہ کرے گا جسے حکم ملا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ حکم کئے جانے والے کے کھڑے ہونے کا ارادہ نہیں کرتا تو حکم دینے والے کی طرف سے موقع پر وہ قیام چاہتا ہو گا۔

میں نے عرض کی کہ کیا ارادہ صرف چاہت ہی کا نام ہے یا کوئی اور شے ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: کوئی کام کرنے اور اسے وجود میں لانے کے لئے یہ دونوں ایک ہی چیز ہوتے ہیں لیکن یہ ارادہ ظاہری طور پر ترتیب میں چاہت کے ماتحت ہوتا ہے چنانچہ یوں تو کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرنا چاہتا ہے لیکن یوں نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ نے چاہنے کا ارادہ کیا ہے۔

اس پر میں نے عرض کی کہ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت چاہتا ہوں؟

آپ نے فرمایا: یہ بات ذہن میں رکھو کہ خود اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات اپنی طرف سے اپنا ہی علم چاہتی ہے' اپنے علم سے زائد کسی اور صفت سے نہیں چاہتی جبکہ اس کی ذات کا علم ذاتی طور پر تمام چیزوں کو جاننا چاہتا

ہے اور اس کی یہ خواہش وہی ہے جسے کئی جگہوں پر ارادہ کہا جاتا ہے حالانکہ ارادہ چاہت سے خاص ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ آخر یہ چاہت سے کیوں خاص ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس بناء پر کہ یہ حادث و ظاہر ہونے اور چھپ چھپا جانے کی وجہ سے زیادتی اور نقصان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ رہا ارادہ تو یہ اوپر اور نچلے جہاں میں دکھائی دینے والی چیزوں کو وجود دینے سے تعلق رکھتا ہے اور پھر ارادہ کے ذریعے وہی کچھ ہوتا ہے جو پہلی مرتبہ کی چاہت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ چاہت ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور جب یوں ہے تو کبھی یہ ارادہ سے ہوتی ہے اور کبھی ارادہ کے بغیر اور یہ معلوم ہی ہے کہ ارادہ ان صفتوں میں شامل ہے جو اللہ کے نام المرید کی راہ دکھاتی ہیں۔ لہٰذا ان کا تعلق چیزوں کو بنا دینے سے ہوتا ہے جبکہ چاہت ایسی نہیں ہوتی کیونکہ اس کا تعلق چیزوں کو بنانے اور نہ بنانے سے ہوتا ہے اور یوں تمہیں معلوم ہو گیا کہ چاہت کا تعلق ذات ہی سے ہوتا ہے اور یہ ذات کے ہر نام کے لئے ضروری ہوتی ہے تو اس بناء پر یہ چاہت بعینہٖ ارادہ ہوتی ہے جبکہ دوسری وجہ سے یہ عام ہوتی ہے یونکہ بعض اوقات اس کا تعلق چیزوں کو معدوم کرنے سے ہوتا ہے یعنی اس موجود چیز سے جسے تم معدوم کرنا چاہتے ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ۔

(ابراہیم: ۱۹)

''اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔''

یہاں ایک گہری بات موجود ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ درحقیقت چاہنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے چنانچہ اگر انسان اس بارے میں ارادہ کرے تو حق تعالیٰ کا ارادہ بعینہٖ یہی ہوگا' کوئی اور نہ ہوگا۔ جیسے صحیح حدیث (قدسی) میں آیا ہے کہ ''جب میں اسے پیارا بنا لیتا ہوں تو پھر اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔'' الحدیث تو گویا اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ اصولی طور پر بندے کی ہر قوت کا کام کرنا میرا ہوتا ہے جبکہ وہ جانتا ہی نہیں ہوتا جس کی بناء پر اللہ سے دور ہر ایک کہہ دیتا ہے کہ کام وہی کرتا ہے چنانچہ اس موقع

پر بندے کی خواہش در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ہی ہوتی ہے، بندے کی نہیں ہوتی کیونکہ اللہ کی چاہت بنیادی طور پر ہر چاہنے والے کی خواہش ہوتی ہے جیسے کسی چیز کی ''حرکت'' بتانے والا کہتا ہے کہ زید نے حرکت کی یا اپنے ہاتھ کو حرکت دی اور جب تمہیں ان میں سے کسی کی بات کا پورا پتہ چل گیا کہ ہاتھ کو حرکت دینے والے کی وہ حرکت اس کے ہاتھ میں ہوگی خواہ تم اسے خود نہ دیکھ سکو کیونکہ تمہیں اس کے اثر کا پتہ چل جائے گا اور اس کے باوجود تم کہا کرتے ہو کہ زید نے ہاتھ کو حرکت دی جبکہ در حقیقت حرکت دینے والا اللہ ہی ہوا کرتا ہے۔ واللہ اعلم

مَرْجَانَہ

ظالموں کے لئے دعا کرنے کے بارے میں:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ظالم جب ظلم کریں تو کیا ان کے بارے میں ہم بددعا کیا کریں یا نہ کریں؟

آپ نے فرمایا کہ نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ان کا یہ ظلم در حقیقت ان کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ مظلوم کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ جب تک اس پر ظلم نہ کیا جائے وہ ظلم نہیں کرے گا اور حکمران لوگ بھی تمہارے عملوں کی وجہ سے تم پر قابو پائے ہوتے ہیں جبکہ تمہارے یہی وہ عمل ہوتے ہیں جو تمہاری طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ واللہ اعلم

یَاقُوْت

قیامت برپا ہونے میں کتنی دیر لگے گی؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ.

(النحل: ۷۷)

''اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر جیسے ایک پلک کا مارنا بلکہ اس سے بھی قریب۔''

کے بارے میں پوچھا؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ پلک جھپکنے سے کم وقت میں برپا ہو گی کیونکہ جب یہ برپا ہو گی تو یہی اس کا حکم ہو گا اور اس کے اس حکم کا مطلب بعینہٖ یہ ہے کہ جن کے بارے میں حکم ہے ان پر برپا ہو جائے اور اس برپا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ پورے طور پر آ چکی اور اس نے دو مقامات کو آباد کر دیا کہ ایک گروہ تو جنت میں اور دوسرا جہنم میں ہو گا۔

میں نے عرض کی کہ کیا اس لحاظ سے قیامت کو ''ساعت'' کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف زمانے یا سفر طے کر کے پہنچا جاتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں، اس کی طرف تو زمانے طے کر کے پہنچا جائے گا چنانچہ جو شخص فوت ہوتا ہے تو اس کی قیامت آ جاتی ہے اور بڑی قیامت کے دن تک اس کے لئے قیامت برپا ہو چکی ہوتی ہے جو بے شمار لوگوں کی قیامتیں بنے گی جیسے ''سال'' ان تمام دنوں کے لئے ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کا ایک نام ہوتا ہے۔ واللہ اَعلم

زُمُرَّد

معصوم اور محفوظ ہونے میں فرق:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے معصوم اور محفوظ ہونے کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی پوچھا کہ نامناسب کاموں میں الجھتے وقت انسان کب محفوظ ہو سکتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جب بندے کا دل اللہ کو سجدے کے لئے تیار ہوتا ہے تو نبی ہونے کی صورت میں وہ معصوم ہونے جبکہ ولی ہونے کی صورت میں محفوظ ہونے کے لائق ہوا کرتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ وہ کیسے؟

انہوں نے فرمایا کہ گناہ صرف ایسے شخص کے شمار ہوتے ہیں جن میں کچھ نہ کچھ اکڑ، فخر اور بڑائی ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے گناہوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ اس کا سر نیچا ہو اور وہ ذلیل و عاجز ہوتے ہوئے اپنے بندہ ہونے کے مقام پر آ سکے تاہم جس پر اللہ تعالیٰ احسان فرمائے گا اور اس کے دل کو اپنے سامنے سجدہ

میں رکھ لے گا تو اس کے ہاں بڑائی اور فخر نہ ہوگا اور ہمیشہ کے لئے وہ سجدہ میں گنا جائے گا۔

ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ علماء کرام نے معصوم ہونے کا لفظ نبیوں کے لئے صرف اس بناء پر برتا ہے کہ وہ جائز اور بہتر کام کرتے ہیں کیونکہ وہ صرف یہ بتانے کے لئے کرتے ہیں کہ وہ کام شریعت ہے اور وہ ان کے لئے اس بناء پر لازم ہے کہ انہوں نے تبلیغ کرنا ہوتی ہے لٰہذا ان سے گناہ بالکل سرزد نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر انہیں گناہ کرنے والا کہہ دیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ وہ گناہ سکھاتے ہیں کیونکہ ان کی ہر بات اور ہر کام شریعت بنتی ہے جبکہ دوسروں کے جائز کام کرنے پر نہیں بنتی کیونکہ وہ اسے صرف جائز سمجھ کر کرتے ہیں۔ چنانچہ معصوم ہونے اور محفوظ ہونے میں یہی فرق ہے تاہم لفظوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ معنی کے لحاظ سے۔ اسے ذہن نشین کرلو۔

کبریتِ احمر

جان میں کوئی شخص دوسرے پر غالب کیوں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اس جہان میں کچھ لوگ دوسروں پر مسلط اور غالب کیوں ہوتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ایک کا دوسرے کے مقابلے میں ہونا ہوتا ہے کیونکہ ہر نام اپنا اثر دکھاتا ہے اور لوگوں میں اس کے اثرات دکھائی دیتے ہیں چنانچہ ہر نام اپنے جیسے نام سے مدد لیتا ہے جس کی وجہ سے مخلوق اللہ کے ناموں کے مطابق دکھائی دیتی ہے چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی مدد کی جاتی ہے اور کچھ وہ ہیں جو مدد کرتے ہیں اور جب ہمارے سامنے ایسا ہوتا ہے تو اللہ اپنے بندوں کو نیکی اور پرہیزگاری کا حکم دیتا ہے تاکہ یہ دونوں کام اس لحاظ سے اللہ کے حکم پر عبادت بن جائیں۔ اس حقیقت کی بناء پر نہیں جس پر وہ لوگ موجود ہیں' اس نے دوسری اس حقیقت کو استعمال کرنے سے روکا ہے جو گناہ اور زیادتی پر تعاون بنتی ہے چنانچہ وہ اسے بے کار کردیتے ہیں اور کسی بات میں استعمال نہیں کرتے۔

حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی وہ وجہ جو عام لوگوں کے مقابلے میں علماء سے بھی

پوشیدہ ہے' یہ ہے کہ ایسے وقت میں اپنے بھائی کی مدد کرنا حرام ہے جب وہ اپنی جان پر ظلم کر رہا ہو جیسے کوئی ایسا انسان تم پر ایسی شے کا دعویٰ کر دے جو تمہارے نزدیک جھوٹا ہے اور تمہارے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو ایسے وقت میں یقیناً تمہیں قسم دینا ہوگی۔ ہاں! تم دعویٰ کرنے والے کو قسم دینے کا نہیں کہہ سکو گے کہ قسم کھا کر وہ چیز تم سے لے لے جس کے بارے میں اس نے دعویٰ کر دیا تھا کیونکہ ایسے موقع پر اگر تم اسے قسم کھانے کا کہو گے تو تم ایسی حالت میں اس کی مدد کرتے ہو گے جب وہ اپنی جان پر ظلم کر رہا ہوگا۔ اس موقع پر تم بھی اسی کی طرح قسم کھانے میں گنہگار بنو گے کیونکہ یہ تم ہی ہو گے کہ اسے یہ کہہ کر قسم کھانے پر مجبور کرو گے کہ قسم کھاؤ تاہم اگر خود تم قسم کھاتے تو اپنے ساتھی کو اس ظلم سے روک لیتے جو وہ تم پر کر رہا تھا۔ یوں لازمی طور پر اسے نصیحت کر رہے ہوتے اور نیکی و پرہیزگاری میں اس کے مددگار بن جاتے اور پھر اس کے بعد لئے ہوئے مال کو جب تک وہ برتتا رہے گا' گنہگار رہوگا اور یونہی وہ بھی گنہگار ہوگا جس پر دعویٰ ہوا تھا کیونکہ اس نے ظلم میں اپنے بھائی کی مدد کی اور اس لئے بھی کہ قسم چھوڑ کر اللہ کی بے فرمانی کی کیونکہ یہ اس پر لازم تھی' اگر قسم کھا لیتا تو وہ کام کرتا جو اس پر لازم تھا' اسے اجر ملتا اور اپنے ساتھی کو بھی دوسرے کے مال میں دخل دینے سے بچا لیتا اور اسے اس کا اجر ملتا تو ایسے موقع پر مدعیٰ علیہ (جس پر دعویٰ ہو) کے قسم کھانے کی صورت میں مدعی (دعویٰ کرنے والا) پر خاص طور پر قسم کا گناہ لازم ہوتا ہے جسے جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھانا کہتے ہیں۔ الخ

شریعت میں یہ مسئلہ ایسا باریک قسم کا ہے کہ جسے اس طور پر وہی دیکھے گا جو اپنے دین کی ذمہ داری نبھانے والا ہوگا۔

اس پر میں نے عرض کی کہ کیا دعویدار پر قسم ڈالنے والے حکمران کو بھی اس کا گناہ ہوگا؟

آپ نے فرمایا کہ جب وہ اپنی سوچ بچار کا حق ادا کر دے گا تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

یاقوت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی روح اللہ کیوں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی روح اللہ کیوں ہیں' کوئی اور کیوں

نہیں؟

آپ نے فرمایا: حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ تو اس بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صورت میں روح پھونکنا درحقیقت اللہ کا کام تھا' کسی اور کا نہیں جس کی بناء پر وہ ایسے مکمل روح ہیں کہ اللہ کے نام کو ظاہر کرتے تھے اور وہ اسم ذاتی سے نکلے نہ کہ دوسرے انبیاء کی طرح فروعی ناموں سے نکلے' پھر ان کے اور اللہ کے درمیان دوسرے انبیاء کی روحوں کی طرح واسطے نہ تھے کیونکہ ان کی روحیں اگرچہ اللہ ہی کی طرف سے تھیں لیکن ان کے لئے کئی ناموں کی بہت سی تجلیاں واسطہ بنی تھیں چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف اس بناء پر روح اللہ کہا گیا کہ آپ اللہ کی تمام صفات کی ''احدیت'' کے اندر سے پیدا ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایسے ایسے کام کئے جو صرف اللہ ہی کرتا ہے جیسے مردے زندہ کرنا اور پرندے بنانا اور پھر عظمت والی جنس میں آپ کا اثر تھا کہ انسانی صورتوں کو قبروں میں سے زندہ کر دیتے تھے جبکہ گھٹیا جنسوں میں بھی اثر تھا کہ مٹی سے چمگادڑ بناتے تھے۔ آپ کی دعوت باطن اور پاکیزہ جہان کی طرف تھی کیونکہ یہ کلمہ اسم الٰہی کے باطن اور غیبی ذات کی طرف سے تھا چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم کو عام قسم کی پلیدیوں سے پاک رکھا تھا' اس لئے کہ آپ مثالی روحانی بدن کی شکل میں تھے کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب اللہ کا کلمہ حضرت مریم کو یوں دیا جیسے کوئی رسول اپنی امت کو اللہ کی کلام دیتا ہے تو حضرت مریم میں خواہش بھڑکی جس کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم حضرت مریم اور جبرائیل کے خیالی پانی سے بنا دیا گیا اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی پھونک کے ذریعے جاری کر دیا گیا کیونکہ جسم میں پھونکنا حیوانی جسم کا کام ہے جس میں تری ہوتی ہے کیونکہ اس میں قدرے پانی ہوتا ہے چنانچہ ماں کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشر کی شکل میں پیدا ہوئے نیز اس وجہ سے بھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بشری صورت بنا رکھی تھی تا کہ اس قسم کی یہ پیداوار عام طریقے ہی پر ہو۔

قوم عیسیٰ نے ان کی مورتیاں کیوں بنائیں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے عرض کی کہ پھر حضرت عیسیٰ کی قوم نے اپنی عبادت گاہوں میں صورتیں کیوں بنا لی تھیں؟

آپ نے فرمایا: وہ اس بناء پر کہ ان کے ہاں حضرت عیسیٰ کا وجود بشری عضو تناسل کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وہ بشر کی صورت میں ایک روح تھی جس کی وجہ سے دوسری امتوں کے مقابلے میں ان کے ذہنوں کے اندر یہ بات سما گئی کہ اپنی عبادت گاہوں میں صورتیں بنا کر رکھیں اور ان کی طرف توجہ کرتے ہوئے ان کی عبادت کریں کیونکہ ان کے نبی بنیادی طور پر صورت کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے چنانچہ یہ حقیقت ان کی امت میں اب تک جاری ہے جس کی وجہ سے پچھلے لوگ حضرت عیسیٰ کی قوم کے اصول اپنائے ہوئے ہیں تا کہ مورتی کے طور پر وہ صرف توحید اپنا سکیں، ایسا دوسروں نے بھی کیا لیکن اس قدر نہیں کر سکے جتنا حضرت عیسیٰ کی قوم نے کیا۔

بت بنانے کی وجہ:

میں نے آپ سے پوچھا کہ ان کے علاوہ دوسروں نے مورتی کیوں بنائی؟

آپ نے فرمایا: اس لئے کہ ''میثاق'' (جب اللہ نے سب سے پختہ وعدہ لیا) کے موقع پر اللہ کی تجلی کو لوگوں نے مورتی کی صورت میں دیکھا تھا چنانچہ اسی بناء پر ان لوگوں نے اپنے خیال میں اللہ کے قریبی بننے کے لئے بت بنا لئے۔

مردے زندہ کرنے کی وجہ:

میں نے عرض کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو کیوں زندہ کیا کرتے تھے؟

آپ نے فرمایا: حضرت ابوالسعود بن شبلی رحمہ اللہ کے خیال میں حضرت عیسیٰ اس وجہ سے مردے زندہ کرتے تھے کہ وہ اللہ کی روح تھے اور روحوں میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ جس چیز میں بھی اثر کرتے ہیں، وہ شے زندہ ہو جاتی ہے اور اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سامری نے حضرت جبرائیل کے گھوڑے کے نشانِ قدم میں سے مٹھی بھر مٹی لے کر بچھڑے میں پھونکی تو آواز دینے لگا کیونکہ وہ سامری یہ بات جانتا تھا چنانچہ زندہ کرنا اللہ کا کام ہے جبکہ پھونک مارنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام ہے جیسے پھونک تو جبرائیل نے ماری لیکن ''کلمہ'' اللہ تعالیٰ کا تھا۔

کیا مردوں کو زندہ کرنا واقعی تھا؟:

اس پر میں نے آپ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا حضرت عیسیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا واقعی تھا یا صرف وہمی

اور خیالی تھا؟

انہوں نے فرمایا کہ واقعی بھی تھا اور خیالی بھی، واقعی تو اس طرح کہ وہ کام آپ کی طرف سے ہوا تھا اور وہمی اس بناء پر کہ آپ خیالی پانی سے پیدا ہوئے تھے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ سے کوڑھی اور پھلبہری والے کو شفاء دینے نیز مردوں کو زندہ کرنے جیسے جتنے کام بھی واقع ہوئے اس کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ کہ اس میں ایک ذریعہ تھا اور وہ یہ کہ اللہ نے اس کا انہیں حکم دیا تھا اور ایک وہ جس میں واسطہ نہیں تھا اور وہ یوں کہ بننے والی شے کو اللہ کا حکم ملنے پر وہ چیز بن گئی۔

میں نے عرض کی کہ پھر تو حضرت عیسیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ان کے علاوہ اس امت میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ کے حکم سے مردے زندہ کئے ہیں؟

مردہ زندہ کرنا وراثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے:

آپ نے فرمایا کہ جس نے بھی کوئی مردہ زندہ کرنا ہوتا ہے وہ ایک حد تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا وارث بن کر مردہ زندہ کرتا ہے لہٰذا ان کا مقام نہیں لے سکتا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردہ زندہ کرنے کی طاقت دینے والے جبرائیل علیہ السلام کا مقام نہیں لے سکتے کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جہاں بھی قدم رکھتے تھے وہاں زندگی آ جاتی تھی جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوں نہیں تھے کیونکہ انہیں خاص طور پر صرف اتنا حصہ ملا تھا کہ آپ مٹی گوندھ کر مورتی بناتے تھے جبکہ ''روحِ کل'' ان صورتوں کے مالک تھے۔

مردہ زندہ کرنے کا طریقہ کیا تھا؟:

میں نے عرض کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں اور پھلبہری والوں کو اپنے عمل دخل سے درست کرتے اور مردہ زندہ کرتے تھے یا بول کر؟

آپ نے فرمایا کہ آپ یہ کام بول کر اور عمل دخل کے ذریعے کرتے تھے چنانچہ آپ کے صرف بولنے اور میت کو ہاتھ لگانے ہی سے مادر زاد اندھا اور پھلبہری والا درست ہو جاتا تھا۔

میں نے عرض کی کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ صرف ہاتھ لگانے ہی سے مردہ

کو زندہ کر دیتے تھے؟

آپ نے فرمایا کہ انہیں اس وراثت میں سے آدھا حصہ ملا ہوا تھا لیکن کامل وہ ہوتا ہے جو بول کر اور ہاتھ لگا کر مردہ زندہ کرتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عام طور پر عاجزی میں کیوں رہتے تھے؟

انہوں نے بتایا کہ حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اس قدر عاجزی ماں کی وجہ سے تھی کیونکہ عورت کا مقام نچلا ہوتا ہے لہٰذا وہ عاجزی میں ہوتی ہے اور وہ آدمی دیکھنے میں اور معنوی طور پر مرد کے نیچے ہوتی ہے چنانچہ یہ عاجزی آپ کی امت کے خاص لوگوں میں اب تک جاری ہے اور جب وہ آخری زمانے میں اتریں گے تو لوگوں کو وہی شریعت بتائیں گے جو آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے بتاتے تھے کہ کسی سے اپنا حق نہ مانگیں' نہ قصاص لیں اور نہ کسی ظالم پر ہاتھ اٹھائیں' رہی آپ میں سختی اور مردہ زندہ کرنا تو اس کی وجہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بشری صورت میں پھونکنا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشری صورت میں دکھائی نہ دیتے تو مردہ زندہ نہیں کر سکتے تھے اور یونہی اگر ان کے پاس اس نوری صورت میں آتے جس کا آگ' پانی' مٹی اور ہوا سے تعلق نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تب تک مردہ زندہ نہ کرتے جب تک آگ' پانی' مٹی اور ہوا سے بنی صورت کے علاوہ ماں کی وجہ سے عام صورت کے ساتھ ساتھ بشری صورت میں نہ ہوتے چنانچہ مردہ زندہ کرنے کے موقع پر اس بارے میں کہا جاتا کہ یہ وہ نہیں جو ہے اور اسے دیکھنے میں حیرانی ہو جاتی اور یونہی وہ شخص ہے جس نے امتوں کے درمیان اختلاف پیدا کیا چنانچہ ان میں سے کچھ نے اللہ کے ان میں داخل ہونے یا ان کے ساتھ اکٹھا ہو جانے کا اعتقاد کر لیا کیونکہ جس نے آپ کو بشری لحاظ سے دیکھا تو اس نے آپ کو مریم کا بیٹا کہا' جس نے انہیں بشری مورتی میں دیکھا' اس نے جبرائیل علیہ السلام کا بیٹا کہہ دیا اور جس نے مردہ زندہ کرنے کے لحاظ سے دیکھا تو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہہ دیا۔

اس پر میں نے عرض کی کہ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پوری بشری صورت بنانے پر پناہ کیوں مانگی تھی؟

آپ نے فرمایا: ان کے اس خیال کی بناء پر کہ شاید جبرائیل علیہ السلام ان سے ہمبستر ہوئے ہوں گے

چنانچہ انہوں نے پورے طور پر پورے دھیان سے پناہ مانگی تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بچائے کیونکہ آپ جانتی تھیں کہ یہ برا کام ہے چنانچہ اللہ کی بارگاہ میں ان کی حاضری معنوی روح کے طور پر تھی جس نے ان سے ان کی پریشانی دور کی تھی جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''قدرت کا سانس داہنی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔''

اس کے بعد فرمایا کہ اگر جبرائیل علیہ السلام کی طرف سے پیدائش کی حالت میں تنگی اور تکلیف کے دوران حضرت مریم کی قمیص کے اندر پھونک ماری جاتی تو وہ ماں کی حالت جیسا ہونے کی بناء پر درشت ہوتے اور کوئی آپ کو برداشت نہ کر سکتا اور جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں یوں کہہ کر تسلی دی۔

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا.

(مریم:۱۹)

''میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔''

تو انہیں اس پریشانی سے سکون ملا اور دل باغ باغ ہو گیا چنانچہ اس موقع پر انہوں نے پھونک ماری جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتہائی عاجزی لے کر پیدا ہوئے۔

میں نے پوچھا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے ایک جیسا ہونے کی وجہ کیا ہے جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ.

(آل عمران:۵۹)

حضرت عیسیٰ اور آدم علیہما السلام کو ایک جیسے کیونکر کہا گیا؟:

آپ نے فرمایا: اس کی وضاحت کرنا ہو گی چنانچہ حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے یہاں تفصیلی گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی جسموں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والا جسم حضرت آدم علیہ السلام کا تھا' وہ اللہ کے حکم کی بناء پر سب سے پہلے دیکھے گئے چنانچہ وہ اس جنس کے پہلے باپ قرار پائے' پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے دوسرا باپ علیحدہ کیا جس کا نام ماں رکھا چنانچہ پہلے باپ کا مرتبہ اس سے

بڑھ کر ہوا کیونکہ وہ اس کے لئے بنیاد بنے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو وجود دیا تو حضرت مریم، حضرت آدم کے قائم مقام ہوئیں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت حوا علیہا السلام کی جگہ ہوئے چنانچہ جس طرح ایک مؤنث (عورت) مرد سے ہوئی یونہی مؤنث سے مرد پیدا ہوئے اور پھر باپ کے بغیر بیٹے کو پیدا کر کے اللہ نے یہ سلسلہ یوں ختم کر دیا کہ جیسے حضرت حوا علیہا السلام ماں کے بغیر پیدا ہوئیں جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام تو بھائی بہن بنے جبکہ حضرت آدم اور حضرت مریم علیہما السلام ماں باپ کے درجے میں ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں مذکر باپ نہ ہونے کی وجہ سے ایک جیسا کہا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے بے گناہ ہونے کی دلیل بن سکیں تاہم آپ کو حضرت حوا علیہا السلام جیسا نہیں کہا حالانکہ یونہی کہنا چاہئے تھا کیونکہ عورت حمل کی وجہ سے تہمت کی جگہ بنتی ہے اور اس میں وہ مقام ہے جو پیدائش کے لئے بنایا گیا ہے جبکہ آدمی میں یہ چیز نہیں۔

اتنی دلیلیں دینے کا مقصد شک و شبہ دور کرنا ہے جس میں سے ایک حضرت حوا علیہا السلام کا آدم علیہ السلام سے پیدا ہونا ہے کہ یہاں گڑبڑ نہیں ہوسکتی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام میں ایسا مقام موجود نہیں جس سے پیدائش ہوسکے چنانچہ جیسے باپ کے بغیر بیٹا نہیں ہوسکتا یونہی ماں کے بغیر بھی نہیں ہوسکتا بلکہ ان کا ایک جیسا ہونا معنوی طور پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت حوا علیہا السلام جیسے ہیں کیونکہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر ہوئے یونہی حضرت حوا علیہا السلام ماں کے بغیر ہوئیں جس سے پتہ چلا کہ انسانی جسموں کی ابتداء صرف چار قسم کی ہے: حضرت آدم، حضرت حوا، حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام کی اولاد۔ ان چاروں جسموں میں سے ہر جسم دوسرے جسم کے مخالف طریقے سے ایک شے کے طور پر پیدا ہوا ہے حالانکہ یہ جسمانی اور روحانی صورت میں ایک جیسا ہے۔

اس میں ایسے شخص کا رد ہے جسے یہ وہم ہوا کہ حقائق کے مطابق یہ انسانی پیدائش صرف ایک ہی سبب سے ہوسکتی ہے جو ذاتی طور پر وہ اس شے کو پیدا کر دکھاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو شبہ کرنے والے کے منہ پر یوں دے مارا کہ اس انسانی پیداوار کو انسان میں یوں دکھایا کہ اس کے ذریعے حوا کا جسم دیکھنے میں نہ آیا اور حضرت حوا علیہا السلام کا جسم یوں ظاہر کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا جسم دکھائی نہ دیا اور اولادِ آدم کو یوں

ظاہر کیا کہ جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم نہ دیکھا گیا اور ان میں سے ہر ایک کو پہچان اور حقیقت کے لحاظ سے انسان کہا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بتا دے کہ وہ ہر پسندیدہ چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ انتہی

کیا پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں نکاح کی خواہش موجود تھی؟:

اس پر میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے پر ان میں نکاح کی خواہش موجود تھی؟

انہوں نے فرمایا کہ اس موقع پر ان میں یہ خواہش موجود نہ تھی لیکن جب اللہ کے علم میں پہلے سے یہ بات موجود تھی کہ انسانی قسم کو باقی رکھنے کے لئے ان میں پیدائش اور نسل کا سلسلہ چلائے گا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی چھوٹی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا جس کی وجہ سے آدمی کے مقابلے میں ان کا درجہ کم ہوا چنانچہ وہ کبھی بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی

حضرت حوا علیہا السلام کے پسلی سے نکلنے کی وجہ:

میں نے ان سے پوچھا کہ انہیں پسلی ہی سے کیوں نکالا گیا تھا؟

آپ نے فرمایا: اس بناء پر کہ اس میں نرمی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی اولاد اور شوہر کے ساتھ نرمی برتے اور آدمی کا عورت پر نرمی برتنا درحقیقت اپنے آپ سے نرمی کرنا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کا حصہ ہے جبکہ عورت کا مرد سے نرمی کرنا اس بناء پر ہے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہے جس میں موڑ اور نرمی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس جگہ کو آباد کیا جہاں سے شہوت کے ساتھ حضرت حوا علیہا السلام نکلیں تا کہ وجود میں خرابی نہ ہو سکے اور جب اسے آباد کر دیا تو اس کی طرف یوں مائل ہوئے جیسے اپنے آپ کی چاہت کی جاتی ہے اور انہوں نے آپ کی طرف جھکاؤ کیا کیونکہ ان کے لئے آپ ایسی جگہ تھے جہاں سے وہ نکلی تھیں چنانچہ حضرت حوا علیہا السلام کی آپ سے محبت، وطن سے محبت بنی اور آدم علیہ السلام کی آپ سے محبت گویا اپنے آپ سے محبت تھی اور اسی لئے آدمی کی عورت سے محبت دکھائی دیتی ہے کہ وہ بعینہ آدم تھی جبکہ عورت کی آدمی سے محبت پوشیدہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں وہ قوت ہے جسے حیاء کہا جاتا ہے چنانچہ وہ محبت چھپانے میں آپ سے بڑھ کر ہوئیں کیونکہ وطن ان کے ساتھ میں اکٹھا نہ تھا جیسے آدم ان کے ساتھ اکٹھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پسلی میں اپنی تمام

مخلوق کی صورت پیدا فرمائی اور اسے آدم کے جسم کی صورت دی چنانچہ اپنی صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی پرورش یوں ہوئی جیسے ایک ٹھیکری ہوئی ہے جو مٹی سے پکائی جاتی ہے جبکہ حضرت حوا علیہا السلام کا جسم یوں تھا جیسے بڑھئی کوئی چیز بناتا ہے اور لکڑی میں کھدائی کر کے صورتیں بناتا ہے چنانچہ جب اس نے انہیں پسلی سے بنایا اور ٹھیک طرح سے ان کی صورت بنا دی اور عین تیار کر دیا تو اس میں اپنی روح پھونک دی جس کی وجہ سے وہ زندہ ہو کر بولتی ہوئی عورت کی شکل میں کھڑی ہوئیں تا کہ اللہ انہیں پیداوار کا وہ مقام دے دے جسے تناسل کہتے ہیں جس پر آدم علیہ السلام نے ان کی طرف جھکاؤ کیا اور انہوں نے آپ کی طرف کیا۔ وہ آپ کے لئے گویا لباس بنیں اور آپ ان کے لئے بنے۔ اسی دوران آپ کے ایک ایک انگ میں خواہش اٹھی تو آپ نے اسے بلایا اور جب اس سے ہمبستری کی اور رحم میں پانی ڈالا تو اس نطفے کی وجہ سے ماہواری کا وہ خون چل پڑا جسے اللہ نے عورتوں کے لئے لکھ چھوڑا ہے جس کی وجہ سے اس جسم میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے جسم کے علاوہ ایک تیسرا جسم وجود میں آیا چنانچہ یہی وہ تیسرا جسم ایسا ہے کہ اللہ نے اس پر دھیان فرما کر رحم میں پانی سے نطفہ، پھر علقہ اور مضغہ کے بعد ہڈی بنایا اور پھر اس ہڈی پر گوشت چڑھایا چنانچہ جب یہ حیوانی صورت میں ہو گیا تو اسے ایک اور مخلوق بنایا جس میں انسانی روح پھونکی۔ اللہ بہت بزرگ ہے اور سب خالقوں سے بہتر ہے۔

بَلْخشَات

میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ.

(آل عمران: ۷)

''اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔''

کہ کیا جس چیز کا کوئی پہلو نکلتا ہو وہ چیز جہالت والی گنی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کی طرف سے اسے جاننے کی نفی کی ہے؟

انہوں نے کہا کہ ہاں! وہ جاہل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ''اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم

ہے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو شبہ پڑنے والی تمام نشانیوں اور ان کی باریکیوں کو جانتا ہے' رہی مخلوق تو ان میں سے ہر ایک اس بارے میں رتوندھی والی اونٹنی کی طرح اِدھر اُدھر بھٹکتا ہے کیونکہ وہ اس کے پچھلے حصے کو نہیں جانتا اس لئے کہ وہاں کوئی بھی شے دکھائی نہیں دیتی۔

اس پر میں نے ان سے کہا کہ پھر شارع علیہ السلام کا انہیں بیان کرنے سے رکنا' کیا اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے اس کا علم اپنے پاس رکھا ہے یا آپ جانتے تو تھے لیکن انہیں چھپانے کا حکم فرمایا؟

انہوں نے فرمایا کہ اس میں سے جس علم کی نفی کی گئی ہے' ایسا علم ہے جو ان کی عقل اور سوچ سے ہو ورنہ یہ کوئی بری بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں اور اولیاء کو اپنے وہ راز بتا دے جو جاہلوں کی نظر میں نہیں آئے چنانچہ جس شخص کی بشریت ختم ہو جاتی ہے' وہ ان کے معنی جانتا ہے البتہ عارف لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کی وجہ سے انہیں لوگوں کو بتانے سے رکے ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے انہیں پوشیدہ رکھا ہوا ہے جیسے واضح طور پر حق تعالیٰ کی پاکیزگی تو بیان کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اللہ کو کسی چیز جیسا کہنے سے رکے ہوئے ہیں جو کتاب وسنت میں آتی ہے کیونکہ اسے صرف کامل قسم کے عارف لوگ ہی جانتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ بات کا صرف وہی پہلو نکالنا صرف وہ برا ہوتا ہے جو اپنی سوچ کی بناء پر ہو اور اللہ کی پہچان کرانے کی وجہ سے نہ ہو۔ اسے سمجھ رکھو اور سوچ سے پہلو نکالنے والا اگر اپنے علم میں اللہ کا ادب کرتا تو پہلو نکالے بغیر شبہ ڈالنے والی آیتوں پر ایمان لاتا جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ اس کا سینہ یوں کھول دیتا جیسے انبیاء اور اولیاء کا کھولا ہوا ہے کیونکہ جو پہلو نکالتا ہے وہ حقیقۃً اس معنی پر ایمان لاتا ہے جسے اس نے اپنی عقل سے نکالا ہوتا ہے چنانچہ وہ اس چیز پر ایمان نہیں لاتا جسے اللہ نے اپنے نام کیا ہوتا ہے؟

میں نے ان سے پوچھا کہ علماء کرام اس سے کیونکر جان چھڑا سکتے ہیں حالانکہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو اس بات میں پہلو نکالتے ہیں جو ان کی عقل میں نہیں آتی؟

انہوں نے فرمایا: اس سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس حد پر ٹھہرا کریں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کی ہے' اس سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں چنانچہ حق تعالیٰ جسے حرام کرے' حرام جانیں' جسے حلال بنائے اسے حلال کہیں' جسے مباح قرار دے اسے مباح جانیں' جسے ناپسند کرے اسے ناپسند کریں' جس کا حکم دیا

ہے اس پر عمل کریں، جسے لازم کیا ہے اسے لازم جانیں اور جس چیز کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا اس سے خاموش رہیں چنانچہ جو یوں کرے گا وہ اللہ کی مرضی کے مطابق چلتا ہوگا اور یہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری بنے گی لیکن جو پہلو نکالے گا یا اپنی عقل اور رائے کے ذریعے شریعت کے حکموں میں زیادتی کرے گا تو وہ حضرت شارع علیہ السلام کی فرمانبرداری سے اتنا ہی نکل جائے گا جتنے اس نے پہلو نکالے یا زیادتی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

(آل عمران:۳۱)

"اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔"

ایسے لوگوں کی فرمانبرداری اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتی جب تک وہ اس حد پر نہ رکیں جہاں شریعت رکی ہوئی ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کی فرمانبرداری دنیا و آخرت کے معاملات میں لازم ہے یا صرف خاص طور پر دینی حکموں سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا سے تعلق نہیں رکھتی؟

حضور کی پیروی کن چیزوں میں لازم ہے؟:

آپ نے فرمایا کہ لازمی فرمانبرداری ان معاملات سے تعلق رکھتی ہے جو دنیا کی بجائے دین میں شامل ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے ہاں سے گزرے جو کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے جس پر آپ نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ پیوند لگا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرے خیال میں اس کا فائدہ نہ ہوگا۔[1]

انصار نے یہ بات سنی تو اس سال کھجور کو پیوند لگانے سے رک گئے جس کی وجہ سے پھل میں کمی آگئی اور کھجور کا پھل ردّی نکلا۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا تو آپ نے فرمایا: "یہ میرا ذاتی خیال تھا لہٰذا اس بارے میں مجھ پر اعتراض نہ کرو۔"[2]

۱۔ صہ ۳۰ حاشیہ نمبر ۱ ۲۔ صہ ۳۰ حاشیہ نمبر ۳

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ''جب میں تمہیں تمہارے دنیاوی معاملات کے بارے میں کوئی بات کروں تو تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہوتے ہو۔'' چنانچہ آپ نے یہ بات ثابت کر دی کہ دنیادار ان سے زیادہ واقف تھے۔

اس پر میں نے ان سے کہا کہ پھر اللہ کے اس فرمان کا مطلب کیا نکلے گا؟

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ

(النساء: ۱۰۵)

''کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے؟''

آپ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں میں وہ فیصلہ کیا کرو جو اس وحی کے ذریعے تم پر اترتا ہے اور اللہ اس کی سمجھ دے دیتا ہے' اس رائے کی بناء پر نہ کرو جو تمہارے دل میں آتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت خبردار کیا تھا جب حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما[1] کے معاملے میں آپ نے اپنے آپ پر قسم کے ذریعے ایک کام حرام قرار دیا تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا[2] کے قریب گئے تھے چنانچہ آپ نے انہیں یہ فرما کر راضی کر لیا تھا کہ آج کے بعد ماریہ مجھ پر حرام ہے چنانچہ اگر اس سے مراد وہ رائے ہوتی جو اللہ نے انہیں بتائی تھی تو رسول اللہ ﷺ خود ہر رائے سے بڑھ کر تھے۔

۱۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب (۱۸ھ تا ۴۵ھ / ۶۰۴ء تا ۶۵۵ء) نیک دل اور عظیم صحابیہ تھیں اور نبی کریم ﷺ کی بیوی تھیں۔ مکہ میں پیدا ہوئیں اور خنیس بن حذافہ سہمی نے ان سے شادی کی۔ اسلام کے آ جانے تک آپ ان کے پاس رہیں پھر دونوں مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے ہمراہ مدینہ کو ہجرت کی۔ شوہر کے فوت ہونے پر نبی کریم ﷺ نے ان کے والد سے اپنے لئے رشتہ مانگا جس پر انہوں نے ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال انہیں آپ سے بیاہ دیا اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ وہیں رہیں اور وہیں وصال فرمایا۔ بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں میں ان سے ساٹھ احادیث روایت کی ہیں۔

۲۔ حضرت ماریہ بنت شمعون قبطیہ (متوفیہ ۱۶ھ / ۶۳۷ء) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی ایک لونڈی تھیں۔ مصر سے تعلق تھا جس کے ایک شہر حفن میں پیدا ہوئیں۔ شاہ مقوقس قبطی نے ۷ھ میں انہیں اور ان کی بہن سیرین کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تحفہ کے طور پر پیش کیا جن سے ابراہیم پیدا ہوئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ انہیں ان کے لڑکے نے آزاد کیا۔ ان کی بہن سیرین کو آپ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو ان کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ حفن کی رہنے والی ہیں تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بات کی جس پر انہوں نے وہاں کے لوگوں کو خراج معاف کر دیا اور جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا خرچہ اٹھایا۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ کے اندر فوت ہوئیں اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ مدینہ منورہ کے عالیہ میں مشربہ ام ابراہیم آپ ہی کے نام پر تھا۔

اس کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے کی بناء پر حکمرانوں کی پیروی ان چیزوں میں بھی ہم پر لازم ہے جن کا وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ.

(النساء: ۵۹)

''حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔''

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر کئے جانے اور روکے ہوئے جائز کام میں ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم پر ان کا حکم ماننا لازم ہے؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ جس جائز کام کا وہ ہمیں حکم دیا کریں وہ ان میں شامل ہوتا ہے جن کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہوتا ہے اور واجب اور روکے ہوئے کام سے روکا ہے کیونکہ حکمران صرف جائز اور مباح کام ہی کا حکم دے سکتے ہیں جبکہ منع کیا ہوا اور لازمی کام' اللہ و رسول کی فرمانبرداری میں شمار ہوتا ہے چنانچہ وہ کام صرف اسے کرنے کا حکم دیئے جانے پر لازمی عبادت بن جاتا ہے اور ان کا اس سے روکنا بہت بری برائی بنتا ہے تاکہ ان کی مخالفت پر فتنہ پیدا ہونے کا دروازہ بند ہو سکے۔

میں نے پوچھا کہ کیا شریعت میں حکمرانوں کی طرف سے مباح کام کرنے پر ہمیں واجب جیسا اجر ملتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! کیونکہ مباح ہونے کا حکم اس سے اس بناء پر اٹھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو شارع علیہ السلام کے حکم پر شارع کا مرتبہ دے رکھا ہے چنانچہ شارع علیہ السلام کی طرح ان کی پیروی بھی ضروری ہوتی ہے اور یہی حکم اس روکے ہوئے کاموں میں بھی ہے جنہیں وہ حکمران اپنی طرف سے جاری کرتے ہیں کیونکہ انہیں اسے چھوڑنے کی وجہ سے وہ ثواب ملتا ہے جو حرام کاموں کو چھوڑنے پر ملتا ہے تاہم خاص طور پر اس وقت جب سب مل کر یہ فیصلہ کر دیں۔

میں نے ان سے کہا کہ ہم میں سے حکمران بننے والوں سے مراد کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ان سے مراد نبی کریم ﷺ کے وارث بننے والے اولیاء اور علماء ہیں تاہم

دوسرے لوگ صرف نام کے حکمران ہیں لیکن شریعت کی سوجھ بوجھ ہی سے دین کا کام صحیح طور پر چل سکتا ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آدم و داؤد علیہما السلام جیسے رسولوں میں سے خلیفہ بننے والوں کا کیا حکم ہے؟ کیا انہیں وہی حق ہے جو انہیں خلیفہ بنانے والے کا ہے کہ وہ حکم دیں اور اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر کسی کو روکیں تاہم جو خلیفہ نہ تھے انہیں شریعت بنانے کی اجازت نہ تھی' وہ صرف ایسا کام کرنے یا نہ کرنے کا حکم دے سکتے تھے جو ان کے اور ان کی امت کے لئے جائز ہو؟

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ سارے اکابر حضرات مباح کاموں سے رکے ہوتے ہیں چنانچہ وہ ان کے ایک پہلو کو دوسرے سے نہیں بڑھاتے کیونکہ وہ جانتے ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے انہیں بندوں کی آزمائش اور پرکھنے کے لئے بنا رکھا ہے تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کیا وہ کام کرنے سے رکتے ہیں اور اس حد پر ٹھہرتے ہیں جو ان کے آقا نے ان کے لئے مقرر کر رکھی ہے تاکہ وہ اپنے آقا کے سامنے غلام بنے ہوئے اور اس کے حکم ماننے میں یا اس کی مقرر کی حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور اللہ کے مرتبہ کا مقابلہ کرتے ہیں کیونکہ اصولی طور پر مباح کام کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے' وہ بلا رکاوٹ جو چاہے کرے جبکہ بندے یوں نہیں کر سکتے اور یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ اللہ کا ادب کرنے میں یہ مخلوق کئی طرح کی ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا حضرت آدم و داؤد علیہما السلام کا خلیفہ ہونا زمین پر رہنے والے سب جنوں' انسانوں اور زمینی فرشتوں کے لحاظ سے تھا؟

انہوں نے فرمایا کہ حضرت آدم و داؤد علیہما السلام صرف صورتوں اور جانوں کے جہان پر خلیفہ تھے جو ان صورتوں کو بنانے والے ہیں لیکن ان دونوں قسموں کے علاوہ دوسروں پر ان کی حکومت نہ تھی' ہاں! ان میں سے جو کے نفس پر حکمرانی کا ارادہ کرتا تو حکم چلا لیتا تھا جیسے جنوں اور زمینی فرشتوں پر' رہا نورانی جہان تو کسی بشر کے بس میں نہ تھا کہ یہ ان پر حکومت کریں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے جسے اللہ نے اسے دے رکھا تھا جہاں سے وہ حکم خدا ہی پر اتر سکتا تھا اور جب ہم میں سے کوئی انہیں اتارنا چاہتا ہے تو ضروری ہوتا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے پروردگار کی طرف توجہ کرے اور اس کا پروردگار اس سلسلے میں اس سوالی کو حکم دے یا ابتداء ہی میں اسے اتار دے۔ رہے سیر کرتے رہنے والے فرشتے تو ان کا مقام معلوم ہے کہ وہ سیر کرتے

ہوئے ذکر کی محفلیں تلاش کرتے ہیں جو ان کی روزی ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ زندگی گزارتے ہیں' اسی میں ان کی زندگی ہوتی ہے اور وہ سب سے بہتر روزی ہوتی ہے۔ واللہ اَعلم

جَوْھَرَہْ

حکمران کون بنے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حکمران بننے کی صورت میں اس مرتبہ کا حقدار کون ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ رعیت میں سے جو شخص یہ مرتبہ لے کر پوچھ گچھ کئے جانے کے لائق ہو لیکن اگر اس سے سوال کیا جائے اور وہ سوال کے جواب پر پورا نہیں اترتا تو اسے جان لینا چاہئے کہ وہ اس حکمرانی کے لائق نہیں ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جو کبھی غلط نہیں ہوتا۔

میں نے ان سے کہا کہ اگر وہ شخص رعیت کے کہنے پر حکمران بنے تو کس موقع پر وہ اس مرتبے سے الگ کیا جا سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ جب وہ اپنی رعیت کی بہتری سے نظر ہٹا لے کیونکہ جو ان کی بہتری سے نظر ہٹانے والا ہوتا ہے وہ سربراہ نہیں ہو سکتا اور اس کا یہی مرتبہ اسے الگ کر دیتا ہے اور اس موقع پر اس کے اور رعیت کے عام لوگوں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا لہٰذا جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی حکومت ہمیشہ رہے تو اسے چاہئے کہ اپنی خواہش پوری کرنے کی خاطر اپنی رعیت سے کبھی بھی غفلت نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں حکمران صرف اس لئے بنائے ہیں کہ لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھیں' کوئی اور مقصد نہیں ہوتا جیسے اس سلسلہ میں انصاف کرنے والے حکمران اور نیک بادشاہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ[1] وغیرہ ہوئے ہیں۔ واللہ اَعلم

۱۔ ابو حفص حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بن مروان بن حکم اموی قرشی (۶۱ھ تا ۱۰۱ھ ﴿۶۸۱ء تا ۷۲۰ء﴾) نیک خلیفہ اور انصاف والے تھے۔ انہیں خلفائے راشدین کا پانچواں خلیفہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ شام میں حکومت کرنے والے امویہ کے بادشاہوں میں سے تھے۔ ولادت اور پرورش مدینہ میں ہوئی اور ولیدی حکومت کے والی بنے۔ پھر شام میں انہیں سلیمان بن عبدالملک نے وزیر بنایا اور ۹۹ھ میں سلیمان کے عہد میں حکمران بنے۔ لوگوں نے ان کے دور میں سکھ کا سانس لیا۔ آپ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے سے منع کیا۔ آپ نے زیادہ عمر نہیں پائی۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آپ سلیمان کے گھر میں تھے کہ آپ کو زہر دے دیا گیا۔ چنانچہ آپ کا وصال ہو گیا۔

۳۶
در

غلہ ذخیرہ کرنے کے بارے میں:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا میں سال کی روزی کا ذخیرہ کر سکتا ہوں؟

انہوں نے فرمایا کہ اگر تمہیں پوری طرح نظر آ رہا ہو کہ وہ صرف تمہاری ہی روزی ہے اور کسی دوسرے کا اس میں دخل نہیں تو پھر ذخیرہ کر سکتے ہو لیکن اگر صرف خیال ہی ہے تو نہ کرو اور پھر جب تم ذخیرہ کر لو تو پھر یہ ذخیرہ یا تو حکم الٰہی کے مطابق ہو گا جس کی بناء پر تم صرف ایک بندے ہو گے چنانچہ تم پر لازم ہو گا کہ اس حد پر ٹھہرے رہو جس کا تمہیں حکم ملا ہے اور یا پھر تمہارا ذخیرہ کرنا یہ اطلاع ہو گی کہ ذخیرہ کی ہوئی وہ چیز فلاں شخص تک تمہارے ہاتھوں ہی سے پہنچ سکتی ہے لہٰذا یہ بات کھلنے پر بھی ذخیرہ کر سکتے ہو۔

میں نے ان سے کہا کہ اگر مجھے یہ تو پتہ چل جائے کہ لازمی طور پر وہ چیز فلاں شخص کی ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ میرے ہاتھوں ہی سے اس تک پہنچے گی تو؟

انہوں نے فرمایا: تمہارے لئے ایسی چیز کو روک رکھنا طبیعت میں بخیلی ہو گی اور اس کے موجود ہونے کی خوشی ہو گی لہٰذا ایسے وقت میں تمہیں اسے روکنا مناسب نہیں۔

میں نے ان سے پوچھا: اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مال مقررہ وقت پر میرے ہاتھوں سے حقدار تک نہیں پہنچ سکے گا؟

آپ نے فرمایا کہ ایسے موقع پر تمہیں اختیار ہو گا' چاہو تو اس وقت تک کے لئے اسے روک لو اور چاہو تو اپنے ہاتھ سے کسی کو دے دو کیونکہ اس وقت تم اس کے نگران نہیں رہے اور نہ ہی حق تعالیٰ نے تمہیں اس کو روکنے کا حکم دیا ہے۔ ہاں! جب وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے ہاتھوں میں دے دے گا جسے تم اس حقدار تک پہنچا سکو گے اور یہ بہتر صورت ہے کیونکہ تم دو زمانوں کے درمیان ہو اور ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو کیونکہ تم حق تعالیٰ کے خزانے' ہو اسے ذخیرہ کرنے والے نہیں' اس وقت تم اس کے لئے فارغ ہو گے اور اپنے دل کو غیر سے فارغ کر لو گے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ طریقہ حضرت شیخ ابوالسعود بن شبلی رحمہ اللہ کا تھا جو حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ[1] کے مرید تھے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے سارے کام اللہ پر چھوڑ دیئے ہیں۔

میں کہتا ہوں: بہتر یہ ہے کہ یہ بات مان لی جائے۔

میں نے عرض کی کہ میں نے شیخ ابوالسعود کا نام تو سن رکھا ہے' کیا یہ بڑے بزرگوں میں سے تھے؟

ابن عربی کے مطابق ابوالسعود' عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے بڑا مرتبہ رکھتے تھے:

انہوں نے فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حضرت شیخ ابوالسعود' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے زیادہ کامل تھے اور میں نے کافی اولیاء کے مقامات دیکھے ہیں لیکن اس شخص کے ایک مقام پر ٹھہراؤ کا پتہ نہیں چل سکا۔

اس پر میں نے اپنے شیخ سے عرض کی کہ میں نے حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ کی بہجۃ میں دیکھا ہے کہ انہوں نے قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ لِلّٰهِ کے الفاظ حکم الٰہی ملنے پر ہی کہے تھے؟

قدمی هذه الخ کا حکم الٰہی سے تعلق نہ تھا:

آپ نے فرمایا کہ اگر ان کا یہ فرمان اللہ کے حکم پر ہوتا تو وصال کے موقع پر انہیں شرمندگی نہ ہوتی چنانچہ ہمارے علم کے مطابق انہوں نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ یہ وہ حق بات ہے جس سے ہم غافل رہے پھر شرمندہ ہوئے اور استغفار کیا تھا اور یہ ہر ایک جانتا ہے کہ اللہ کے حکموں کو ماننے کے بعد شرمندگی نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ تو نفسانی خواہش کے مطابق کام کرنے سے ہوتی ہے' اس میں غور کرلو۔

۱۔ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ بن جنگی دوست الحسنی رضی اللہ عنہ (۴۷۱ھ تا ۵۶۱ھ / ۱۰۷۸ء تا ۱۱۶۶ء) ابومحمد محی الدین جیلانی یا گیلانی یا جیلی قادری سلسلہ کے بانی تھے۔ بڑے زاہد اور صوفی تھے' جیلان میں پیدا ہوئے اور جوانی میں بغداد چلے گئے۔ وہاں علم اور تصوف کے بڑے بزرگوں سے ملے اور وعظ کے طریقوں میں سب سے بڑھ گئے۔ آپ نے فقہ پڑھی اور حدیث سنی' ادب پڑھا اور شہرت پائی۔ پھر ۵۲۸ھ کے دوران تدریس کی اور فتویٰ دینا شروع کیا اور وہیں وصال فرمایا۔ کئی کتابیں لکھیں جن میں الغنیۃ لطالب طریق الاحق' فتوح الغیب اور فیوضات ربانیہ وغیرہ شامل ہیں۔

مَرْجَانَہ

میرے شیخ نے مجھے وصیت کی تھی کہ ہدیہ دینے میں پہل نہ کروں ہاں! اگر اس ہدیہ لینے والے کے دل کو تسلی دینا چاہو تو حرج نہیں کیونکہ کسی بناء پر مجھ سے اس شخص پر زیادتی ہو چکی تھی۔

میں نے پوچھا کہ وہ کیوں؟

آپ نے فرمایا: اس بناء پر کہ تم اسے بدلے کے طور پر تکلیف دور کرنے کے لئے ہدیہ دے رہے ہو گے۔

میں نے کہا کہ اگر اس نے مجھ سے پہلے میری دلجوئی کی ہو تو؟

انہوں نے فرمایا کہ پھر کوئی حرج نہیں۔

میں نے کہا کہ اگر وہ فقیر ہوا اور دعا ہی کر سکتا ہو تو؟

انہوں نے فرمایا کہ ایسے کو ہدیہ دینا چاہئے کیونکہ اس کا ذمہ دار اللہ ہوتا ہے جو اس کی طرف سے بدلہ دیتا ہے۔ واللہ اَعلم

بَلْخَشَہْ

بے مقصد اپنی تعریف کرنا ناجائز ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا میں دل ہی میں لوگوں کی ضرورتیں پوری کر دوں اور ظاہری طور پر انہیں کسی مسلمان بھائی کی طرف بھیجوں کہ وہ پوشیدہ طور پر یا اسے بڑھانے کے لئے اس سے ان ضرورتوں کے بارے میں پوچھیں جبکہ اللہ تعالیٰ تو ہر کام کرنے والے کے سامنے اس کام کو نکھار دیتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ایسا مت کرو کیونکہ تم اسے لاعلمی میں پریشانی دو گے کیونکہ وہ خیال کرنے لگے گا کہ وہ ضرورت خود اسی نے پوری کی ہے اور یوں تم اسے ان لوگوں میں شامل کر دو گے جو یہ چاہتے ہیں کہ اس کام میں ان کو سراہا جائے جو انہوں نے کیا ہی نہیں ہوتا۔

درہ ۳۳

ولی بھی اونگھ اور نیند سے بچا ہوا ہو سکتا ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے فرمان
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ.

(البقرہ: ۲۵۵)

''اسے اونگھ اور نیند نہیں آتی۔''

کے بارے میں پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے کسی قریبی شخص پر بھی یہ لفظ بولا ہے یا نہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! لیکن ہر وقت نہیں بلکہ کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ ایسا کون ہے؟

سیّدی عیسیٰ بن نجم سترہ سال تک نہیں سوئے:

انہوں نے فرمایا کہ سیّدی عیسیٰ بن نجم تھے جو براس کے مقام پر نمکین سمندر کے کنارے پر تھے اور وہ وہاں سترہ سال تک رہے تاہم دن اور رات میں کسی بھی وقت انہوں نے پلک نہیں جھپکی اور پھر فوت ہو گئے۔ واللہ اَعلم

یَاقُوْتَہ

امت کے گنہگار لوگ دوزخ میں کیسے جائیں گے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اس امت کے گنہگاروں کے بارے میں پوچھا کہ جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو کیا اسی حیوانی شکل میں جائیں گے؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں! کیونکہ جہنم نفس ناطقہ (عقل والوں) کا ٹھکانہ نہیں بلکہ اگر یہ اسے اوپر سے دیکھ لیں گے تو بلاشبہ اس کے بھڑکتے شعلے بجھ جائیں گے کیونکہ ان کا نور اس سے بڑھ کر ہو گا۔ والحمد للہ رب العالمین.

کِبْرِیْتِ اُحْمَر

کسی کے لئے کھڑا ہونے کا حکم:

میرے شیخ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کسی بھائی وغیرہ کے لئے اس وقت تک نہ کھڑے ہوا کرو جب تک تمہیں یہ علم نہ ہو کہ وہ اس کی خواہش رکھتا ہے کیونکہ جب تم اس کی خاطر کھڑے ہو گے تو بلا وجہ اس میں بڑائی پیدا ہو گی اور تم اس کی لاعلمی میں اس کے ساتھ برا سلوک کر بیٹھو گے۔

میں نے ان سے کہا کہ مجھے اس بات کا کیسے پتہ چلے جبکہ ہر مسلمان کے بارے میں اچھا گمان کرنا لازم ہوتا ہے؟

اس پر فرمایا کہ اچھے گمان کی صورت میں جاننے کی ضرورت نہیں' ایسے میں اس کی عزت کرنے کو کھڑے ہو جایا کرو اگرچہ اندرونی طور پر وہ تمہارے گمان کے مطابق نہ بھی ہو کیونکہ تمہارا یہ کام تم پر بوجھ نہ بنے گا۔

میں نے پوچھا کہ اگر میرے ذہن میں یہ بات ہو کہ میرا مرتبہ پوری مخلوق میں سے کم ہے تو؟

انہوں نے فرمایا کہ ایسا شخص امت کے کسی بھی گنہگار کے آنے پر کھڑا ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک سب لوگ اس سے بڑھ کر ہوتے ہیں جبکہ مرتبے والے کی خاطر کھڑا ہونے کا حکم ہے بلکہ اس وقت زیادہ ضروری ہے جب اس محبوب بھائی کی دل لگی کرنا ہو۔

ہمیں پتہ چلا ہے کہ سیّدی مدین رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ شیخ عبادہ کی آزمائش کی تھی جو مالکی حضرات میں سے ایک بزرگ تھے تاہم ابومدین پر اعتراض کرتے تھے۔ ابومدین نے ایک دن انہیں لوگوں کے مجمع میں آنے کو کہا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ شیخ عبادہ کے آنے پر کوئی شخص کھڑا نہ ہو چنانچہ جب وہ آئے تو لوگوں نے ان کے ساتھ وہی کچھ کیا' وہ جوتوں کے پاس کھڑے ہو گئے اور دنیا کھلی ہونے کے باوجود ان کی نظر میں انہیں تنگ دکھائی دی۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابومدین نے شیخ عبادہ کو کھڑے دیکھا تو ان کے لئے کھڑے ہوئے' انہیں

اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور پوچھا کہ آپ کے پاس مشرکین کی برائی سے بچنے کے لئے کھڑا ہونے کی کوئی دلیل ہو تو بتائیے؟

انہوں نے کہا کہ یہ حرام ہے۔

اس پر حضرت ابومدین رحمہ اللہ نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ بنا کر پوچھتا ہوں کہ آپ کی خاطر ہمارے کھڑے نہ ہونے پر آپ کے دل میں کوئی میل تو نہیں آئی؟ انہوں نے کہا کہ ہاں آئی ہے۔ آپ نے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے یوں کھڑے ہو جائیں جیسے نماز میں اللہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں جس پر شیخ عبادہ نے توبہ کی اور مرتے دم تک شیخ ابومدین کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد وہ کہا کرتے تھے کہ میں حقیقی طور پر اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا جب تک شیخ ابومدین سے نہیں ملا تھا۔

دُرّة

اللہ تعالیٰ کی زیارت کیوں ممکن نہیں؟:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ ستر پردوں کے پیچھے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ورید رگ کے مقابلے میں بھی ہم سے زیادہ قریب ہے اور یہی وہ قرب ہے کہ جس کی وجہ سے اس دنیا میں ہم اسے یوں نہیں دیکھ سکتے جیسے ہوا کو ہم اس بناء پر نہیں دیکھ سکتے کہ وہ آنکھ کی نظر کے ساتھ لگی ہوئی ہے جس سے پتہ چلا کہ انتہائی قریب ہونا بھی یونہی پردہ بن جاتا ہے جیسے اس کے لئے بہت دوری بھی پردہ بنتی ہے چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ.

(الحدید: ۴)

''وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔''

اس نے یوں نہیں فرمایا کہ تم حق تعالیٰ کے ساتھ ہو اور تمہارے اس اکٹھ کا پتہ نہیں چل سکتا کیونکہ ہم اسے دیکھ نہیں سکتے' اللہ کو تو علم ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیسے ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ اس کے ساتھ کیسے ہیں'

اسے ذہن نشین کرلو۔

درّة

دن اور رات میں اللہ کا حال کس قدر تبدیل ہوتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رات و دن کے اندر اللہ کی شان تبدیل ہونے کی گنتی پوچھی؟

آپ نے فرمایا کہ اس کی تعداد اتنی ہے جتنی ہر ہر شخص کے سانس لینے کی تعداد ہوتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ ہر شخص کے سانسوں کی تعداد کتنی ہوتی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ رات اور دن میں چوبیس ہزار سانس ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک میں اللہ کی ایک حالت ہوتی ہے جسے وہ تمہارے اندر ظاہر کرتا ہے اور اپنا حق پورا کرنے کی خواہش کرتا ہے کیونکہ وہ حال ایک مہمان ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے تمہارے پاس آتا ہے لہٰذا دیکھو کہ تم اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہو تاکہ جاتے وقت اللہ کے ہاں وہ تمہارا یہ کام اچھا جانے چنانچہ جو شخص انسان کے پورے سانسوں کی پہچان رکھتا ہے وہ اللہ کی پوری حالتوں کو جان لیتا ہے۔ واللہ غفور رحیم

یَاقُوتَہ

اپنے آپ کو ستھرا رکھنے کا حکم:

میں نے اپنے بھائی حضرت افضل الدین رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا انسان کا اپنے آپ کو ستھرا کر دکھانا جھوٹی گواہی میں گنا جاتا ہے یا نہیں کیونکہ وہ اس کے نتیجے سے بے خبر ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ انسان کا اپنے آپ کو ستھرا بنا کر دکھانا ایک تباہ کرنے والی زہر ہے جو اس کے علم کا نور بجھاتی، پہچان ختم کرتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بارگاہِ الٰہی سے دھتکارے جانے کا سبب بنتی ہے علاوہ ازیں لوگ اس کے علم ومعرفت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ کبھی اللہ تعالیٰ اسے بالکل نقصان والا بنا دیتا ہے جس میں فائدہ ممکن نہیں ہوتا جیسے ابلیس کے ساتھ ہوا اور یہ چیز جھوٹی گواہی میں شامل ہے جو گمراہی ہے کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو بولنے والے کو نیک بختوں کے راستے سے ہٹا کر بدبختوں کی طرف لے جاتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ اگر کسی انسان سے صحیح غرض کے لئے اپنے آپ کو ستھرا بنانے کا عمل ہو جائے تو پھر؟

آپ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں کیونکہ فرشتوں نے بھی تو اپنے پروردگار کے ہاں اپنے آپ کو یوں پاکیزہ گنا تھا کہ ''ہم تیری تسبیح کرتے اور تمہاری پاکیزگی بتاتے ہیں'' اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا کہ:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ.

(مریم: ۳۰، ۳۱)

''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی، نبی بنایا اور جہاں بھی ہوں، برکت والا بنایا۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار بنوں گا اور یہ فخر کی بات نہ ہو گی'' کیونکہ فرشتوں نے اپنے آپ کو اس بناء پر سراہا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بزرگی بتا سکیں چنانچہ ان کا اپنی عظمت بتانا اور پھر ان کے سامنے سجدہ کرنا حضرت آدم علیہ السلام کے کمال کے لئے ان کے آپ کے سامنے سجدہ کرنے سے زیادہ بہتر تھا جبکہ سجدہ کرنے والوں کے موقع پر سارے موجود لوگ ناواقف تھے اور یونہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنی عبودیت ظاہر کرنے اور اپنے آقا کی نعمتیں دکھانے کے لئے یوں کہا تھا۔ پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یوں فرمایا کہ ''قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا'' تو اس کا مقصد اپنی امت کے خاص لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ قیامت کے دن آپ سب سے پہلے شفاعت کریں گے تاکہ وہ لوگ سب سے پہلے آپ ہی کے پاس آسکیں، انہیں لمبی مدت تک ٹھہرے رہنے اور ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے پاس جانے سے چھٹکارا مل سکے چنانچہ آپ کے اپنے آپ کو ستھرا بتانے کا مقصد لوگوں کے لئے راستے کی آسانی پیدا کرنا تھا۔ چنانچہ کسی دوسرے نبی کے پاس صرف وہی جائے گا جسے دنیا میں اس حدیث کا پتہ نہ چل سکا۔

میں نے ان سے کہا: پھر تو مناسب یہ ہے کہ یہ حدیث ساری امت کو بتا دی جائے تاکہ قیامت کے دن لوگ کسی نبی کے پاس جانے کی پریشانی سے بچ سکیں؟

انہوں نے کہا کہ ہاں! یہ مناسب ہے اور پھر بتایا کہ اسی بناء پر آپ نے فرمایا کہ ''میں قیامت کے

دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا'' دنیا میں نہیں فرمایا۔ اسے ذہن نشین کر لو اور پھر فرمایا کہ ''اس میں فخر کی بات نہیں''، یعنی میں تم پر سردار بننے میں فخر نہیں کرتا بلکہ مجھے اپنی عبودیت ہی پر فخر ہے چنانچہ علماء اور عارفوں کے اپنے شاگردوں کے ہاں اپنے آپ کو سراہنے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے' وہ لوگ انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں اور بکھرنے نہیں دیتے کہ کہیں بدحال نہ ہو جائیں اور انہیں لمبا راستہ طے نہ کرنا پڑے' خصوصاً جب وہ حقیقی طور پر یونہی ہوں۔

میں نے کہا کہ ان میں سے کون سا مقام اعلیٰ ہے؟ کیا اس شخص کا مقام اعلیٰ ہے جو اپنے آپ کو سراہے یا وہ جسے کوئی دوسرا سراہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں کا اس میں اختلاف ہے جبکہ یہ چیز نبیوں میں آتی ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ''مجھ پر سلام ہو'' اور سلام کہہ کر اپنے آپ کو سراہا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا:

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ.

(مریم: ۱۵)

''پیدا ہونے کے دن ان پر سلام ہو۔''

اس مقام پر حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اپنی شہادت دینے والا جب شہادت میں سچا ہو تو وہ کامل' اعلیٰ اور اس سے زیادہ حق رکھتا ہے جس پر مخلوق میں سے کوئی دوسرا فضیلت کی گواہی دے کیونکہ جو اپنی گواہی دیتا ہے تو وہ پورے ذوق وشوق سے اپنے بارے میں اپنے کامل ہونے کی گواہی دیتا ہے چنانچہ یہ گواہی اس بات سے بہتر ہوتی ہے کہ وہاں حال میں کوئی گنجائش آ جائے چنانچہ ایسا شخص اس پر فضیلت والا ہو گا جس کے لئے کوئی اور احتمال اور نہ ثابت ہونے والے ذوق سے گواہی دے۔ چنانچہ یہ مقام اعلیٰ ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھے ڈھیر سارے لینے دینے والے الفاظ دیئے گئے ہیں۔''[1] اور پھر حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

۱۔ صہ ۳۷ حاشیہ نمبر ۱

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا.

(البقرہ:۳۱)

''اور آدم کو سارے نام سکھا دیئے۔''

اللہ تعالیٰ نے ناموں کے بارے میں کُلّ کے لفظ سے زور دیا جو ہر چیز کو سمونے کے لئے بولا جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ان کے بارے میں گواہی دی حالانکہ ان کا یہ کمال حضور ﷺ کے اس فرمان میں موجود ہے کہ ''مجھے پہلوں اور پچھلوں کے علم سکھائے گئے'' کیونکہ آدم علیہ السلام پہلوں میں شامل تھے اور آپ آخری لوگوں میں صرف اس بناء پر آئے تا کہ ان کے مطابق ہو سکیں اور سننے والے کی غلط فہمی دور ہو سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم میں سے کامل شخص کا اپنے کمالات کو بیان نہ کرنا اس کے لئے ایک کمال ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے لئے شکرانے کی خاطر ہو۔

مَاس

صدق اور حق میں فرق:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ صدق اور حق دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں کیونکہ حق تو ماننے والی چیز ہے جبکہ صدق اسے کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے چیز کی موجود حالت بتائی جائے اور پھر کبھی تو یہ واجب ہو کر حق بن جاتا ہے اور کبھی نہیں بنتا بلکہ صدق بنتا ہے نہ کہ حق چنانچہ جو شخص اپنے اوپر واجب حق کو ادا کر دیتا ہے تو وہ نجات پا جاتا ہے لیکن جو ایسا حق ادا کرتا ہے جس سے اسے منع کیا گیا ہے تو وہ برباد ہو جاتا ہے۔

اس پر میں نے کہا کہ اس کی کوئی مثال تو بتایئے۔

انہوں نے کہا کہ اس کی مثال غیبت اور چغلی ہے کیونکہ یہ دونوں صدق تو ہیں لیکن حق نہیں کیونکہ اللہ نے ان دونوں کو حرام اور باطل قرار دیا ہے خواہ سچ ہی کیوں نہ ہوں چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِيَسْأَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ.

(احزاب: ۸)

''تا کہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے۔''

یعنی کیا جس کے بارے میں انہوں نے سچ بولا ہے اس کی طرف سے حکم ملنے پر ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ چغلی مثلاً حق ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اس سے سوال نہ کرتا کیونکہ وہ وہی کام کر رہا ہوتا جو حق تھا لہٰذا ہر صدق، حق نہیں ہوتا' دیکھئے عالم وہ ہوتا ہے جو ادا ہونے والے لفظوں میں فرق کرتا ہے اور لوگوں کو شریعت کے مطابق ان کے حق دیتا ہے کیونکہ یہاں ایسے حق بھی ہوتے ہیں جو انہیں پورا نہ کرنے والے پر اچھے الفاظ چاہتے ہیں جیسے وہ مجرم شخص ماننے پر عذاب کا حقدار ہوتا ہے لیکن حقدار اسے معاف کر دیتا ہے چنانچہ یہ حق ہے جو اس کے سراہے جانے کے باوجود باطل ہے جیسے غیبت اور چغلی حق ہیں اور کرنے والا برا ہے اور یونہی آدمی کا بستر پر بیوی سے کیا ہوا کام بتاتے جانا حرام ہے اگرچہ وہ حق ہے لہٰذا اس فرق میں غور کرو کیونکہ یہ عمدہ چیز ہے۔ واللہ اعلم

دُرَّۃ

تقدیر کے راز کو کون جانتا ہے؟

میں نے اپنے شیخ سے تقدیر کے اس راز کے بارے میں پوچھا جو یقینی طور پر مخلوق میں موجود ہے کہ کیا اسے محمدی اولیاء میں سے بھی کوئی جانتا ہے؟

حضور ﷺ کو تقدیر کا علم کیوں ملا؟:

آپ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن اپنے طور پر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا وارث ہونے کی وجہ سے جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کو اس کا علم نہیں دیا کیونکہ اگر انہیں پتہ چل جاتا تو ممکن تھا کہ ان کی تبلیغ اور ان کے دوسرے کاموں پر اثر پڑتا جنہیں کرنے کا انہیں حکم تھا چنانچہ اسے ان سے بچا رکھنا ان کے لئے رحمت تھا تا کہ جس جہاد وغیرہ کا انہیں حکم تھا' کرتے چلے رہیں۔

میں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی ؟

انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ آپ میں اللہ کی قوت اور دلیری تھی لہٰذا انہیں اسے آگے بتانے سے نہ روکا۔ واللہ اَعلم

مَرْجَان

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حصور کہنے کی وجہ:

میں نے اپنے شیخ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حصور (طاقت کے باوجود عورتوں سے دور) کیوں فرمایا؟ کیا یہ بات ان کے حق میں تعریف بنتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے آدمیوں کے لئے شادی کرنے کو ان کی خوبی بتایا ہے؟

آپ نے فرمایا: آدمی کا کمال یہ ہے کہ وہ شادی کرے کیونکہ جنوں اور انسانوں کے لئے بے نکاح رہنا کسی بھی حال میں کمال نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر بھی احسان جتلاتے ہوئے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً.

(الرعد: ۳۸)

''اور بے شک ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لئے بیبیاں اور بچے کئے۔''

اور ہوسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا شادی نہ کرنا خاص طور پر کمال بنتا ہو کیونکہ آدمی کسی معاملے میں اس وقت کامل گنا جاتا ہے جب اس کا نتیجہ نکلے اور دوسرے کو اس کا فائدہ پہنچے چنانچہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حصور فرمانا ایک سرسری بات ہے، جس کے ذریعے انہیں سراہا نہیں گیا اور اگر بالفرض یہ ان کی تعریف اور کمال بھی بنے تو اس بارے میں ان سے زیادہ کامل کوئی نہیں کیونکہ یہ چیز انہیں ان کے والد حضرت زکریا علیہ السلام کی وجہ سے اس وقت حاصل ہوئی جب انہوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خالہ مریم کو بن بیاہے دیکھا تھا یعنی وہ مردوں سے الگ تھلگ تھیں اور جب حضرت زکریا علیہ السلام کے حضرت مریم علیہا السلام کو دیکھنے سے یوں فارغ ہوئے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے علاوہ کسی کی گنجائش نہ رہی تو

حضرت یحییٰ علیہ السلام بن بیا ہے نکلے کیونکہ ان کے والد کی مرضی یہ تھی کہ اللہ انہیں مریم علیہا السلام کی طرح کا لڑکا دے لہٰذا حقیقت میں یہ بات تعریف نہیں بنتی۔

میں نے پوچھا کہ کیا لڑکے میں والد کی مرضی کا اثر بھی ہوسکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں ہوسکتا ہے۔

میں نے کہا کہ یوں تو پھر مرضی کو بڑی حیثیت حاصل ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! کیونکہ مرضی کی تائید اللہ نے کی ہے اور اسے الٰہی طاقت دے رکھی ہے جس کے ذریعے وہ معنوی نکاح اور حمل جیسی خیالی چیزوں کو جیسی صورتوں میں چاہے ڈھالتا ہے جو تمہیں اسلام کو توقبّــہ دکھلاتا ہے، قرآن کو گھی اور شہد، علم کو دودھ، قید کو دین میں پختگی، دین کو لمبی اور چھوٹی ستھری میلی قمیص، زرہ اور ڈھال دکھاتا ہے اور وہ جسے دین دکھایا گیا' وہاں خیال سے بڑھ کوئی نہیں ہوتا۔

اولاد کی بہتری کے لئے بیوی سے ہمبستری کے وقت کسی عالم یا ولی کا تصور کرے:

اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا لڑکا نیک ہو تو اسے اپنی بیوی سے ہمبستری کے موقع پر کسی بھی عالم یا ولی کی صورت کو دل میں لانا چاہئے اور اگر اس بات کو یقینی بنانا چاہتا ہے تو اسے یوں دیکھے کہ جیسے اس کی خوبصورتی اور اچھے اخلاق کو دیکھ رہا ہے اور پھر اپنی بیوی سے بھی کہے کہ ہمبستری کے وقت اپنے دل میں یونہی اس صورت کا خیال لائے اور دونوں ہی اس کی خوبصورتی سامنے رکھتے ہوئے فارغ ہوں چنانچہ اس موقع پر اگر عورت کو حمل ہو گیا تو اس پر اس صورت کا اثر ہوگا جو وہ دونوں خیال میں لائے تھے جس کی وجہ سے پیدا ہونے والا بچہ لازماً اسی طرح کا ہوگا لیکن اگر ایسا نہ ہوسکا تو پھر نطفے کے رحم میں داخل ہوتے وقت والدین کے دل میں کوئی دوسرا خیال آیا ہوگا جو اس کی وجہ بنے گا جس نے لاعلمی میں دونوں کو اس خیالی صورت کو دیکھنے سے روک لیا ہوگا۔ لوگ اسے عورت کی خواہش کہا کرتے ہیں اور یہ بات سب کہتے ہیں کہ ہمبستری کے موقع پر کبھی میاں بیوی میں سے ایک کے دل میں کتے' شیر یا کسی حیوان کی صورت کا خیال آجاتا ہے چنانچہ اس موقع کی وجہ سے بچہ ان کی صورت یا اخلاق جیسا پیدا ہوتا ہے اور وہ ویسا ہی پیدا ہوتا ہے جیسے والدین کو اس

کا خیال آیا تھا اور اگر دونوں کا خیال مختلف ہو تو بچے میں وہ صورت دکھائی دیتی ہے جو والد کے خیال میں تھی یا ماں کے۔ واللہ تعالیٰ اَعلم

زُمُرّدْ

کیا اسلام دین ہے؟:

میں نے اپنے شیخ سے اللہ کے فرمان
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ.

(آل عمران: ۱۹)

''اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

کے بارے میں پوچھا کہ کیا اللہ کے فرمان عند اللّٰہ کا کوئی خاص معنی ہے کہ جس کی وجہ سے غیر اللہ کے ہاں دین' اسلام نہیں ہوتا یا اس کا کوئی دوسرا معنی ہوتا ہی نہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کا ایک مفہوم ہے اور وہ یہ کہ دین دو طرح کا ہوتا ہے' ایک اللہ کے ہاں اور دوسرا مخلوق کے ہاں۔ رہا وہ دین جو اللہ کے ہاں ہے تو وہ اس کے نزدیک جھک جانے پر بولا جاتا ہے' شریعت پر بھی بولا جاتا ہے جو اللہ کی طرف سے اتری ہے تاہم جزاء اور جھک جانے کے معنی میں یہ سب کو شامل ہے کیونکہ یہاں ہر جھکنے والی ہے کہ اگر یہ امر کے ذریعے نہیں تو ارادہ کے ذریعے جھکتی ہے اور یہاں ایسا کوئی بھی نہیں ہو سکے گا کہ جسے کُـــن کہا جائے اور وہ انکار کر دے بلکہ وہ انکار کئے بغیر موجود ہو گا اور پورے جہان میں وہی صحیح ہو گا' اسے علماء کے ہاں عام اسلام کہا جاتا ہے' رہا خاص اسلام تو وہ ایسا ہے کہ جو امر کے مطابق تو ہو لیکن سادہ ارادہ کے مطابق نہ ہو اور اللہ کے ہاں یہی دین ہے۔

رہا مخلوق کے ہاں دین تو اللہ نے اس کا اعتبار یوں کیا ہے جیسے اپنے رسولوں کی زبان پر شریعت والی چیز کا کیا ہے؟ یہی وہ دین ہے کہ جسے علماء اور نیک لوگ اپنی زبان میں وہ نیک کام گنتے ہیں جو آخرت اور دنیا میں نیک بخت بناتا ہے اور درحقیقت یہ سارے کا سارا دین' دین کے نور کی وہ چمک ہے جو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے آئی ہے لہٰذا اسے ذہن میں رکھو۔

یَاقُوْتَہٗ

جہان میں تبدیلی اور ڈھل جانے کا مقام کون سا ہوتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے جہان میں تبدیلی اور اس کے ڈھل جانے کے بارے میں پوچھا کہ یہ کہاں ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اس کا مقام چاند کے آسمان سے نیچے ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا روحوں کا جہان بھی اس میں شامل ہوگا؟

انہوں نے فرمایا کہ روحوں کی دنیا (آسمانوں) میں تبدیلی نہیں ہوتی' نہ کوئی چیز اپنی جگہ سے ہٹتی ہے اور نہ ہی اس میں ردوبدل ہوگا۔

اس پر میں نے پوچھا کہ کیا چاند والے آسمان کے نیچے ہر بھاری اور ہلکی ڈھل جایا کرتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! تم دیکھتے نہیں ہو کہ آگ ہوا بن جاتی ہے' ہوا پانی بن جاتی ہے' پانی ہوا بن جاتا ہے' ہوا آگ بن جاتی ہے' آگ ہوا کے ساتھ مل جاتی ہے اور آخرکار یہ نور کے ساتھ جاتی ہے چنانچہ ہوا کا پہلا حصہ پانی کے ساتھ جبکہ دوسرا آگ سے مل جاتا ہے' پھر پانی کا پہلا حصہ مٹی کے ساتھ اور آخری حصہ ہوا کے ساتھ مل جاتا ہے چنانچہ وہ اوپر والی جانب سے اوپر کی طرف ملا ہوتا ہے اور نچلی طرف سے نچلی طرف ملا ہوتا ہے اور یوں یہ بدل جاتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ اس تبدیلی کا سبب کیا چیز ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ ملے اور اپنے جرم کی سزا مل سکے۔

مَاس

بخشش مانگنے میں جلدی کرنا:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

(آل عمران: ۱۳۳)

''اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف۔''

کے بارے میں پوچھا کہ بخشش کی طرف دوڑنے سے مراد کیا ہے؟ کیا یہ دوڑنا بخشش کے اسباب کے ذریعے ہوگا جنہیں گناہ مٹانے والی عبادتیں کہا جاتا ہے جیسے صدقہ' نماز اور کئی طرح کی بھلائیاں یا پھر ان کے بغیر ہوگا؟

آپ نے بتایا: حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات علم تضمین (ضمن میں لاکر بتانا) سے تعلق رکھتی ہیں جو قرآن کریم میں آیا ہے لیکن اس سے وہی لوگ واقف ہیں جو خاص طور پر اللہ کو پہچانتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک کام کے لئے دوڑنے کا حکم تو دے رکھا ہے لیکن گناہ کی طرف دوڑنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ اس نے اسے بھی لکھ رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ برے کام کرنے کا حکم نہیں دیا کرتا۔ چنانچہ ایسے وقت میں بندہ باطن میں وہ کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے جس کے ذریعہ دوڑا جا سکے تاکہ بخشش کا حکم دکھائی دے سکے اور ہر ایسی چیز جس کے بغیر لازمی واقع ہونے والی چیز تک نہ پہنچا جا سکے' اس کا واقع ہونا لازم ہوتا ہے لیکن اس بناء پر کہ وہ ایک کام ہے' اس حیثیت سے نہیں کہ وہ ایک حکم ہے۔

علم تضمین کے بارے میں اس آیت کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ.

(البقرہ: ۲۲۲)

''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عام طور پر توبہ کرتے رہتے ہیں اور توبہ صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب گناہ زیادہ ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے محبت کا حکم دیا ہے جو عام طور پر توبہ کرتے ہوں لیکن اس شخص کے لئے اس بات کی وضاحت نہیں کی جس سے زیادہ گناہ ہوتے ہوں۔ اسے خوب طرح سے ذہن میں بٹھالو اور سمجھ لو۔ انتہی

میں نے پوچھا کہ کیا یہ بات اس لحاظ سے سمجھ میں آتی ہے جسے علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "تمہیں کیا پتہ کہ شاید اللہ تعالیٰ اہل بدر کے بارے میں جانتا ہو؟ چنانچہ فرمایا کہ جو چاہو کرو کیونکہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔" پھر یہ بھی فرمایا کہ "بندہ جب گناہ کرتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور اسے پکڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے دوسری یا تیسری مرتبہ فرماتا ہے کہ جو چاہو کرتے پھرو کیونکہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔"

اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں! اسے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ اس نے یوں کہا ہے کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے لئے میں نے اسے جائز کر دیا ہے جبکہ بخشش تو گناہ ہی پر ہوا کرتی ہے۔ واللہ اعلم

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے عرض کی کہ ہم گناہ میں گرفتار ہونے والے اس شخص کا حکم جانتے ہیں جو گناہ کئے بغیر یہ نہیں جانتا کہ وہ کیونکر اس کے مقدر میں لکھا تھا تو پھر اس شخص کا حکم کیا ہوگا جسے اللہ تعالیٰ آئندہ دور میں جاری ہونے والی تقدیروں کے بارے میں بتا دیتا ہے اور اسے پتہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا ہو کر ہی رہے گا تو کیا وہ جلدی کرے تا کہ یوں ہو جائے اور پریشانی نہ رہے یا پھر صبر کرے؟

آپ نے فرمایا کہ بندے کے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ اس کام کی جلدی کرے جس سے اسے روکا گیا ہے نقصان میں ہوتا' اسے صبر کرنا چاہئے اور جب اللہ تعالیٰ بندے پر اپنا حکم لاگو کرنے اور لکھا ہوا فیصلہ کر دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی عقل چھین لیتا ہے اور اس سے اس کی حالت چھپا دیتا ہے جس کی وجہ سے آخر وہ نقصان میں ہو جاتا ہے اور جب وہ نقصان میں ہوتا ہے تو اللہ اسے استغفار کا حکم دیتا ہے کیونکہ بندے سے جو گناہ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا کفارہ بنا دیتا ہے چنانچہ جو شخص عبادتوں پر شکر کرے اور گناہوں پر اس سے بخشش مانگے وہ اپنا ایسا حق ادا کر دیتا ہے جو اس پر لازم ہوا تھا اور اسے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا مقام ملتا ہے کیونکہ آپ کی پیروی کے مقام میں گناہ کا نہ ہونا شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ وہ اس پر جما نہ رہے۔ اسے ذہن نشین کرلو۔

میں نے عرض کی کہ کیا اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے مقدر کا پتہ دیتا ہے اور وہ اسے کرنے کا ارادہ کرتا

ہے تو وہ کس طرح کرتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جس کی یہ حالت ہو وہ صرف تقدیر کے حکم کی مخالفت کرتا ہے یہ مخالفت نفس کے جھکاؤ' طبیعت اور حرمت والی چیزوں کی حرمت توڑنے کی بناء پر نہیں ہوتی بلکہ ویسے ہوتی ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہوا اور یہ بات ان بڑے لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو کشف اور مشاہدے کے طور پر اپنی آزمائش کے موقع پر زبردستی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

میں نے کہا کہ جس کا حال یوں ہو تو کیا اس کے لئے یہ کام جائز ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہوتا کیونکہ گناہ کا نام اس سے دور نہیں ہوتا چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى.

(طٰہٰ:۱۲۱)

"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔"

اور آدم علیہ السلام کا مسئلہ بعینہٖ یہی تھا کیونکہ انہوں نے درخت کا پھل کھانے میں الٰہی حکم کی حرمت برباد نہیں کی تھی بلکہ یہ تقدیری بات تھی۔

میں نے عرض کی کہ پھر تو یہ گناہ باطنی نہیں بلکہ دیکھنے میں گناہ بنتا ہے کیونکہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! یونہی ہے۔

میں نے کہا کہ اگر ان حضرات میں سے کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام پر میری پکڑ کیوں کرے گا جو میرے ہاتھ سے نہیں ہوا بلکہ خود اسی نے کیا تھا؟

آپ نے فرمایا کہ تم اس سے یوں کہہ دو کہ کیا تم جانتے نہیں کہ اس مقام پر ہو کہ جس میں تم میں اور تمہارے اوپر اللہ کی تقدیر کا اثر ہوتا ہے؟ اس پر اس کے لئے ہاں کہنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ ہوگا اور جب وہ ہاں کہہ دے تو ہم کہیں گے کہ یہ عقیدہ رکھنے پر تمہارا اعتراض دور ہو گیا لہٰذا اگر وہ چاہے تو تمہیں ثواب

اور چاہے تو سزا کی بنا دے۔

میں نے پوچھا کہ اگر کوئی سائل دوسری بات کرے کہ وہ اپنے کام اپنی طرف سے کیا کرتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟ (اس میں تقدیر کا دخل نہ مانے)

انہوں نے فرمایا کہ یہ فیصلہ تمہی پر ہوگا کیونکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے کئے کا اجر ملے گا اور کئے پر ہی بوجھ ہوگا۔

میں نے کہا کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کو اس کوتاہی کرنے سے پہلے اس بات کا پتہ تھا جو اللہ نے ان کے حق میں لکھ رکھی تھی؟

آپ نے فرمایا کہ اسے صرف حضرت آدم علیہ السلام ہی جانتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خصوصیت اور قرب کی بناء پر انہیں اس کوتاہی کا نقصان نہیں ہوا۔ رہا ابلیس تو اسے اپنے گناہ کا پتہ گناہ کرنے پر چلا تھا چنانچہ اسی بناء پر اللہ نے اس پر لعنت کی اور اسے پکڑا۔ واللہ اعلم

جوھر

میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین رحمہ اللہ سے اللہ کے فرمان

شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُو الْعِلْمِ.

(آل عمران: ۱۸)

''اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور عالموں نے۔''

کے بارے میں پوچھا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اولوالایمان کیوں نہیں فرمایا حالانکہ نیک بختی کا دارومدار اسی پر ہے، علم پر نہیں ہوتا کیونکہ علم ہونے پر نیک بخت ہونا لازمی نہیں؟

آپ نے فرمایا: حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ نے اولو الایمان صرف اس بناء پر نہیں کہا کیونکہ اللہ کی طرف سے اپنی توحید کے بارے میں گواہی کسی خبر کی وجہ سے نہیں کہ وہ ایمان بن جائے کیونکہ خبر تو صرف رسول کی زبانی ہوتی ہے جبکہ رسول وہاں موجود ہی نہ تھے' چنانچہ گواہی والی شے کا علم نہ ہوتے ہوئے بھی وہ گواہ ہوگا ورنہ اس کی گواہی صحیح نہ ہوگی۔

میں نے ان سے کہا کہ پھر یوں تو اللہ کی اپنی توحید پر گواہی غالب گمان اور تقلید کی صورت میں صحیح نہ ہوگی؟

اس پر فرمایا کہ ہاں! اس صورت میں صحیح ہوگی جب وہ معصوم کی اس کے دعوے میں تقلید بنے جیسے قیامت کے دن ہم امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ان کے انبیاء علیہم السلام نے حق کی دعوت پہنچا دی تھی جبکہ ان کی تبلیغ کے زمانہ میں ہم موجود نہ تھے لیکن ہم نے حق تعالیٰ کی بات کو سچا کہا کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں ہمیں خدمت نوح، عاد اور ثمود وغیرہ کے بارے میں اطلاع دی ہے۔ یونہی حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ بیچنے کے واقعہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت تصدیق کی تھی جب اعرابی نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا اور وہ بھی اس وقت جب وہ اس واقعہ میں موجود نہ تھے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تھا کہ اے خزیمہ! تو نے یہ گواہی کس بناء پر دی ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! آپ کی تصدیق کی وجہ سے دی ہے اور یہ تصدیق اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتی جب تک تصدیق کرنے والا اپنے ایمان میں ایسے نبی کو نہ جانتا ہو جس پر وہ ایمان رکھتا ہے، تقلید کی صورت میں صحیح نہ ہوگی۔

یونہی اللہ تعالیٰ نے یہاں اولوالوجد یا الذوق نہیں فرمایا کیونکہ ذوق یا وجد کی زیادہ سے زیادہ یہ حیثیت ہوتی ہے کہ اگر وہ پسندیدہ ہے تو علم کا فائدہ دے گا جبکہ وارد ہونے والی چیز میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہ علم کا فائدہ نہیں دیتا اور جب علم ہی حاصل کرنا ہے تو پھر حاصل ہونے پر اس میں فرق نہیں کہ اس کے سارے طریقوں سے حاصل ہو یا ایک ہی طریقہ سے چنانچہ ایک ہی طریقہ کی دلیل اس کا اس علم حاصل کرنے کی طرف راہ ہے جو دلیل کی بناء پر حاصل ہوتا ہے اور دوسرا ذوق وجد ہے جو اس علم کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلے گا چنانچہ دونوں ہی نتیجہ میں ایک ہی ہے اگرچہ ان کے مقامات الگ الگ ہیں، اس موقع پر ذاتی یا وجد والے کا مقصد صرف لذت کا جلد حاصل کرنا ہوگا۔

اس پر میں نے پوچھا: تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں لا الہ الا ھو کی گواہی کیوں دی؟

آپ نے فرمایا: یہ اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جتلا دے کہ اسے ان کی توحید سے غرض نہیں بلکہ وہ تو خود بخود اپنی توحید بتاتا ہے۔

میں نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر الملئکہ ہی کا عطف کیوں کیا کسی اور کا کیوں نہیں کیا؟
آپ نے فرمایا: اس لئے کہ توحید کے بارے میں ان کا علم بندوں کی طرح دلیلوں میں غور وفکر کرنے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وہ تو اللہ کی تجلی کے نتیجے میں تھا جبکہ یہ علم سب سے پختہ اور سچا تھا چنانچہ اسی بناء پر انہیں علم والوں سے پہلے ذکر کیا گیا اور پھر اس لئے بھی کہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہیں لہٰذا انہیں درمیان میں ذکر کرنا مناسب تھا۔ اسے ذہن نشین کرلو۔

زُمُرّد

میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین رحمہ اللہ سے فرشتوں اور بندوں میں سے افضل کے بارے میں مشہور اختلاف کے بارے میں پوچھا' نیز اللہ کے فرمان

الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ.

(البقرہ:۲۵۳)

اور ساتھ ہی اللہ کے اس فرمان کے بارے میں بھی

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ.

(البقرہ:۲۸۵)

کے بارے میں پوچھا کہ اس بارے میں تحقیق کیا ہے؟
انہوں نے فرمایا کہ صوفیاء کی ایک بڑی جماعت کے مطابق یہ افضل ہونا' ایک طرح کی جنسوں میں ہوتا ہے جیسے کہہ سکتے ہیں کہ جواہرات میں سے افضل یاقوت ہے اور کپڑوں میں سے بہتر پوشاک ہے لیکن جب ہر جنس الگ ہو تو ان میں افضلیت نہیں پائی جاتی لہٰذا یوں نہیں پوچھ سکیں گے کہ یاقوت بہتر ہے یا پوشاک اور اس سلسلے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ سب روحوں میں افضلیت صرف اللہ تعالیٰ کے بتانے پر ہوسکتی ہے چنانچہ جسے اللہ تعالیٰ اس بات کی اطلاع دے دے تو اسے مکمل علم حاصل ہوگا۔

روحیں تین طرح کی ہوتی ہیں:

روحیں تین طرح کی ہیں۔

۱۔ وہ روحیں جو نورانی جسموں میں عمل دخل کرتی ہیں یہ اوپر والی مخلوق ہے۔

۲۔ وہ روحیں جو آگ کے بنے جسموں میں دخل دیتی اور یہ جن ہوتے ہیں۔

۳۔ وہ روحیں جو خاکی جسموں میں دخل دیتی ہیں اور یہ بشر ہیں۔

چنانچہ یہ سب روحیں فرشتے ہیں جن کی حقیقت ایک ہے اور ایک ہی جنس ہیں چنانچہ جو شخص کسی کو علم الٰہی کے بغیر فضیلت دیتا ہے تو اس کے ہاں تحقیق نہیں ہے کیونکہ جب ہم صرف پیدائش کو دیکھتے ہیں تو عقل کہتی ہے کہ فرشتے افضل ہیں لیکن اگر پوری پیدائش پر نظر ڈالتے اور اس کے اکٹھ کو دیکھتے ہیں تو بشر کو فضیلت دینا ہوگی جبکہ ہمارے پاس یہ ہمت کہاں کہ ایک چیز کو دوسری سے بہتر سمجھیں اور پھر فرشتہ بھی تو روحانی طور پر انسان ہی کا حصہ ہے کیونکہ روحیں فرشتے ہوتے ہیں لہٰذا یہ کل، جز کا حصہ اور جز، کل کا حصہ ہے اور ان میں سے کسی کو یوں نہیں کہا جا سکتا کہ انسان کی جز افضل ہے یا پورا انسان۔ اسے ذہن نشین کر لو۔

رسول کی افضلیت کا سبب:

رہی رسولوں کے افضل ہونے میں تحقیق تو اس سلسلے میں ذہن نشین کر لو کہ جس کا بھیجا جانا زیادہ لوگوں کی طرف تھا تو افضل وہی ہوگا۔

کیا انبیاء علیہم السلام علم میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے؟:

میں نے پوچھا کہ کیا انبیاء علیہم السلام علم میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے؟

آپ نے فرمایا کہ علم، رسالت کے تابع ہوتا ہے کیونکہ ہر رسول کے پاس صرف اتنا ہی علم تھا جتنی اس امت کی ضرورت تھی، کم و بیش نہ تھا۔ (رسول کے افضل ہونے سے اس کے زیادہ علم کا پتہ چل جائے گا)۔

میں نے کہا کہ یہ بات تو ان کے رسول ہونے کی بناء پر ہے تو کیا اولیاء ہونے کی حالت میں بھی یونہی ہوں گے؟

انہوں نے کہا کہ نہیں، کیونکہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک ولایت کے علموں میں

اولوالعزم رسول کی ولایت کے علم سے بڑھ جائے جو اس سے اعلیٰ ہوتا ہے جس سے پتہ چلا کہ انبیاء علیہم السلام رسول ہونے میں ایک جیسے ہوتے ہیں جیسے اس فرمانِ الٰہی سے پتہ چلتا ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ.

(البقرہ: ۲۸۵)

''ہم اس کے کسی بھی رسول میں فرق نہیں کرتے۔''

کیونکہ رسالت کو اہمیت حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ سب اس میں ساجھے ہیں البتہ خصوصیت کی کمی بیشی سے ان میں فرق ہوسکتا ہے۔

اس پر میں نے عرض کی کہ پھر رسولوں کی بجائے نبیوں میں فضیلت کس بناء پر ہوگی؟

انہوں نے فرمایا کہ ان کی صلاحیتوں اور ذاتوں کی بناء پر ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ.

(اسراء: ۵۵)

''اور ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی۔''

انبیاء میں فضیلت کا مطلب:

میں نے پوچھا کہ اس فضیلت کا مطلب کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: ابن قسی اور کچھ علماء کا خیال ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر بھی ہوتا ہے اور کمی والا بھی چنانچہ ایک نبی کسی ایک وجہ سے افضل ہوتا ہے تو وہ کم مرتبہ نبی دوسری وجہ سے بڑھ کر بھی ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ برابر بھی ہیں اور فضیلت والے بھی تاہم اس قائل نے یہ نہیں لکھا کہ ان میں سے حقیقی بات کون سی ہے؟

میں نے کہا کہ اس بارے میں حق بات کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: حق وہ ہے جسے شیخ محی الدین وغیرہ محقق لوگوں نے بتایا ہے کہ ایک دوسرے سے

افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک' دوسرے سے ایسے مرتبہ کے ذریعے بڑھ کر ہوتا ہے جس کی وجہ سے بزرگی اور شرافت ملے چنانچہ ان کے نزدیک اسے بزرگی کی خوبیوں میں گنا جائے گا جبکہ دوسروں میں یوں نہیں بلکہ ہم تو اس لحاظ سے مرتبوں میں فضیلت کے بالکل قائل نہیں کیونکہ ان کا تعلق اللہ کے ناموں اور ربانی حقیقتوں سے ہوتا ہے لہٰذا اس حیثیت سے ان میں ہرگز فضیلت نہیں ہے کیونکہ ناموں کی ذاتِ الٰہیہ سے نسبت ایک ہی ہے لہٰذا جو شخص فضیلت دے رہا ہے تو گویا وہ کہتا ہے کہ اللہ کے کچھ نام دوسرے ناموں سے افضل ہیں چنانچہ عقلی اور شرعی طور پر یہ بات کوئی بھی نہیں کہہ سکے گا۔ دیکھئے' کچھ نبیوں کو دوسروں سے فضیلت دینے سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہم نے اس نبی کو وہ دیا جو دوسرے کو نہیں دیا اور ہم نے دیتے وقت اس کی فضیلت میں سے نہیں دیا بلکہ بزرگی کی بناء پر ان میں سے وہ بھی تھے جسے یوں فضیلت دی کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے بنایا اور فرشتوں سے سجدہ کرایا' ایک وہ بھی تھے جنہیں پردوں کے بغیر قدیم الٰہی کلام کے ذریعے فضیلت دی' ایک وہ تھے جنہیں خلیل بنایا اور ایک وہ تھے جنہیں صفی بنایا' یہ اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام تھے چنانچہ یہ سب بزرگی اور عظمت کی خوبیاں ہیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی پیدائش اس کے کلام سے بڑھ کر ہے اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی کلام دوسرے کو اپنے ہاتھوں کے ذریعے بنانے سے بڑھ کر ہے بلکہ یہ سب ایک ہی ذات سے تعلق رکھتے ہیں جس میں نہ کثرت ہے اور نہ گنتی۔ انتھٰی (واللہ سبحانہ اَعلم)

کبریتِ احمر

کیا دو چیزوں کا اکٹھا ہونا محال ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے بعض لوگوں کے اس بات کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپس ضد بننے والی دو چیزوں کا اللہ کے عارف لوگوں تک میں ایک ہی جگہ پر اکٹھا ہو جانا محال ہے؟

انہوں نے فرمایا: میں نے کسی شطح والے (دعویٰ کرنے والے) سے سنا ہے کہ دو ضدیں جمع کرنا ایسے شخص کے لئے محال گنا جاتا ہے جو اپنی عقل سے کام لے لیکن جسے اللہ تعالیٰ ایسی قوت دے جس میں عقل

بھی شامل ہو تو اس میں اس کے لئے یہ محال نہیں کیونکہ ہر ایک یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور جہان دو ضدیں ہیں جو ایک دوسرے میں داخل ہوئے، اکٹھے ہوئے اور حد بندی ہوئے بغیر اکٹھے ہیں چنانچہ جو شخص ان دو ضدوں کو اکٹھا نہیں کرتا، اس کی توحید کامل نہیں مانی جائے گی اور کئی حدیثوں کے مطابق اس کا ایمان نہیں رہے گا کیونکہ دو ضدوں کو جمع کرنا اللہ کی وحدانیت پر بڑی مضبوط دلیل ہے کیونکہ جو اپنے وجود کو لازمی خیال کرتا ہے، وہ شرک کرتا ہے اور جس کا موجود ہونا لازمی نہیں ہوتا، وہ ایک ہی لمحہ میں موجود بھی ہوتا ہے اور معدوم بھی۔

پھر یہ بات ذہن میں رہے کہ ہم دو ضدوں کو اکٹھا کرنے سے مراد وہ چیز لیتے ہیں جو عقل میں یوں محال ہو کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک کو بہت جانے اور زیادہ کو ایک دیکھے جبکہ ان کے بارے میں سوچ بھی ایک ہو، اس میں ایر پھیر اور تبدیلی نہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ایسی شرطیں بھی جمع ہوں جن کی وجہ سے ان دونوں کا آپس میں ضد ہونا ثابت ہو جس کی وجہ یہ کہ ولایت کا طریقہ ان علماء کے طریقے سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی عقل ہی پر بھروسہ کرتے ہیں تو اے بھائی! اس ساری گفتگو سے تمہیں پتہ چل گیا ہو گا کہ دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی موجود نہیں ہے تو اس کی کوئی ضد بھی نہیں، ہاں! آخر کار بات وہی بنتی ہے جو اہل کلام کا اعتقاد ہے لیکن اس میں وہ بات نہیں جسے وہ لوگ سامنے رکھتے ہیں، لہٰذا اس میں غور کرو۔

میں نے ان سے کہا کہ مومن کے لئے دو آنکھیں ہونا ضروری ہوا جن میں ایک کے ساتھ وہ یہ دیکھے کہ وہ معدوم ہے تا کہ اللہ کی احدیت کا حق ادا کر سکے اور ایک آنکھ وہ جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو موجود دیکھے کیونکہ اس طرح وہ اپنی عبودیت پر چل سکے گا۔

آپ نے فرمایا کہ ہاں! یہاں کرنے کی بات یہی ہے۔

میں نے پوچھا کہ جب وہ معدوم ہوا تو اس پر شرعی حکم کیسے لاگو ہوں گے؟

انہوں نے فرمایا: کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ ہر پسندیدہ کام کر سکتا ہے؟

میں نے کہا کہ ہاں! یونہی مانتا ہوں۔

انہوں نے کہا: تو پھر یہ اس کی قدرت میں ہے کہ اس نے مخلوق بنائی' انہیں اپنے حکموں پر چلنے کو کہا' کچھ حکم دیئے' کچھ کاموں سے روکا' انہیں اپنی نعمتیں دیں' عذاب دیا' بیمار کیا اور ان کے ساتھ اس حالت میں ہر معاملہ کیا حالانکہ وہ موجود نہیں تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی احدیت کے لحاظ سے ازلی و ابدی طور پر ایک ہی رہا ہے کیونکہ اس کی ذات میں ویسے ہی زیادتی ممکن نہیں جیسے کمی ممکن نہیں ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ مخلوق کو اپنا معدوم ہونا کیسے دکھائی دے سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ قدرت میں یہ طاقت موجود ہے' سراب (وہ ریت جو دوپہر یا چاندنی میں پانی معلوم ہو) میں غور کرو۔ تم دیکھتے ہو کہ گرمی کے دنوں میں تم اسے پانی سمجھتے ہو اور کہہ دیتے ہو کہ یہ پانی ہے لیکن جب اس جگہ پہنچتے ہو جہاں اسے دیکھا تھا تو وہاں پانی نہیں ہوتا اور یونہی تم سورج کی روشنی میں ایسی چیزیں دیکھتے ہو جو حرکت کرتی اور اوپر نیچے چڑھ رہی ہوتی ہیں اور جب انہیں قابو کرتے ہو تو وہاں نہیں ہوتیں چنانچہ دیکھنے میں تو وہ موجود ہوتی ہیں لیکن وجود میں نہیں ہوتیں اور پھر یونہی علم کیمیاء والا شخص تمہیں کئی قسم کے کھانے وغیرہ والی چیزیں دکھاتا ہے جنہیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو لیکن ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا چنانچہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں معدوم دکھاتی ہیں۔

میں نے ان سے کہا کہ پھر تو معدوم چیز کو بھی شے کہا جا سکتا ہے؟

انہوں نے کہا کہ ہاں! کہہ سکتے ہو۔

اس پر میں نے ان سے کہا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان ''اللہ تو تھا مگر اس کے ساتھ اور کوئی بھی نہ تھا'' تو اس بات کا انکار کرتا ہے کیونکہ یہاں ہر شے کا انکار کیا گیا ہے جبکہ آپ کہتے ہیں کہ معدوم بھی ایک چیز ہوتی ہے؟

اس پر انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات لفظ کَانَ سے سمجھ آتی ہے جس سے مراد زمانہ ماضی ہے جو مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے کا زمانہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اب اس کے ساتھ کوئی وقت ضرور موجود ہے یا پھر کَانَ سے مراد ازلی ابدی ہمیشہ کا زمانہ ہے۔

میں نے کہا کہ یہاں ہمیشہ ہی کا زمانہ مراد ہوگا کیونکہ کَانَ جب ماضی کا لفظ ہے تو اس وقت کسی چیز

کے موجود ہونے کا انکار نہیں کرتا۔

اس پر انہوں نے فرمایا: تم نے ٹھیک کہا تاہم میں تمہارے لئے کچھ اور وضاحت کر دیتا ہوں اور وہ یوں کہ اے بھائی! تم جانتے ہی ہو کہ معدوم ہونا اس خیالی مدت کا نام ہے جو مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے کی ہے' ہمارے نزدیک وہ مدت معدوم ہے اور اس کا کوئی وجود نہیں تاہم اللہ کے سامنے وہ ایسا علم ہے جو اسی کی ذات کے لائق ہے چنانچہ ہماری عقلوں کے لحاظ سے اس مدت کو موجود نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی اسے عدم کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ حقیقۃً اللہ کی پہچان ہے چنانچہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جہان نیا پیدا ہوا ہے تو وہ اس کے دکھائی دینے کو سامنے رکھتا ہے اور جو اسے قدیم کہتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھ اللہ کے علم کا تعلق ہے جس سے پتہ چلا کہ وہ وقت اللہ کے پہچاننے کا زمانہ ہے' سورج کی حرکت کا زمانہ نہیں جس کا مخلوق سے تعلق ہے۔

اس کی مثال سونے والا وہ شخص ہے جو اپنی نیند میں لمبا عرصہ دیکھتا ہے جس میں دن اور راتیں بلکہ مہینے اور سال تک گزر جاتے ہیں حالانکہ وہ تھوڑا سا وقت ہوتا ہے جو گھنٹہ یا لمحہ بھر ہوتا ہے اور وہ عدم کا لمحہ ہوتا ہے جس میں سونے والے کے لئے کافی وقت گزر جاتا ہے اور وہ جاگنے والے کے لئے ایسا کہنے کی ایک گھڑی ہے تو وہ زمانہ جس میں اللہ تھا اور دوسری کوئی شے نہ تھی اس زمانے کے لئے ایک مثال ہے جو معدوم ہے اور جسے ایسے سفر طے کرنا کہا جاتا ہے جس میں کافی وقت لگ جاتا ہے چنانچہ سونے والے کے علم میں زمانوں کا گزرنا اس علم کی مثال ہے جو مخلوق کو حاصل ہوتا ہے۔ اسے ذہن میں رکھو۔

اس پر میں نے ان سے پوچھا کہ پھر لوگوں کی اس بات کا مطلب کیا بنا کہ اللہ نے وہ چیز ازل میں لکھ دی حالانکہ ازل کے بارے میں صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک زمانہ ہے اور زمانہ مخلوق ہے جبکہ اللہ کا لکھا ہوا تو قدیم ہے تو یہ بات کیسے بنے گی؟

انہوں نے فرمایا کہ ازل میں لکھے ہونے سے مراد اللہ کا وہ علم ہے جس میں اس نے ہر شے کو جمع کر رکھا تھا' رہا ازل تو وہ ایسا زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس وقت موجود ہونے اور عقل میں آنے والی چیزوں کا پتہ دیتا ہے جس میں وجود پر عہد لیا گیا تھا چنانچہ اس عہد کے زمانہ کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے اس زمانہ سے الگ ہو جو عقل میں نہیں آ سکتا تاکہ اسے علم اور ارادہ کہا جا سکے کیونکہ وہ معدوم وجود ہے جس کی ویسے ہی

سمجھ آتی ہے جیسے اس عدم کی آتی ہے جسے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے جبکہ وہ پہلا زمانہ ایسا نہیں جو موجود ہونے والی چیزوں کے وجود سے پہلے تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے موجودات کو دکھایا تو اس مناسب زمانہ کے مطابق اس وجود کے لئے دکھائی دیا جو علم کے لحاظ سے اللہ کے لئے ظاہر ہے لہٰذا قدیم لکھائی کو سمجھنے کے لئے تمہیں زمانہ ضرور چاہیے تاکہ تم یہ کہہ سکو کہ تم سے پہلے لکھا ہوا زمانے میں نہ تھا۔ اس پر غور کر لو تاہم یہ بات وہی جان سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے عہد لیتے وقت وہاں رکھا۔

میں نے پوچھا کہ اس بارگاہ میں کوئی عارف بھی موجود تھا؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! وہاں بہت سے لوگ تھے جن میں سے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ[1] بھی تھے۔ وہ خود فرماتے تھے کہ عہد لئے جانے کے موقع پر میں پہلی صف میں تھا جب اللہ کا یہ فرمان سنا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ.

(الاعراف: ۱۷۲)

''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟''

اور سننے والوں کی طرف سے بلٰی کا لفظ سنا، پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہاں میری داہنی طرف کون تھا اور بائیں طرف کون اور میں اس وقت سے اپنے شاگردوں کو بھی جانتا ہوں اور میں آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب وہ عہد لئے جانے کے بعد ان کی طرف لے جائے گئے۔ پھر میں ان کے باپوں کی پشتوں میں انہیں اس وقت تک دیکھ رہا ہوں۔

میں نے پوچھا کہ حضرت سہل رحمہ اللہ پشتوں اور سمجھدار روحوں میں اپنے شاگردوں کو کیونکر دیکھ سکتے تھے جبکہ انہیں ان کے ٹھکانے پر پہنچا دیا گیا تھا، باقی پشت میں روح کے بغیر ایسے ذرے تھے جن میں سے ایک حضرت سہل رحمہ اللہ کا تھا۔

آپ نے فرمایا کہ روحیں ان ذروں کو پشتوں میں دیکھتی رہیں جب ان میں روح پھونکی جائے گی چنانچہ اللہ کی طرف سے الہام پر فرشتہ انہیں ان کے ٹھکانے پر لے آئے گا اور وہ اس میں روح پھونک دے گا

۱۔ یہ سہل بن عبداللہ تستری بن یونس تھے (۲۰۰ھ تا ۲۸۳ھ / ۸۱۵ء تا ۸۹۶ء)، ابو محمد کنیت تھی، وہ علم اخلاص، ریاضیات اور کاموں کے عیب جاننے میں امام قسم کے صوفیوں، علماء اور متکلمین میں سے تھے۔ علم تفسیر میں مختصر کتاب لکھی جس کے علاوہ ''رقائق المحبین'' وغیرہ لکھی تھی۔

اور وہ روح پھونکتے وقت نہ غلطی کرے گا اور نہ ہی بھولے گا جیسے شہد کی مکھی موم کے بنے ہوئے اپنے گھر کو وہاں سے اڑ جانے پر دیر تک غائب رہنے کے بعد پہچانتی ہے۔

اس پر میں نے کہا: یوں تو پھر مطلق وجود کے اول ہونے کا پتہ ایک ایک کر کے کئی قسموں سے لگتا ہوگا؟

انہوں نے کہا کہ ہاں! اس کے پہلے وجود کے بارے میں آدم کے وجود کی مثال سامنے رکھو کیونکہ انسان کے لئے عقل شرط ہے چنانچہ یہ وجود صرف اسی کی سمجھ میں آ سکتا ہے جس پر عقل کا یہ لفظ بولا جائے کیونکہ کوئی وجود ہمارے وجود کے بغیر یقینی نہیں ہوتا۔

میں نے ان سے کہا: اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عارف کے لئے ظاہری وجود سے پہلے ابتدائی طور پر اپنے آپ کو ظاہری وجود سے پہلے دیکھنا صحیح نہیں بنتا۔ ہاں! اس صورت میں بنے گا جب وہ اللہ میں فنا ہو کر زمانے سے نکل جائے گا۔ پھر فرمایا کہ جو فنا نہیں ہوتا تو اسے اپنے وجود کے ساتھ اللہ کی احدیت کا یقین کبھی نہ ہوتا اور جو فنا ہو گیا وہ زمانے کے بغیر اپنے اس عہد کو دیکھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر اپنی صفتوں کی تجلی ڈالتا ہے اور اپنی اس احدیت کا اقرار لیتا ہے جو دوسری احدیت سے الگ ہے کیونکہ پہلے عہد میں نہ تو کوئی گواہ تھا اور نہ ہی کوئی اور ایسا تھا جس کی گواہی دی گئی بلکہ صرف حق تعالیٰ تھا کیونکہ اس وقت اس کی حقیقت ایک صفت بن گئی تھی۔

میں نے کہا کہ یہ تو بڑی نفیس بات ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اس پر گہری نظر ڈالو' تمہیں ایسے رازوں کا پتہ چل جائے گا جسے صرف بڑے لوگ ہی جانتے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے تو اس پر لمبی چوڑی گفتگو کی ہے اور اسی دوران فرمایا ہے کہ اللہ کی قسم! وہ شخص یقیناً سچا ہے جس نے کہا کہ عارف لوگوں کی طرف سے دو ضدوں کو جمع کرنا صحیح نہیں کیونکہ جو شخص وجود میں عدم کا خیال کرتا ہے تو وہ دو ضدوں کو جمع کر رہا ہوتا ہے۔

دیکھو جب تم کسی اندھیرے مکان میں ہو اور اپنے خیال میں اس مکان سے دوسرے مکان کی طرف نکلنے کا نقشہ بناؤ جس کی طرف جانے آنے کے لئے لمبے سفر کی ضرورت ہو تو پھر تم ایک ہی لمحہ میں اپنے آپ کو موجود اور معدوم کیسے دیکھو گے اور اپنے آپ کو دو مختلف جگہوں میں کیونکر پاؤ گے حالانکہ سورج کی حرکت

کے سامنے خیالی سفر اور ایک زمانے کو معدوم کیسے دیکھو گے کیونکہ لمحہ تو زمانہ نہیں ہوتا حالانکہ معلوم کرنے والا یہاں مدت، مسافت اور واپسی دیکھتا ہے تو یہ معدوم وجود ہے جو اس وجود کے لئے ویسا ہی خیالی ہے جیسے وجود میں عدم کا نہ ہونا ہے۔

میں نے کہا کہ یوں تو پھر مطلق عدم کو ضد ہی خیال کیا جائے گا؟

انہوں نے فرمایا کہ بات یونہی ہے۔

میں نے کہا کہ مجھے دو ضدوں کے جمع ہونے کے لئے حدیث کی دلیل دیجئے؟

اس پر فرمایا: اس پر دلیل کہ ایک جسم ایک ہی وقت میں دو یا اس سے زیادہ جگہوں پر موجود ہو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب اوپر آسمانوں کی طرف لے جایا گیا تو انہوں نے حضرت آدم، حضرت عیسیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت ادریس، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا تھا اور اس کے علاوہ نمازوں کے سلسلے میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف آئے تھے کو دیکھا تھا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دوران زمین پر اپنی قبر مبارک میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے تاہم آپ نے فرمایا کہ "میں نے موسیٰ کو دیکھا تھا۔" یہ نہیں فرمایا کہ میں نے ان کی روح اور جسم کو دیکھا تھا تو اے دو ضدیں جمع ہونے کو محال کہنے والے! اس حدیث کے بارے میں تم کیا کہو گے؟ کیونکہ اگر موسیٰ نام کا شخص بعینہ وہ نہیں تھا تو ان کے بارے میں اطلاع دینا جھوٹ بنتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لئے محال ہے لہٰذا آخر کار یہی بات رہ جاتی ہے کہ قدرت دو ضدوں کو جمع کر دینے کی طاقت رکھتی ہے جبکہ یہ بات عقل نہیں مانتی۔ اسے ذہن میں رکھو اور پھر اس حدیث کو ماننے والا اپنے ساتھی سے کہہ سکتا ہے کہ کل رات میں نے تمہیں خواب میں دیکھا تھا اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جگہ پر اس حالت کے علاوہ دوسری حالت میں تھے جس میں انہیں دیکھا گیا تھا اور جگہ دوسری تھی تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ میں نے تمہارے علاوہ کسی اور کو دیکھا۔

پھر اسی طرح کی ایک اور حدیث صحیح میں موجود ہے جس کا تعلق حضرت آدم علیہ السلام اور اللہ کے دو ہاتھوں سے ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں قبضہ سے نکلے دیکھا کہ ان دونوں (ہاتھوں) میں سے جسے چاہو پسند کر لو جس پر انہوں نے کہا کہ میں اللہ کا دایاں ہاتھ پسند کرتا ہوں حالانکہ اس کے دونوں ہی ہاتھ داہنے اور

برکت والے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اپنا ہاتھ پھیلایا' یکایک آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد دکھائی دی اور آدم علیہ السلام نے جب داہنا ہاتھ پسند کیا تو قبضے میں تھے جبکہ ہاتھ میں قبضے والے نہ تھے تو اے عقل کے ذریعے اللہ کو پرکھنے اور رسولوں کے لائے ہوئے پر ایمان لانے والے! اپنی عقل کو اس معاملے میں سنبھالو' تم تو کہتے ہو کہ ایک چیز دو جگہوں پر نہیں ہو سکتی' تم کہتے ہو کہ یہ محال ہے لیکن ایسا ہونا تو جائز ہے۔ انتھٰی

ولی کا کئی مقامات پر ہونا:

میں کہتا ہوں کہ اولیاء میں سے سیّدی قضیب البان کی طرح کئی بزرگوں کے تبدیل ہونے کا ثبوت ملتا ہے جیسے سیّدی حسین ابوعلی' سیّدی ابراہیم دسوقی' سیّدی عبدالقادر دشطوطی مصری رحمۃ اللہ علیہم چنانچہ سیّدی ابراہیم رحمہ اللہ نے جمعہ کا خطبہ دیا اور ایک ہی دن ایک ہی وقت میں پچاس شہروں میں نماز پڑھائی یونہی سیّدی محمد خضری رحمہ اللہ کے ساتھ مغرب میں تہنا کے علاقے کے اندر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے جمعہ کے دن سرس اور دوسرے کئی شہروں میں نماز پڑھی پھر سیّد عبدالقادر دشطوطی رحمہ اللہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا کہ وہ جزیرہ میں رہ کے روضۃ المقیاس کے سامنے رات کو ایک آدمی کے ہاں ٹھہرے اور پھر دوسری جگہ رہے اور وہ دونوں صبح تک اکٹھے رہے' انہیں دودھ پلایا اور تنور کے اور ان کے ساتھ ہوئے۔

پھر سلطان قایتبائی[1] کے بارے میں دریائے فرات کے قریبی علاقے کی طرف سفر کرنے والوں نے بتایا کہ سلطان نے مصر سے روانگی پر کچھ دیر پہلے سیّدی عبدالقادر سے سفر کی اجازت مانگی تھی جس پر انہوں نے اجازت دی اور جب سفر کرتے ہوئے سلطان حلب کے مقام پر پہنچے تو اس کی ایک طرف سیّدی عبدالقادر کو بیمار دیکھا' لوگ ان کے گرد تھے جنہوں نے بتایا کہ شیخ یہاں ایک سال سے بیمار ہیں جس کی بناء پر چل پھر نہیں سکتے جبکہ سلطان کی روانگی کے وقت وہ مصر میں ایک مہینہ سے تندرست تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ اولیاء کے بارے میں ایسی باتوں سے صرف ماننے والوں ہی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

۱۔ قایتبائی محمودی اشرفی ظاہری (۸۱۵ھ تا ۹۰۱ھ / ۱۴۲۱ء تا ۱۴۹۶ء) ابونصر سیف الدین دیارِ مصر کے بادشاہ شاہانِ جراکسہ میں سے' انہیں اشرف برسبائی نے خریدا جب وہ چھوٹی عمر میں مصر میں رہتے تھے اور پھر خرید کے ذریعے ظاہر حمقیق کے ہو گئے جس نے انہیں آزاد کر دیا اور اپنے لشکر میں خدمت گار بنا لیا اور پھر ہوتے ہوتے ظاہر تحریقا کے عہد میں سپہ سالار بنے اور پھر اسی سال ممالیک نے تحریقا کو معزول کر دیا اور سلطنت کے لئے قایتبائی سے بیعت کر لی۔ ان کا دور جنگوں کا تھا اور پھر کچھ عرصہ بعد قاہرہ میں فوت ہوئے۔

بدلنے والے ولی کے جسم کے کاموں پر سزا و جزاء:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا ولی کو تبدیل ہونے والے اس جسم کے ہر کام پر پکڑا جا سکتا ہے یا اصلی جسم ہی کے کاموں پر پکڑا جا سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ انہیں ان شکلوں میں سے ہر شکل کے ذریعے کام کرنے پر پکڑا جا سکتا ہے' انہیں ثواب بھی ملے گا خواہ وہ ہزار شکلیں بدلیں' انہیں اس کا اجر ملے گا اور بوجھ بھی انہی پر ہوگا۔

میں نے کہا کہ پھر ایک روح ان بہت سے جسموں میں کیسے کام کرتی ہے اور ان سب پر اسے کس طرح پکڑا جا سکتا ہے؟

ایک روح کئی جسموں کو سنبھال سکتی ہے:

انہوں نے فرمایا کہ جیسے ایک روح بدن کے سارے اعضاء کو سنبھالتی ہے یونہی وہ روح ان جسموں کو بھی سنبھالتی ہے اور جیسے جسم کے ہر عضو کے کاموں پر نفس کی پکڑ ہوتی ہے یونہی بہت سارے ان جسموں کی پکڑ ہوگی جنہیں ایک ہی روح سنبھالتی ہے چنانچہ ان کے ذریعے جو بھی کام ہوا اس کے متعلق ایک ہی روح سے پوچھا جائے گا۔

کیا کئی جسموں والے کے کام بھی ایک جیسے ہوتے ہیں؟:

میں نے پوچھا کہ کیا جس جسم کے ساتھ کوئی شکلیں بدلتا ہے تو اس کے کام ایک جیسے ہوتے ہیں کہ جب وہ اپنا ایک ہاتھ ہلائے تو ان سب شکلوں کے ہاتھ بھی حرکت کر رہے ہوں گے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! جو کام جسم کے ایک ہاتھ سے ہوتا ہے بعینہٖ وہی دوسرے ہاتھوں سے بھی ہوتا ہے۔

جسم کے کئی شکلوں میں ڈھلنے کی حکمت:

میں نے پوچھا کہ اس دنیا کے اندر کئی شکلیں بدلنے کی حکمت کیا ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ حرف کُنْ ملنے پر خلافِ عادت کام کرنا ہوتا ہے اور آخرت میں یہ اہل

جنت کے دوبارہ اٹھائے جانے پر یہ انہیں ملے گا۔

میں نے پوچھا کہ اہل جنت کو دوبارہ اٹھائے جانے پر یہ کیوں ملے گا؟

انہوں نے کہا: ایک عارف کہتے ہیں کہ اہل جنت کی روحانیت ان کے جسموں پر غالب آ جائے گی چنانچہ ان پر اس کا اثر دکھائی دے گا اور وہ جس صورت میں چاہیں گے اس میں داخل ہوں گے لیکن ہمارے نزدیک ان کا جسم اصل شکل میں آ جائے گا اور آزاد ہونے کے قریب ہو گا۔

میں نے پوچھا کہ وہ کیونکر؟

انہوں نے فرمایا: اس بناء پر کہ آزاد لوگ کسی شکل کو اپنانے اور ان خاص صورتوں کو قبول کرنے سے پہلے ہر صورت قبول کر سکتے ہیں اور جب ان خاص صورتوں میں بندھ جائیں گے تو وہ عام طبیعت کی طرف آنے کی بناء پر نفس کلی کے مرتبہ سے دور ہو جائیں گے، مادے میں بند ہوں گے اور آزاد ہونے سے رک جائیں گے اور جب وہ خلاصی کے لئے محنت اور جہاد کو برتیں گے تو اوپر والے جہان کی طرف چڑھتے ہوئے ترقی کر جائیں گے چنانچہ وہ نفس کلی کے جتنا قریب ہوں گے تو اس پہلی حالت کے قریب پہنچ جائیں گے جو ہر صورت کو قبول کر سکتی تھی چنانچہ وہ جسم خود اور اس کی حقیقت شکلیں بنانے اور تصور کرنے لگے گی اور نفس کل کے قریب ہو جانے کی وجہ سے صورتوں کو قبول کرنا شروع کر دے گی، ذرا تم دوزخیوں کے جسموں پر نظر کرو کہ وہ اپنی طبیعتوں کے بوجھ کو کیونکر اٹھاتے ہیں حالانکہ وہ طبیعت کی تاریکی میں نفس اور اس کے مقام سے دور ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بلخش

کیا اللہ کا نبی میدانِ جنگ سے بھاگ سکتا ہے؟

میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین رحمہ اللہ سے اصحابِ کہف کے بارے میں اللہ کے اس فرمان کے متعلق پوچھا:

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا.

(الکہف: ۱۸)

''اگر تمہیں ان کے بارے میں اطلاع ہو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگو اور ان کے رعب سے بھر جاؤ۔''

آپ نے فرمایا: حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ[1] نے اس بارے میں لمبی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ یہ واقعہ کیونکر واقع ہوا حالانکہ انبیاء علیہم السلام نہ شکست کھاتے اور نہ ہی میدانِ جنگ سے بھاگتے ہیں جبکہ اللہ کا فرمان تو سچا ہے' ان کے جسموں کو دیکھنے کی بناء پر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو آپ ہی جیسے تھے بلکہ اس بناء پر تھا کہ انہیں دیکھنے پر اللہ نے انہیں اس کا علم دیا تھا چنانچہ ابونعیم نے ''حلیہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسولِ اکرم ﷺ کو براق کے بعد ایک ایسے درخت کی سیر کرائی جس میں پرندے کے بیٹھنے کے لئے دو جگہیں تھیں چنانچہ ایک میں حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں رسول اللہ ﷺ بیٹھے اور جب رفرف کی جگہ پر پہنچے تو اس نے ایک موتی اور ایک یاقوت دونوں کے قریب کیا جس کی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام پر غشی طاری ہو گئی لیکن آپ پر نہ ہوئی بلکہ آپ اپنی پہلی حالت پر رہے اور کوئی تبدیلی نہ آسکی۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ ''مجھے اپنے آپ پر جبرائیل کے علم کی برتری کا پتہ چلا کیونکہ انہیں اس چیز کا پتہ چل گیا تھا جسے میں نے دیکھا تھا لیکن مجھے معلوم نہ ہوا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دل میں ہونے والی عظمت اس علم کی وجہ سے تھی کہ وہ آپ کے قریب ہوئے۔

اس پر میں نے اپنے شیخ سے کہا: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عظمت و بزرگی عظیم کی صفت نہ تھی کیونکہ اگر وہ عظیم کی صفت ہوتی تو پہچان نہ ہونے کے باوجود اسے ہر دیکھنے والا سراہتا' یہ تو بندے کا دل ہی ہوتا ہے جس میں یہ عظمت پائی جاتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یونہی ہے جس کی علامت یہ ہوگی کہ آخرت میں کچھ مخلوق اللہ کی تجلی پر حق تعالیٰ

۱۔ محمد بن علی بن محمد عربی رحمہ اللہ (۵۶۰ھ تا ۶۳۸ھ / ۱۱۶۵ء تا ۱۲۴۰ء) ابوبکر حاتمی طائی اندلسی یعنی محی الدین ابن عربی جنہیں شیخ اکبر کہا جاتا ہے فلسفی اور ہر علم میں اہل کلام کے امام تھے۔ مرسیہ میں پیدا ہوئے اور اشبیلہ چلے گئے۔ پھر سواری پر شام' روم کے شہروں' عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ مصری لوگوں نے ان پر ان شطحیات کا الزام لگایا جو ان سے واقع ہوئیں جس کی وجہ سے کسی نے ان کا خون بہانے کو کہا اور انہیں قید کر دیا۔ علی بن فتح بجائی کی کوششوں سے رہائی ملی۔ آپ دمشق میں ٹھہر گئے اور وہیں وصال فرمایا۔ آپ نے چار سو کے قریب تصنیفات کیں اور رسالہ لکھا جن میں فتوحاتِ مکیہ' خصوص الحکم' مفاتیح الغیب' المقطب والنقباء' الحق' شجون المحون اور اللمعۃ النوارنیہ وغیرہ جیسی کتابیں شامل ہیں۔

کا انکار کرے گی اور جب اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں تو وہ کہیں گے کہ تو ہمارا رب نہیں، اس سے پناہ مانگیں گے اور ان کے دلوں میں اس کی تعظیم نہ ہو گی تاہم جب وہ ان پر ایسی تجلی ڈالے گا جسے وہ دنیا میں پہچانتے ہوں گے تو اسے اپنے دلوں میں بزرگ جانتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے۔

میں نے عرض کی: تو حدیث قدسی میں اللہ کے اس فرمان کا مقصد کیا بنے گا کہ ''عظمت میری چادر ہے اور بڑائی میرا تہبند ہے۔''[1]

آپ نے فرمایا کہ حقیقۃً یہ دونوں چیزیں حق تعالیٰ کی ہیں لیکن وہ اپنے بندوں میں سے بھی کسی کو دے دیتا ہے تاکہ وہ کسی جائز موقع پر اس سے کام لے سکیں چنانچہ جب وہ انہیں اپنی پہچان والے دلوں پر ڈالتا ہے تو وہ دونوں ایک جیسی ہو جاتی ہیں جیسے پہننے والے پر چادر ہوتی ہے جس سے پتہ چلا کہ یہ دونوں چونکہ بندے کو مل سکتی ہیں لہٰذا درحقیقت حق تعالیٰ کی نہیں ہیں۔

زُمُرَّد

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا: (کسی صحابی نے فرمایا) ''جو مال اچانک تمہارے پاس آئے' لے لو اور اپنا مال سمجھو۔''[2] کہ اچانک ملنے والے اس مال کا کیا مطلب ہے؟ (اچانک کے لئے حدیث میں غیر مشرف کا لفظ آیا ہے)

آپ نے فرمایا: اپنے سامنے مال آجانے سے پہلے اسے جان لینا ہی ''اشراف'' ہے کیونکہ اس مال کی وجہ سے یہ دل بزرگی والا ہو جاتا ہے لہٰذا تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس بزرگی کے ہوتے ہوئے اسے لے لو۔

دُرّ

عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مطلب پوچھا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔[3]

۱۔ صہ ۵۰ حاشیہ نمبر ۳ ۲۔ صہ ۵۱ حاشیہ نمبر ۱ ۳۔ صہ ۵۱ حاشیہ نمبر ۱

آپ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ غلام بندے سرداروں کی شکل میں ہوتے ہیں اور کچھ سردار غلاموں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ واللہ اَعلم

زَبَرجَدَہ

انسانی مرتبوں کی اقسام:

میرے شیخ رحمہ اللہ سے طریقت کے مقامات کے بارے میں سوال ہوا کہ وہ ایسے انسانوں میں کب تک پائے جاتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ اس کی کئی قسمیں ہیں۔

ا۔ کچھ مقام وہ ہیں کہ شرطوں کی بناء پر پائے جاتے ہیں اور جب وہ نہیں رہتیں تو ختم ہو جاتے ہیں جیسے پرہیزگاری کیونکہ یہ روکے اور شبہے والے کاموں میں پائی جاتی ہے اور ان کے ختم ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ ایک شادی شدہ نہ ہونا جو اسباب نہ ہونے پر پائی جاتی ہے اور جب وہ ختم ہو جاتے ہیں تو ایسا نہیں ملتا۔

۳۔ کچھ وہ ہیں جو مرنے تک رہتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں جیسے فرض نمازیں اور شرعی احکام۔

۴۔ کچھ وہ ہیں جو جنت میں داخلے تک ہوتے ہیں جیسے خوف اور امید۔

۵۔ کچھ ایسے ہیں کہ جو ہمیشہ پائے جاتے ہیں جیسے انس ومحبت، خوش دلی وخندہ پیشانی اور حسن۔

فیروزج

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے متعلق پوچھا۔ ''میں تیری معافی کی بناء پر تیرے عذاب سے اور تیری رضامندی کی بناء پر تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا اور تیرے سہارے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔''

توحید کے تین مرتبے:

اس پر آپ نے فرمایا کہ اس حدیث میں توحید کے تینوں مرتبوں کا ذکر ہے جو یہ ہیں، توحید الافعال،

توحید الصفات اور توحید الذات چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ میں تیری معافی کی بناء پر تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں' توحید الافعال کی طرف اشارہ ہے' میں تیری رضامندی کی بناء پر تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں' توحید الصفات کی طرف اشارہ ہے اور بے سہارا ہونے سے پناہ مانگتا ہوں' توحید الذات کی طرف اشارہ ہے۔

میں نے پوچھا کہ تینوں میں سے کون سی کامل ہے؟

مکمل مرتبہ کون سا؟:

انہوں نے فرمایا کہ توحید الذات سب سے مکمل ہے' کمال میں اس کے بعد توحید الصفات کا درجہ ہے اور اس کے بعد توحید الافعال کا درجہ ہے جیسے آپ نے فرما دیا پھر ذات تو صفات میں گھری ہے' صفات افعال میں جبکہ افعال' اکوان اور آثار میں موجود ہیں چنانچہ جس میں اڑان کے پردے اٹھنے کی بناء پر افعال دکھائی دیتے ہیں وہ خوش ہوتا اور محفوظ ہو جاتا ہے' جس میں افعال کے پردے اٹھنے کی بناء پر صفات دکھائی دیتی ہیں وہ وحدت میں فنا ہو جاتا ہے چنانچہ وہ اپنے آپ کو بے قید موحد دیکھتا ہے' وہ وہی کرتا ہے جو اللہ کرتا ہے اور وہی پڑھتا ہے' جو وہ پڑھتا ہے یہ اسی کا کام ہے جسے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ واللہ اَعلم

جَوْهَر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ کئی مرتبہ اولیاء کے خیال میں کئی کام آ جاتے ہیں اور پھر وہ اسی طرح دیکھنے میں آتے ہیں جیسے اس جوہری کا معاملہ تھا جس نے دریا میں غوطہ لگایا تو اسی دوران اس نے اپنے آپ کو بغداد جاتے دیکھا جہاں ایک عورت سے شادی کر لی' چھ سال تک اس کے ہمراہ رہا اور اس میں سے بچے پیدا کئے' پھر پانی سے سر نکالا تو اپنے کپڑے پڑے دیکھے جنہیں پہن لیا۔

جب اس نے یہ واقعہ لوگوں کو بتایا تو انہوں نے جھٹلا دیا' کچھ عرصہ گزرنے پر اس کی بیوی نے اس کے بارے میں پوچھا اور اولاد کو لے کر مصر پہنچی' اس نے اسے اور اپنی اولاد کو پہچان لیا جس پر وقت کے علماء نے اس کے اس نکاح کو صحیح قرار دے دیا۔

یہ حضرت ذوالنون رحمہ اللہ[1] کے ان چھ مسائل میں سے ایک ہے جنہیں عقلیں محال جانتی ہیں لیکن ادب یہ ہے کہ انہیں مان لیا جائے کیونکہ وہ لوگ سچے ہوتے ہیں اور پھر اللہ کی قدرت اس سے بھی بڑی ہے۔

میں نے عرض کی کہ حضرت سیّدی ابراہیم متبولی رحمہ اللہ[2] کے مرید شیخ جمال الدین کردی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ کردوں کے علاقے میں چھ ماہ تک خطبہ دیتے رہے پھر مصر آ گئے' یہ سب کچھ عصر کے بعد ہوا۔ پھر ان کے والدین نے آ کر درویشوں کو بتایا کہ وہ واقعی ان کے ہاں اتنی مدت تک ٹھہرے رہے جتنی وہ بتاتے ہیں اور شیخ کے بارے میں کہا کہ اگر تم برا نہ جانو تو ہم سال پورا ہونے سے پہلے اپنے ہاں سے نہیں آنے دیں گے۔

اس کے علاوہ فرمایا کہ اگر تم اللہ کے پہلوؤں میں سے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ وہ بے فرمان کو سخت عذاب دیتا ہے تو جاہل ہو اور اگر ڈرتے ہو تو اس سے بڑے جاہل ہو کیونکہ تم اس کی اس بے حد رحمت سے جاہل ہو جو اس کے غضب کے مقابلے میں زیادہ ہے حالانکہ تمہیں دونوں میں سے ایک کام تو کرنا ہی پڑتا ہے چنانچہ تم پر اس کی ایک نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہاری خاطر غفلت بنا دی ہے تاکہ ان دو صد والے کاموں سے بچ سکو کیونکہ غفلت نہ ہونے کی صورت میں ایک تو ہونا ہی ہوتا ہے۔

پھر میں نے ان کو یہ فرماتے بھی سنا تھا کہ بندے کی تباہی اس بات میں ہے کہ وہ اللہ سے تعلق کی بناء پر مخلوق سے الگ رہے کیونکہ اس کی یہ بات اسے معلوم نہ ہونے دے گی کہ وہ اللہ کا محتاج ہے اور یہ بات ساری مخلوق کے لئے ہمیشہ ضروری ہے بلکہ یہ محتاجی بادشاہوں کے لئے بھی ضروری ہے کیونکہ یہ سب کچھ اس کے اسم الفناء سے ان کی محبت اور گٹھ جوڑ کی بناء پر ہے۔ تاہم اس کے باوجود اکثر لوگوں کو پتہ نہیں چلتا اور نہ

ا۔ ابوالفیاض یا ابوالفیض ثوبان بن ابراہیم الاخمیمی مصری رحمہ اللہ (۲۴۵ھ / ۸۵۹ء) بڑے زاہد اور عبادت گزار مشہور تھے۔ مصر سے تعلق تھا۔ غلاموں کی نسل نوبی میں سے تھے۔ بڑے فصیح تھے' حکمت والے اور شاعر تھے۔ مصر میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ولیوں کے مقام و مرتبے بیان کئے۔ خلیفہ متوکل عباس نے انہیں بے دین کہا اور پھر اپنے پاس بلا کر ان کی بات سنی اور چھوڑ دیا۔ وہ مصر آ گئے اور جیزہ میں وصال فرمایا۔

۲۔ ابراہیم بن علی بن عمر (۸۷۷ھ / ۱۴۷۳ء) برہان الدین انصاری مقبول صالح مصری رحمہ اللہ' عام لوگ ان کے بارے بے تحاشا عقیدت مند ہیں۔ بادشاہ اور وزیروں کے ہاں ان کی سفارش ٹالی نہیں جاتی تھی۔ بڑے نیک اور بھلائی والے تھے۔ کئی جگہوں پر رہے جن میں سے دمیاط میں جامع بطھا اور برج تھے۔ اسدود میں وصال ہوا۔ الاخلاق المقبولیہ آپ ہی کی تصنیف ہے۔

ہی وہ اس کی طرف کان دھرتے ہیں چنانچہ کامل وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے رب کا طریقہ اپنائے' اس کا لقب اور نام برتے جو اس نے رکھا ہوا اس کے لئے ہے اور اپنے وطن سے نہ نکلے۔ والسلام

یاقوتہ

کیا روح کی مقدار کم وبیش ہوتی ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا روح مقدار والی شے ہے اور اس کے ذاتی جوہر میں زیادتی ممکن ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ مقدار والی چیز نہیں بلکہ صرف اور صرف ایک ہی چیز ہوتی ہے' کئی چیزوں سے جڑ کر نہیں بنی ہوتی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس کے ایک حصے کو کسی بھی طرح کا علم ہوتے ہوئے دوسرے کو اس کا علم نہ ہوسکتا تو انسان ایسی شے کو جاننے والا بن جاتا جس سے وہ جاہل بھی تھا جبکہ ایسے ہو ہی نہیں سکتا۔

میں نے عرض کی کہ یہ تو مشکل بات ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ جب دل کی آنکھیں کھلی ہوں تو کوئی شبہ نہیں رہتا۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو تو کامل' پوری' عقل والی' اللہ کی توحید سے واقف اور اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے والی بنایا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میثاق (پختہ وعدہ) کے دن وہ اللہ کے رب ہونے کا اقرار نہ کرتی اور نہ ہی جواب دیتی۔

میں نے پوچھا کہ اگر یہ روح اللہ کا امر کہلاتی ہے تو اس سے میثاق لینا کیونکر ممکن ہوا؟

آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ بہت کھلی رحمت والا ہے اور جسے ایسی رحمت کا پتہ ہوتا ہے' اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق یوں ہے جیسے کسی صفت کا موصوف سے اور موصوف کا صفت سے ہوتا ہے' اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

مَاس

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا کسی ولی کی نظر ایسی بھی ہوتی ہے کہ اٹھنے پر عرش تک کو اپنے اندر سما لے؟

آپ نے فرمایا کہ جب کسی شے کے ذریعے حق تعالیٰ احاطے میں آتا ہے تو وہ بھی احاطہ کر سکتا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم کس عرش کی بات پوچھ رہے ہو؟

میں نے عرض کی کہ رحمٰن کے عرش کی بات کر رہا ہوں۔

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یونہی ہے لیکن ذات کا عرش ایسا نہیں کیونکہ وہ ایک راز ہے جسے جہان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔

میں نے پوچھا کہ اولیاء میں سے ایسا کون ہے جس کی نگاہ اسے سما سکتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ بہت سے لوگ ہیں جن میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ شامل ہیں کیونکہ ان کے کچھ اشعار ہیں جن میں وہ فرماتے ہیں:

- ”عرش کی طرف دیکھو کہ اس کے پانی پر ایک کشتی ہے جو اس کے ناموں سے چلتی ہے۔
- اور اس سے زیادہ عجیب گھومنے والی وہ سواری ہے جس نے اپنی پوشاک کے ذریعے کائنات کو سمویا ہوا ہے۔
- وہ بے ساحل سمندر میں چلتی ہے جس میں غیب کی تاریکیاں اور اندھیرے ہوتے ہیں۔
- اس کی موجیں اس کے عاشقوں کے احوال ہیں اور اس کی ہوا عشق والوں کے سانس ہیں۔
- اس کی رات پر بار بار صبح ہوتی ہے اور اس کی رات کی تاریکی کو روشن کرتی ہے۔
- کاش! تم مخلوقات میں اسے لکیر کے الف سے یاء تک چلتا دیکھ سکو۔
- وہ لوٹ کر اپنے پہلے مقام پر آ جاتی ہے جس کی ابتداء کا پتہ نہیں ہے۔
- چنانچہ باء سے مراد یہ ہے کہ اس میں خشکی نہیں اور نہ ہی کنارہ ہے اور تاء سے مراد تابوت ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام موجود ہیں۔“

آخر میں آپ نے یہاں تک فرمایا کہ

''جس کی تاء ایسی ہے کہ بات کریں تو اس میں وہ کشتی ہے جو اس کی تاریکیوں کے سمندر میں گھومتی ہے۔''

واللہ اَعلم

مَرْجَانَہ

کیا خواب' نبوت کا چھیالیسواں ہوتی ہے اور کیوں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مطلب پوچھا: ''خواب' نبوت کے حصوں میں سے چھیالیسواں حصہ ہوتی ہے۔'' کہ آپ نے ان کی یہ تعداد کیوں بتائی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف میری نبوت کا حصہ ہے نری نبوت نہیں جس میں باقی انبیاء علیہم السلام بھی آتے ہیں۔ یہ تعداد اس بناء پر بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس حالت میں چھ ماہ تک رہے چنانچہ آپ اس مدت کو جس میں خواب کے اندر آپ پر وحی آتی رہی رسالت کے مقابلے میں لائیں جس کی مدت تیئس سال ہے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ خواب چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور اگر مثلاً تیس سال تک وحی آتی رہتی تو آپ فرماتے کہ یہ خواب نبوت کا ساٹھواں حصہ ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا خواب کو بھی وحی کہا جا سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! کہا جا سکتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا وحی کے لئے سونا شرط ہے؟

آپ نے فرمایا کہ سونا شرط نہیں بلکہ کبھی وہ خواب میں ہوتی ہے اور کبھی خواب کے بغیر' غرض ہر حالت میں دیکھیں تو یہ خیال محسوس ہوتی ہے حس میں نہیں ہوتی۔ اسے سمجھ لو اور پھر خیال والا کبھی قوت میں ہوتا ہے اور کبھی وہ ہوتا ہے جس نے خیال کیا۔ واللہ اَعلم

دُرّ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ ہر حاکم اپنے حکم کی وجہ سے محکوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا حکم ہی اس پر حاکم ہوتا ہے۔ ذرا غور تو کرو کہ بادشاہ کامل شخص ہوتے ہوئے اپنی رعیت کے گھٹیا شخص سے ناراض ہو جاتا ہے اور اس پر ناراضگی کا اثر دکھائی دیتا ہے' تاہم کچھ سے راضی ہوتا ہے اور اس کی حالت اس کا راضی ہونا بتاتی ہے چنانچہ وہ کامل ہونے کے باوجود ناراضگی اور خوشی میں اپنی حالت کے ماتحت ہوتا ہے جس سے یہ بات بیکار معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان پر حال کا اثر نہیں ہوتا کیونکہ ان کا وقت ان پر حاکم ہوتا ہے خواہ وہ بہت بلند مرتبوں پر پہنچ جائے کیونکہ وہ کبھی بھی ایسے حال سے خالی نہیں ہوتا جو اس پر طاری ہوتا ہے۔ ہاں! وقت اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

پھر یہ بھی فرماتے سنا تھا کہ جسے بھی تم اس کی خامی پر تنبیہ کرو گے اور وہ خواہ دل ہی میں کہے کہ یہ بات مجھ جیسے کو نہیں کہی جا سکتی تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی رعایت لینے میں ناکام رہ جائے گا کیونکہ وہ فرماتا ہے:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

(الذاریات: ۵۵)

''اور نصیحت کرو کیونکہ یہ مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔''

اور جسے یہ نصیحت فائدہ نہ دے تو اس کا ایمان حقیقی نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

زُمُرّد

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے سنا' فرماتے تھے کہ تمام اشیاء میں پہلے حصے کو اہمیت ہوتی ہے کیونکہ وہ ایسی سچائی ہوتی ہے جس میں جھوٹ شامل نہیں ہوتا اور اس میں ایسی طاقت ہوتی ہے کہ جس میں گھرنے کی صورت نہیں بنتی۔ یہ دل پر اترنے والے پہلے وارد کی طرح ہوتی ہے نیز پہلی نظر' پہلے سننے' پہلے کلمہ اور پہلی حرکت کی طرح ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقراء پہلے وارد پر عمل کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ صرف اللہ کے لئے ہوتا ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہوتا۔ ہاں! پہلے کو چھوڑ کر دوسرا وارد کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ ایک صوفی

تو یوں کہہ دیا کرتے تھے کہ میرا اوارد میرا شیخ ہی ہے۔ واللہ اعلم

گنہگاروں سے منہ موڑنا اچھا نہیں:

پھر میں نے انہیں یوں فرماتے بھی سنا تھا کہ علماء کو اللہ کے ساتھ رہتے ہوئے گنہگاروں سے منہ موڑنے پر کچھ نہیں ملتا کیونکہ گنہگار لوگ اللہ کے مقام سے نہیں نکلے ہوتے اگرچہ وہ نیک بختی کے مقام سے نکلے ہوتے ہیں چنانچہ وہ اللہ سے منہ موڑنے والے ہر شخص کی طرف رحمت کی توجہ چاہتے ہیں، علم مانگتے اور توجہ کی ایسی پہچان چاہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس شخص کی نکیل اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو علم، معرفت اور مرتبہ دیتا ہے تو صرف اس لئے کہ وہ کمزوروں کا سہارا بنے اور انہیں بربادی کی جگہوں سے بچالے، اس لئے نہیں دیتا کہ انہیں چھوڑ دے اور ان سے نفرت کرے۔ یہ بات سمجھ لو۔

یَاقُوْتَہ

فخر کرنا ذاتی ہوتا ہے یا عارضی:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے بندوں میں فخر کے بارے میں پوچھا کہ یہ ذاتی ہوتا ہے یا عارضی؟

انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے علاوہ کسی بھی شخص کا فخر ذاتی نہیں ہوتا، رہے بندے تو ان کا فخر مرتبوں میں ہوتا ہے چنانچہ مثلاً کہا جاتا ہے کہ علم کی صفت جہالت سے افضل ہوتی ہے اور یہ مرتبے اپنی حیثیت میں نہ ہونے جیسے ہوتے ہیں۔ چنانچہ فخر کرنے والے ہر شخص سے کہا جائے گا کہ تم معدوم چیز پر فخر کر رہے ہو لہٰذا اللہ کے اس فرمان میں غور کرو:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ.

(الکھف:۱۱)

''فرمادو کہ میں تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہوں۔''

چنانچہ حکم دیا کہ ذاتی لحاظ سے امت پر اپنی برتری نہ دیکھو اور پھر مرتبہ کی حیثیت اس فرمان سے بتائی:

یُوْحٰی اِلَیَّ

''میری طرف وحی آتی ہے۔''

اس میں غور کرلو۔

یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم فرماتے ہوئے ہمیں اس مٹی سے پیدا فرمایا ہے جو پاؤں تلے روندی جاتی ہے چنانچہ بنیادی طور پر ہم ذلیل ہیں' ان جیسے نہیں ہو سکتے جنہیں نور سے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ نور کو ذلت کی بجائے عزت حاصل ہے اور اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کئی مقامات پر ان کی پیدائش دکھاتا ہے تو اس سے نیچے نہ آتے اور عبادت پوری نہ کر سکتے کیونکہ انہیں مقامات پر چڑھنے کی ہمت ویسے نہیں جیسے ہمیں ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا مخلوق کے لئے مناسب ہے کہ اللہ کو اپنی بڑائی دکھا سکیں؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں خواہ فرعونوں کی طرح بہت بڑا کفر کرلیں' لیکن ان سے تکبر صرف رسولوں اور ان کے پیروکاروں کی طرح اپنی جنس کی مخلوق پر ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا کہ ایسا کیوں ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ بندے کی رب کے سامنے محتاجی ذاتی ہوتی ہے جبکہ رسول کے سامنے ایسی نہیں ہوتی کیونکہ وہ عارضی ہوتی ہے' اسی بناء پر فرعون اور اس قسم کے لوگوں نے اپنے رسولوں کے سامنے تکبر کیا۔

زُمرّد

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا میں ایسے کافر شخص اور اس کے پیروکاروں سے تحفہ لے سکتا ہوں جس کے ساتھ اللہ نے مجھے دشمنی رکھنے کا حکم دیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ان سے کوئی شے تحفہ میں نہ لو کیونکہ دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ وہ نیکی کرنے والے سے پیار کرتے ہیں جبکہ دیتے وقت دلوں پر وہ اثر ہوتا ہے جو ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے چنانچہ اسی بناء پر قاضیوں اور عاملوں کے لئے رشوت لینا سختی سے حرام کیا گیا ہے کیونکہ جو قاضی وغیرہ دشمن سے اسے لے لیتا ہے تو وہ خواہش کے باوجود حکم سناتے وقت انصاف نہیں کر سکتا۔ لازمی طور پر اس کے دل میں اس شخص کی طرف جھکاؤ پیدا ہوگا جس سے وہ رشوت کے طور پر بہت سے درہم لے چکا تھا جیسے وہ آدمی جو

ایسے شخص کا احسان اٹھاتا ہے جس سے اللہ نے دشمنی کا حکم دیا ہے وہ اپنے جھکاؤ کو اللہ تعالیٰ کی اہمیت کی خاطر اور اس کے حکم ماننے کے لئے کبھی بھی دور نہیں کر سکے گا یہ بات طبیعت کے خلاف ہے جو مشکل کام ہے' کسی مومن سے ایسا ہونا ممکن نہیں۔

میں نے ان سے عرض کی: اگر میرے دل میں یہ بات ہو کہ وہ تحفہ مجھے اللہ دے رہا ہے؟

انہوں نے فرمایا: خواہ تمہارے دل میں یہی کچھ ہو کیونکہ بشری حصہ اس وقت تک موجود ہوگا جب تک تم موجود ہو' وہ بہت باریکی میں ہوگا جس پر اکثر لوگ یہ خیال کریں گے کہ وہ ختم ہو گیا ہے لیکن وہ اسی طرح باقی ہوگا۔ واللہ اعلم

زَبَرْجَدَہْ

دنیا میں اللہ کی حیاء رکھنے والے سے قیامت میں اللہ بھی حیاء کرے گا:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا تھا کہ جو اس دنیا میں اللہ سے حیاء کرتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی اس سے حیاء کرے گا۔

میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اس سے کیونکر حیاء کرے گا؟

اللہ کی حیاء کا طریقہ:

انہوں نے فرمایا کہ اس سے خوش ہو جائے گا اور فرمائے گا کہ اے میرے بندے! مجھ سے ڈرو نہیں کیونکہ دنیا میں رہتے ہوئے تم سے جو مخالفت اور کوتاہیاں ہوئیں' میرے فیصلے' تقدیر' میری خواہش اور اس ارادے کو پورا کرنے کے لئے تھیں جن کی مخالفت کا حکم میں نے کسی کو بھی نہیں دیا تھا۔ تو اے میرے بندے! تو میرے حکموں اور میری بادشاہی دکھانے کا مقام ہے۔

وہ بندہ یہ سن کر بہت زیادہ بے جھجک ہو جائے گا تاہم اگر وہ یہ بات اپنے رب سے دنیا یا آخرت میں کہتا تو اللہ کا بے ادب بنتا اور اس کے بارے میں یہ بات نہ سنی جاتی کہ بات کرنے کا طریقہ سیکھو تمہارے لئے سارے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

میں نے پوچھا کہ بندے کے گناہوں میں پڑنے کی صورت میں اسے نامناسب کاموں سے بچانے کے لئے کیا کچھ کرنا چاہئے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کے لئے چار کام کرنا ضروری ہوتے ہیں۔ حیاء، خوف، امید یا اللہ کے علم میں یہ شخص معصوم یا محفوظ ہو۔

کبریتِ احمر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا کوئی کامل شخص تقلید کے پردے سے باہر رہا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اور تقلید ایسی اصل اور بنیادی چیز ہے کہ ہر نظری یا ضروری یا کشفی علم اسی سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک تابع ہوتا ہے اور اللہ یہ سب چیزیں اس کے لئے واضح کر دیتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ تقلید میں سب سے بڑھ کر مرتبہ کس شخص کا ہے؟

انہوں نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کی بات مانتا ہے کیونکہ وہی علم صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وہ خود علیم ہے چنانچہ اس نے اپنے آپ اور شریعت کی طرف وہی کچھ منسوب کیا ہے جو ذاتی طور پر حق ہے۔

میں نے عرض کی کہ مرتبہ میں اس کے بعد کون ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: جو شخص ضروری معاملات میں اپنی عقل سے کام لے۔

میں نے عرض کی کہ اس کے بعد کون ہوگا؟

آپ نے فرمایا: وہ شخص جو ان معاملات میں عقل کی تقلید کرے جو اس کی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اللہ کے علاوہ ایسا کوئی بھی موجود نہیں جو ذاتی طور پر معاملات کو جانتا ہو، باقی ساری مخلوق کسی بھی چیز کی پہچان نہیں رکھتی البتہ اپنی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کی وجہ سے اسے جانتی ہے اور جس کا علم ایسا ہو وہ حقیقت میں عالم نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنی ذات کے مقابلے میں اس دوسری چیز کی تقلید کر رہا ہوتا ہے جسے اس کی عقل دیتی ہے۔ سارے عقلمند اہل نظر شمار ہوتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ نظر، حس اور عقل کے بتانے پر علماء ہیں حالانکہ وہ تقلید میں ہوتے ہیں چنانچہ اسی لئے اس میں ہمیشہ رہتے ہیں کیونکہ ان کی ہر طاقت میں غلطی ضرور ہوتی ہے خواہ اللہ والوں کی طرح نفل پڑھ پڑھ کر اللہ کے اس حد تک قریبی بن جائیں کہ وہ ان کے کان، آنکھیں اور

ساری قوتیں بن جائے لیکن وہ سب معاملات کو اللہ کے ذریعے پہچانتے ہیں اور تقلید کرتے ہوئے اللہ کو اللہ ہی کی بناء پر پہچانتے ہیں۔

میں نے انہیں

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ.

(البقرہ:۱۱۵)

''تم جدھر منہ کرو' ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے۔''

کے بارے میں فرماتے سنا کہ یہ فرمان اس شخص کے لئے ہے جو حیران ہونے اور سفر میں نفل پڑھنے والے کی طرح کسی طرح سے پابند نہیں ہوتا اگرچہ وہ کسی طرح سے پابند ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے کوئی ایسی خاص طرف اس لئے بنائی ہے کہ ضرورت کے بغیر وہ اس سے نہ ہٹ سکے کہ بندہ اپنی عبادت کرتے ہوئے مجبور ہو اور اختیار نہ رکھتا ہو۔

میں نے یوں فرماتے بھی سنا تھا کہ جس شخص کو ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ دنیا و آخرت میں انجانا ہو جاتا ہے' نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کی سفارش کر سکتا ہے۔ فللّٰہ الحمد

پھر یوں فرماتے بھی سنا تھا کہ علم نور ہوتا ہے' نور پردہ بھی بن جاتا ہے' پردہ اندھاپن ہوتا ہے اور اندھاپن اور حیرانی رکاوٹ بنتی ہے جو تباہی کا سبب بنتی ہے۔ ہم اس معاملے میں اللہ سے مہربانی کی دعا کرتے ہیں۔

ایمان' قول و عمل کا نام ہے:

پھر میں نے یوں بھی فرماتے سنا کہ اگر ایمان ذاتی طور پر یہ اچھے اخلاق پیدا کر سکتا تو کوئی مومن ایسا نہ ہوتا جسے کہنا پڑتا کہ یہ کام کرو اور وہ چھوڑ دو حالانکہ کبھی اچھے اخلاق ہوتے ہوئے ایمان نہیں ہوتا اور کبھی ایمان ہوتے ہوئے اچھے اخلاق نہیں ہوتے چنانچہ اسی بناء پر کہتے ہیں کہ ایمان' قول اور عمل کا نام ہے۔

پھر کئی مرتبہ فرماتے سنا کہ ہر طرح سے سخاوت کرنا' کرم ہے دوسرے کے لئے تعاون ہے اور سخاوت ہے اور محققین کے ہاں کسی شے کی کوئی حقیقت نہیں' اس لئے کہ کریم اور سخی شخص مثلاً امانت کو صرف امانت والے کے پاس پہنچا رہا ہوتا ہے چنانچہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی روزی لے سکے۔ اسے

ذہن میں بٹھالو۔

یاقوت

ولی کی کرامت اس پر پردہ پڑنے کی علامت ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ ولی کے پھسل جانے اور فوراً نہ سنبھلنے کی صورت میں اسے پردہ میں کرنے کی سزا دی جاتی ہے اور وہ پردہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عام عادت کے خلاف کام کرنے پسند کرنے لگتا ہے جسے عام لوگوں کی زبان میں ایسی کرامتیں کہا جاتا ہے جنہیں وہ ظاہر کرتا ہے اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ اگر مجھے اس پھسلنے کی سزا ملنا ہوتی تو اللہ تعالیٰ مجھے کام کرنے سے روک دیتا لیکن یہ بات اس کے ذہن میں نہیں رہتی کہ یہ ''استدراج'' ہے (آہستہ آہستہ گمراہ ہوتے جانا) بلکہ اگر وہ اس غلطی سے بچ بھی جائے تو اسے لازمی طور پر آزمائش اور استدراج کا خوف رکھنا چاہیے۔

میں نے عرض کی کہ کیا پھر اولیاء کے لئے لازم ہے کہ اپنی کرامتیں چھپائیں؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے مشاہدے اور انہیں ظاہر یا پوشیدہ کام کرنے کی صورت میں ملنے والے فائدے پر ہوتے ہیں کیونکہ مخلوق اولیاء کے قبضے میں یوں ہوتی ہے جیسے بچے اپنے مالک کے قبضے میں' وہ کبھی انہیں ڈراتا اور کبھی خوش رکھتا' کبھی ڈراتا اور کبھی قریب کرتا ہے تاہم ان فائدوں کے ساتھ ساتھ کرامتیں ظاہر کرنے میں اللہ کا ادب کرنا ضروری ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ ولی کو جب کسی شخص کا ایسا کام کرنا پڑے جس کا اسے حکم نہیں تو کیا کرے؟

آپ نے فرمایا کہ اسے یوں چھوڑ دے جیسے آسمانوں' زمین اور پہاڑوں نے حکمرانی کی امانت سنبھالنے سے انکار کر دیا تاہم یہ صرف اس صورت میں کرے کہ جب کوئی کام سامنے آ جائے اور اسے کرنے کا حکم نہ ہو جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ.

(ص:۲۶)

''تو لوگوں میں سچا حکم کر۔''

تو انہیں کام کرنے کا حکم فرمایا اور پھر فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى.

(ص:٢٦)

''اور خواہش کے پیچھے نہ جانا۔''

چنانچہ انہیں حکم کے بغیر کام کرنے سے روک دیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی یونہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قتل ہو جانے تک خلافت کا کپڑا گردن سے اتارنا منع فرمایا تھا کیونکہ آپ کو اس بارے میں اللہ کی مرضی کا پتہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے حکم کے ساتھ اللہ کا حکم شامل ہو تو وہ اسے ضرور ظاہر کرے کیونکہ اسے اللہ کی طرف ہر وقت امداد ملے گی اور جس کے ساتھ اللہ کی اجازت شامل نہیں تو پھر اس کی مرضی ہو گی' چاہے تو ظاہر کر دے اور چاہے تو اللہ کی خاطر نہ ظاہر کرے۔

میں نے عرض کی کہ کیا اولیاء کے لئے اس دنیا میں مرضی سے اسے ظاہر نہ کرنا بہتر ہے یا انبیاء علیہم السلام کی طرح ظاہر کر دینا چاہئے؟

کرامت ظاہر کرنا بہتر اور مفید ہے:

آپ نے فرمایا کہ ظاہر کر دینا بہتر اور بہت فائدہ مند ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا پوری دنیا میں کسی کو پورا عمل دخل کرنے کا اختیار بھی ملا ہوا ہے؟

انہوں نے فرمایا: نہیں کیونکہ ایسا کرنا صرف حق تعالیٰ کا کام ہے۔ واللہ أعلم

زَبَرْجَدَہْ

اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگار کا عمل قبول کرتا ہے:

میں نے اپنے شیخ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔

(المائدہ: ۲۷)

"اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کے کام قبول فرماتا ہے۔"

کے بارے میں پوچھا کہ اس نے صرف پرہیزگاروں ہی کے کام قبول کرنے کی بات کیوں کی ہے؟

آپ نے فرمایا: اس بناء پر کہ پرہیزگار کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ اس کے پاس ایسے عمل ہیں جو وہ اپنے رب کو پیش کرے گا تو وہ قبول فرمالے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کے خیال کے مطابق اس سے قبول فرماتا ہے کیونکہ اللہ کی سخاوت مخلوق کے مختلف طبقوں میں بانٹی جاتی ہے۔ رہا عارف تو وہ کسی شے کا دعویٰ نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اللہ کے لئے ایسا کوئی عمل نہیں رکھتا کہ جسے وہ قبول فرمالے کیونکہ وہ خالی ہاتھ ہوتا ہے' وہ دیکھتا ہے کہ عمل اس سے انجام پاتے ہیں جبکہ وہ خود ان سے دور ہوتا ہے۔ اس کے پاس ان عملوں کے لئے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ وہ کام اس سے ہو رہے ہیں اور ان کی صورتیں دکھائی دے رہی ہیں اور جب یہ عمل اپنے اصل کرنے والے حق تعالیٰ کی طرف سے ہوں تو انہیں قبول نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی انہیں رد کیا جاسکتا ہے۔ پرہیزگار کو دیکھو کہ رحمٰن کی طرف اس کا حشر کیونکر ہوگا جبکہ عارف شخص دنیا و آخرت میں بارگاہ سے کبھی الگ نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

زمرّد

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا تھا کہ عبادت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے ہے' اس کی طرف تیزی سے جانا محبت والے کا کام ہے' عارف اس سے لذت حاصل کرتا ہے اور اس کا دھیان رکھتے ہوئے فنا ہوجانا حقیقت سے واقف کا کام ہے۔

میں نے عرض کی کہ یوں حقیقت والا عبادت میں اپنا دل نہیں دکھاتا؟

آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان عبادتوں کو صرف اس لئے آسان کرنا ہوتا ہے کہ ان میں مزہ پایا جاتا ہے اور جب یہ مزہ ختم ہوجاتا ہے تو یہ مشکل ہوجاتی ہیں چنانچہ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے کیونکہ بندے میں عملوں کے ذریعے حق تعالیٰ کی تجلی اس کے ساتھ کلام کرنے کے

مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے اور اس تجلی سے پاؤں پھٹ جائیں تو عملوں پر حال کیا ہوگا؟ غور کیجئے۔

میں نے انہیں یوں فرماتے سنا کہ انبیاء و اولیاء کے حال سمجھ میں آنے والے نہیں ہوتے کیونکہ ان کے دل ان چیزوں میں لگے ہوتے ہیں جن کا ان کے بارے میں اللہ فیصلہ کرتا ہے چنانچہ ان کی عقلیں اللہ کے سوا ہر چیز کو دیکھنے سے بند ہوتی ہیں جن کی وجہ اللہ کے فیصلے دیکھنا ہوتے ہیں اور وہ قائم ہوتے ہیں اور حکم جاری کرتے ہیں لیکن اپنے اوپر نہیں۔

میں نے آپ کو یوں فرماتے بھی سنا کہ یہ احوال دلوں کی سوچ کا نتیجہ ہوتے ہیں جبکہ جہان پر اثر ڈالنا ہمت کا نتیجہ ہوتا ہے جبکہ عارفوں کے ہاں کوئی نعمت نہیں تو ان کا اثر بھی نہیں۔

میں نے آپ کو یوں بھی فرماتے سنا تھا کہ غیب وہ نہیں ہوتا جو عارفوں کے ہاں گنا جاتا ہے بلکہ وہ تو دیکھنے میں آنے والی چیز ہوتی ہے جسے وہ دیکھ کرتا دیا کرتا ہے چنانچہ عام لوگوں میں سے اسے صرف وہی شخص غیب کہے گا جو اس سے پردے میں ہوگا۔

میں نے اللہ کے اس فرمان

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ.

(الاعراف:۵۴)

''سن لو اسی کے ہاتھ میں ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔''

کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے یوں فرماتے سنا تھا کہ عالم امر وہ پہلو ہوتا ہے جو تمام اور عالم خلق میں موجود چیزوں میں اللہ کی طرف سے ہوتا ہے نیز ان میں جو کسی سبب کے بغیر نہیں جو پہلے امور میں اور وہ ہے جو کئی ذریعوں سے پایا جائے لہٰذا انہی کی طرف نسبت رکھتا ہے۔

میں نے انہیں فرماتے سنا تھا کہ نفلی عبادتیں وہ ہوتی ہیں جن کی اصل نماز، زکوٰۃ اور روزے وغیرہ جیسے فرضوں میں ہوتی ہے اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ عمل ہوتے ہیں نفل نہیں بنتے۔

بلخش

ڈرنے پر فرشتوں کے لئے خوف اور علماء کے لئے خشیة کا لفظ لانے کی وجہ:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے فرمانِ الٰہی

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ.

(النحل: ۵۰)

''اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں۔''

نیز

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ.

(الفاطر: ۲۸)

''اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔''

کے بارے میں پوچھا کہ اللہ نے فرشتوں کے بارے میں خَوف اور علماء کے بارے میں خَشیَّة کا لفظ کیوں ذکر کیا ہے؟ کیا ان دونوں ہی کا معنی ایک ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟

آپ نے فرمایا کہ خوف اور خشیة میں اتنا ہی فرق ہے جتنا انسان اور فرشتے میں ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

میں نے یہ بھی فرماتے سنا تھا کہ اللہ کے علاوہ کسی فرشتے' انسان' جن اور حیوان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ دنیا و آخرت میں موجود سبب کے بغیر حرکت کرے یا رکے کیونکہ ہر چیز کا ہونا معلوم ہے اور اس کی شفاء کے لئے دوا نہیں ہے۔

میں نے انہیں یوں فرماتے سنا تھا کہ اللہ کی تجلی پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ دوسرے میثاق کے وقت روحوں کے ذاتوں کے اندر داخل ہونے کے مادے پر ہوگی کیونکہ روح اللہ کا امر ہے جو بسیط ہوتا ہے اور کئی چیزوں سے نہیں بنتا جبکہ ایسی بسیط چیزیں جسم کے علاوہ کہیں بھی دیکھی نہیں جاتیں۔ اسے ذہن نشین کرلو۔

میں نے انہیں یوں فرماتے بھی سنا تھا کہ ذکر کو ذکر صرف اسی صورت میں کہا جاتا ہے جب وہ شریعت کے مطابق ہو اور اس پر جزاء بھی ضرور ملے گی خواہ تم اس کی نیت کر سکو یا نہ کرو چنانچہ اسی بناء پر کچھ علماء نے وضو میں نیت کو واجب نہیں کیا۔

میں نے انہیں یوں فرماتے بھی سنا تھا کہ جو اللہ کے قریب ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا اور نہ ہی کسی غیر کو دیکھتا ہے کیونکہ اللہ کا قرب کائنات کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔

میں نے عرض کی کہ کیا نقص کی بات ہے یا کوئی کمال ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ نقص ہے کیونکہ کامل وہ شخص ہوتا ہے جو جہان کو حق کے ساتھ اور حق ہی کے ذریعے دیکھے۔

میں نے عرض کی کہ یوں تو کمال نہیں مانا جا سکتا؟

انہوں نے فرمایا: کمال یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کی پہچان کرے اور جب اسے پہچان لے گا تو اس سے آگے بڑھ جائے گا کیونکہ وہ روح کل کو پہچان لے گا اس لئے کہ اس کی جزء کو معرفت ہوتی ہے جو اسے آگے لے جاتی ہے۔ یہاں کسی نے شعر لکھے ہیں:

"اے جوان! کسی دن بھی غیر کی طرف دھیان نہ دو کیونکہ ساری کائنات تیری ذات کی وجہ سے ہے۔

روح اللہ کا امر ہے لہٰذا اس کے امر کو سمجھو تاکہ تجھے معلوم ہو سکے کہ روح راز جانتی ہے اور جب یہ اسے جان لے تو اس جہان سے پردے میں نہ ہوگی جو اس کی ترقی میں واسطہ ہے۔

چنانچہ جو اللہ کو چاہتا ہے تو اپنے آپ کو تلاش کرے اور جو اپنے آپ کو تلاش کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو یوں پائے گا جیسے دھوپ میں چمکتی ریت ہوتی ہے۔"

اسے سمجھ لو اور اس پر نظر رکھو۔

میں نے عرض کی کہ کیا شریعت کے کام اللہ کی راہیں ہیں؟

انہوں نے کہا: نہیں! بلکہ وہ نجات اور نیکی کا راستہ ہیں کیونکہ اللہ کی طرف کسی راستے ہی کے ذریعے

پہنچا جا سکتا ہے۔

میں نے ان کو فرماتے سنا کہ اس دُنیا میں مخلوق کا اپنے رب کو دیکھنا حس اور غیب کی درمیانی چیز ہے۔

میں نے عرض کی کہ آخرت میں کیا ہوگا؟

انہوں نے فرمایا کہ آخرت میں مومنوں کے لئے صرف اللہ کا دیدار ہوگا جو اس مشاہدے سے بڑھ کر ہے۔ واللہ اعلم

فِیرُوزَجْ

ولی کے لئے کوئی شے پردہ نہیں بن سکتی:

میں نے اپنے شیخ کو فرماتے سنا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لئے کوئی چیز پردہ نہیں بنتی تاہم اس کے باوجود وہ جیب والی چیز کو نہیں پہچانتے اور کئی بار وہ دلوں سے بات کرتے ہیں حالانکہ دلوں کے ساتھ نہیں ہوتے۔

کچھ بندے ایسے ہیں کہ جنہیں معرفت اس کی طرف لے جاتی ہے اور وہ مخالفت کے میدانوں میں ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ جن کے دلوں پر الٰہی ارادے کام کرتے ہیں اور وہ اگر بولیں تو مومن انہیں کافر کہیں جبکہ دلیل والے جاہل کہیں۔

میں نے انہیں یوں فرماتے سنا کہ الاجل المسمّٰی (مقرر وقت) سانسوں کے رک جانے کا نام ہے کیونکہ یہ سانس والوں کا کام ہے چنانچہ جس میں سانس نہیں ہوتا اس کے لئے مدت مقرر نہیں کی جاتی جیسے نورانی فرشتوں کا جہان۔

میں نے انہیں فرماتے سنا کہ عارف کے ادب میں شریعت وحقیقت جمع ہوتے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کو کھاتا ہے اور اگر اسے درد معلوم ہو تو بول نہیں سکتا کیونکہ وہ بولے گا تو تباہ ہوگا اور چپ رہے گا تو بھی تباہ ہوگا۔ اندرونی طور پر وہ اللہ سے شکایت کرتا ہوگا کہ اسے ویسے ہی سانس لینے کی اجازت دے جیسے جہنم

اس وقت اجازت مانگے گا جب اس کا کچھ حصہ دوسرے کو کھائے گا چنانچہ اللہ اسے ٹھنڈا اور گرم دو سانس لینے کی اجازت دے گا چنانچہ وہ اس مخلوق کو تباہ کر دے گا جو خود بخود ہلاک ہونے کو تھی۔ یونہی عارف شخص جب سانس لیتا ہے تو اپنی سانس میں سکھ محسوس کرتا ہے اور وہ مخلوق کو اپنی کلام سے ہلاک کرتا ہے' ہاں! اللہ جسے چاہے' بچالے لیکن اگر وہ اس کی حفاظت نہ کرے تو کافر اور بے دین ہو جائے گا اور قتل بھی ہو سکتا ہے۔

میں نے عرض کی: تو پھر مخلوق کا ہلاک ہونا انسان کے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنے سے بہتر ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا: ہاں! یونہی ہے' تم اس شخص کو دیکھتے نہیں جو حدیثوں کے مطابق جہنم کی آگ میں اپنے آپ کو قتل کرے گا' یونہی اسے نہیں دیکھتے جو دوسرے کو قتل کرتا ہے تو یہ دونوں اللہ کے ارادہ پر ہیں اور جو دوسرے کو قتل کرتا ہے تو اس کا کفارہ ہے اور جو اپنے آپ کو مار ڈالے تو اس کا کفارہ نہیں۔ اسے ذہن میں رکھو۔

میں نے اس حدیث ''میں اللہ کے ہاں ہوتا ہوں جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے'' کے بارے میں اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ اس سے مراد ویسے سیر ہو جانا ہے جیسے وہ شخص سیر ہوتا ہے جس نے کھایا پیا اور حضور ﷺ بلاشبہ بھوکے پیاسے رات گزارتے اور خواب میں دیکھتے کہ گویا کھا پی رہے ہیں چنانچہ صبح اٹھنے پر پیٹ بھرے اور سیر ہوتے۔

حضرت شیخ محی الدین عربی رحمہ اللہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت کی بناء پر ان کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا اور جاگنے پر خواب میں کھائے ہوئے اس کھانے کا اثر تین دن تک موجود رہا جسے ان کے ساتھی محسوس کرتے تھے لیکن جسے یہ مقام حاصل نہیں تو وہ خواب میں اپنے آپ کو کھاتے دیکھتا ہے لیکن صبح ویسے ہی بھوکا ہوتا ہے جیسے رات کو تھا۔ واللہ اعلم

میں نے انہیں یوں فرماتے سنا: عمل کر کے صرف عمل والے کے قریبی بنو تاکہ اس میں محفوظ رہ سکو' خبردار ہو کر اسے سمجھ لو۔

میں نے انہیں الوہیت کی معرفت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ تم اس کی اصل ہو اور اسے

تمہارے بغیر کوئی نہیں جانتا پھر عین وجود کے بارے میں فرمایا کہ وہ اصل ہے اور ذات کی معرفت کے بارے میں فرمایا کہ نہ تم اصل ہو اور نہ ہی فرع۔

میں نے انہیں فرماتے سنا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن پر اللہ کا رعب چھا جاتا ہے اور وہ بالکل جام ہو کر رہ جاتے ہیں دنیا و آخرت میں وہ کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔

اس پر میں نے پوچھا کہ کیا اس حالت میں ان پر شریعت کے حکم لاگو ہوتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! وہ اللہ کی بارگاہ میں طاقت کے مطابق شریعت کے پابند ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ.

(تغابن: ۱۶)

''ممکن حد تک اللہ سے ڈرتے رہو۔''

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو ممکن حد تک اسے کیا کرو۔[1]''

حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ چالیس دن تک یوں ٹھہرے رہے کہ ان میں کسی طرح بھی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے مثال بن سکیں، اس دوران وہ محسوس کرتے تھے کہ سخت ہیبت کی وجہ سے ان کا ہر جوڑ الگ ہو جائے گا۔

میں نے پوچھا کہ کیا آرام ہونے پر انہیں کامل کہا جائے گا؟

انہوں نے فرمایا کہ یوں کہنا چاہیے کیونکہ شریعت کا حکم ہر ایک پر جاری ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔

میں نے عرض کی کہ میں نے حضرت شیخ عبدالقادر شطوطی سے مصر میں سنا تھا، فرمایا: ہیبت اور عیب کی حالت میں دو رکعت پڑھ لینے سے بڑی بلا بھی آسان لگتی ہے۔

۱۔ صہ ۶۲ حاشیہ نمبر ۱

کبریت احمر

مرد کون ہو سکتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ سے سنا، وہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے بارے میں بتا رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا:

☆ ایسا شخص مرد نہیں جو نماز سے فارغ ہو تو اس کے ساتھ ہی فرشتوں کی ستر ہزار صفیں چل کر واپس آ جائیں بلکہ مرد وہ ہوتا ہے کہ جب وہ فارغ ہو آئے تو اس کے ساتھ کوئی نہ آئے اور وہ بھی مرد نہیں ہوتا جس کا قرآن کے ساتھ تعلق ہو بلکہ مرد وہ ہے جس کے ساتھ قرآن کا تعلق ہو۔

☆ وہ شخص مرد نہیں جو حجر اسود سے بیعت کرے بلکہ مرد وہ ہے کہ جس کے ساتھ حجر اسود بیعت کرے۔

☆ مرد وہ نہیں جو چاہے کہ نماز سے الگ نہ ہو بلکہ مرد وہ ہے کہ نماز اسے چھوڑنا نہ چاہے۔

☆ وہ شخص مرد نہیں کہ جس پر حج فرض ہو بلکہ وہ مرد ہوتا ہے جو حج پر فرض بنے۔

میں نے انہیں یوں فرماتے سنا کہ اللہ کے بندوں میں وہ بھی ہے کہ اس کی عمر کا تھوڑا سا عرصہ بھی دوسرے کی کامل عمر کے برابر ہوتا ہے۔

وہ بھی مرد ہوتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ رحمت کے دریا میں ڈبو دیتا ہے تو اس کے اوپر مخالفت کی میل میں سے کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔

پھر میں نے انہیں کئی بار فرماتے سنا کہ جب کوئی فقیر اپنے آپ کو فقیر اور ذلیل بنا کر اللہ کے سامنے گرا لیتا ہے تو بلاشک اس پر رحمت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

جوھر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو ایک ایسے قاری سے فرماتے سنا جو عارف شخص تھا کہ قرآن اس لحاظ سے بڑھ کر ہے کہ وہ اللہ کی کلام ہے، اس لحاظ سے نہ پڑھو کہ اس کی آیتیں، احکام اور واقعات بتاتی ہیں کیونکہ یہ آیتیں تمہارے دل پر میل اور پردہ بن جائیں گی۔

میں نے عرض کی کہ پردہ کیسے بنیں گی؟

انہوں نے فرمایا کہ قرآن میں اللہ نے تمہیں جس غوروفکر کا حکم دیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنی پوری سوچ کلام والے کی طرف لگاؤ، رہا احکام اور واقعات میں غوروفکر تو وہ تمہیں پریشان کر دے گا چنانچہ ایک تو تمہیں جنت کی طرف لے جائے گا جس کی تم نعمتیں دیکھو گے جبکہ ایک اور واقعہ تمہیں جہنم کی طرف لے جائے گا تو تم اس میں عذاب دیکھو گے چنانچہ اسے دیکھنا تمہارے لئے اللہ سے پردہ بنے گا جس کی بناء پر تمہاری سوچ دنیا اور آخرت کی ہر شے کو دیکھے گی اور جو کون (جہان) کے ساتھ ہو اسے بنی ہوئی چیزوں کو دیکھنے کا حصہ نہ ملے گا۔

اللہ اپنی ایک کتاب میں فرماتا ہے: اے میرے بندے! میں نے روزی کی خاطر تمہارے لئے دن بنایا ہے اور رات کو تمہاری خاطر اس لئے بنایا ہے کہ تم مجھ سے باتیں کرسکو لیکن دن میں تو تم اپنی روزی کمانے لگے ہو اور رات میں میری مجلس کی بجائے سوتے ہو جس کی وجہ سے تم نے مجھے دونوں جہان میں گھاٹے والا بنا دیا ہے کیونکہ تمہیں اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس میں مرو گے۔ انتہٰی

تو دیکھو وہ تمہارے بارے میں کیا فرما رہا ہے تمہاری اور کس بات کی خبر دے رہا ہے لہٰذا تم اپنا مال لو اور اس کا مال اسے دو اور سوچو کہ کس بناء پر اس نے تمہارے بارے میں اطلاع دی ہے جسے تم جانتے ہو۔

میں نے انہیں فرماتے سنا کہ آگے جانے والوں کا ساتھی بننا پچھلوں پر اعتراض کو دور کر دیتا ہے لیکن ابھی بھی حکم آگے جانے والوں کے لئے ہے اور ان دونوں کے درمیان والا پچھلے ملنے والوں میں نہیں ہوتا۔

یاقوت

توبہ سے برائیوں کی نیکیوں میں تبدیلی کیونکر ہوتی ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صٰلِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ.

(الفرقان: ۷۰)

''مگر وہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔''

کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس دنیا میں کسی کے لئے یہ بات صحیح ہے کہ وہ اپنی برائیوں کو نیکیوں میں بدلا ہوا دیکھ لے؟

آپ نے فرمایا: ہاں! اور اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ اسے اس کی یاد بھلا دیتا ہے اور اسے کبھی بھی علم نہیں رہتا کہ وہ اس نے کی تھیں چنانچہ اسی بناء پر کہتے ہیں کہ اپنی توبہ میں سچے کی نشانی یہ ہے کہ اس کی توبہ گناہ کی یاد پر دوبارہ نہیں ہوتی کیونکہ توبہ قبول ہوتی ہے تو گناہ کے لئے کوئی ایسی صورت نہیں رہ جاتی جو خیال میں آسکے کیونکہ وہ نص معصوم کی بناء پر تبدیل ہوا ہوتا ہے چنانچہ توبہ کرنے والا جب گناہ یاد کرتا ہے تو اس کی توبہ کمزور ہوتی ہے اور اس کے ایمان میں گڑبڑ ہوتی ہے اور یہ توبہ چھوڑنا ہوتا ہے، توبہ نہیں ہوتی۔

اس پر میں نے ان سے کہا کہ گناہوں کو نیکیوں میں بدلنا یوں ہوتا ہے کہ اس توبہ کے بعد اس کے نیک کام تقسیم ہو جاتے ہیں یا یوں کہ فرشتے اس کے اعمال نامے میں اس گناہ کی بجائے نیکی لکھ دیتے ہیں جو مقابلہ کے طور پر اسی طرح اور اسی وزن کی ہوتی ہے؟

اس پر فرمایا کہ توبہ کرنے والے کے لئے ہر گناہ کی جگہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس نے نیکی کی اور اس کے توبہ کے بعد کیئے ہوئے نیک کام اللہ کے ہاں کئی درجے بڑھا دیئے جاتے ہیں۔

دُرّۃ

اندرونی پاکیزگی ذاتی اور بیرونی عارضی ہوتی ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ ان کے اندر کی پاکیزگی ذاتی بنتی ہے جبکہ طبیعت کو پاک کرنا عارضی کہلاتا ہے تاہم تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی باہر کی پاکیزگی کرو کیونکہ اندرونی پاکیزگی پہلے ہی ہوتی ہے اور جو چیز پہلے ہی موجود ہے اسے کرتے رہنے میں وقت ضائع ہوگا۔

زمرّد

دنیا میں آنے اور یہاں سے جانے پر غور کرو:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو کہ کہاں سے آئے ہو اور کیسے آئے ہو؟ تاکہ تمہیں پتہ چل سکے کہ واپس کہاں اور کیسے جانا ہے؟

پھر میں نے انہیں فرماتے سنا کہ جب تک وہ عقلیں باقی ہیں جو کوئی مزاج رکھتی ہیں تو شریعت لاگو رہے گی تاہم جب الٰہی عقلیں ان پر غالب آجائیں تو یہ حکم باقی نہیں رہتا چنانچہ آدمی ان سے سنبھلتا ہے تو یوں کہا کرتا ہے: اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے، میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

میں نے ان سے یہ بھی سنا تھا کہ جو شخص اللہ سے ملنا چاہتا ہے، اسے اسی کی یاد کرتے رہنا چاہئے۔

''مومن دوسرے مومن کا آئینہ'' اور اس کا صحیح مفہوم:

میں نے انہیں یہ بھی فرماتے سنا تھا کہ مومن ایک چہرے کی طرح ہوتا ہے جس کا پچھلا حصہ (گدی) نہیں ہوتا چنانچہ وہ جدھر سے بھی چاہے دیکھ سکتا ہے کیونکہ دل کے آئینے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا چنانچہ اسی بناء پر اللہ کی تجلی کا مقام ایسا ہے جس کا کوئی ایک پہلو بھی نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں میں نے دعوے کرنے والوں کو کئی مرتبہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص اس بات کو سمجھ لیتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مفہوم بھی سمجھ لیتا ہے کہ ''مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ کی طرح ہوتا ہے۔''[1]

یہاں المؤمن کے لفظ کو حق تعالیٰ اور بندے کے لئے اکٹھا بولا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام المؤمن رکھا ہے اور یونہی اپنے بندے کا نام بھی المؤمن ہی رکھا ہوا ہے جو حق کا نام ہے اور وہ مومن بندے کے لئے آئینہ ہے جبکہ بندہ آئینے میں صرف اپنی شکل دیکھتا ہے اور آئینے کا جسم نہیں دیکھتا چنانچہ وہ مومن جو بندہ کہلاتا ہے وہ حق تعالیٰ کا آئینہ ہے جس میں وہ اللہ کے مبارک نام اور صفات دیکھتا ہے کیونکہ انسان اس دنیا

ا۔ صہ ۶۴ حاشیہ نمبرا

کی مملکت میں اس حکومت کے طریقے جانتا ہے لیکن اسے صرف علماء ہی جانتے ہیں۔ انتہیٰ

یہ گفتگو ایسی ہے کہ جس میں بڑی گہرائی ہے۔ واللہ اعلم

درۃ

''اللہ کو سامنے سمجھ کر عبادت کرو'' والی حدیث کا مقصد اور بت پوجنے کی وجہ:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ انسان کے لئے سب سے مشکل عبادت غیب (خدا) کی ہے کیونکہ لوگ ہمیشہ سے اپنے معبود کو دیکھنا چاہتے ہیں اور یہی وہ بات ہے کہ جس کی بناء پر مشرکین نے وہ خدا بنائے جسے دیکھ کر عبادت کیا کریں اور ان کے دلوں کو سکون ملے تاہم اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفتوں سے واقف نہیں تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ یہ معاملہ امت میں بگاڑ پیدا کرسکتا ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ[2] کو حکم فرمایا کہ ''اللہ کو پوجتے وقت ذہن میں رکھو کہ اسے دیکھ بھی رہے ہو''۔ یعنی اپنے دل میں یہ خیال باندھ لو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔

اس سے پتہ چلا کہ عبادت کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ایسے معبود سے تعلق نہ ہو جو دیکھے جانے کے قابل ہو کیونکہ پوری طرح غائب کی عبادت مشکل ہوتی ہے اور یہ بات اللہ کی اس رحمت سے تعلق رکھتی ہے جو وہ اپنے بندوں پر فرماتا ہے ورنہ ان کے دلوں کے آئینے ٹوٹ جائیں گے۔ الحمد للہ رب العالمین!

بَلْخَشَہ

کیا شیطانی ناموں کو اللہ کی طرف مضاف کرنا جائز ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے یہ پوچھا کہ کیا بھرے ہوئے شیطانوں کو اللہ کے لفظ کی طرف مضاف کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ (جیسے عبد کو اللہ کی طرف مضاف کر کے عبداللہ کہتے ہیں)

۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام خزرجی انصاری سلمی رضی اللہ عنہ (۱۶ سال قبل ہجری تا ۷۸ھ / ۶۰۷ء تا ۶۹۷ء) آپ ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اکرم ﷺ سے بے شمار روایتیں کی ہیں اور آپ کے کافی صحابہ نے روایت کی ہیں۔ آپ نے انیس غزوات میں شرکت فرمائی۔ عمر کے آخری حصے میں آپ مسجد نبوی میں حلقہ بنا کر بیٹھتے اور لوگ آپ سے علم حاصل کرتے تھے۔ آپ سے بخاری و مسلم نے ۱۵۴۰ احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کی طرف سے ایک مسند بھی ملتی ہے۔

اس پر آپ نے فرمایا: بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایسا نہ کرو چنانچہ سرکش شیطانوں کے ناموں قوش اور غلیوش وغیرہ کو مضاف نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں! اس جن کو مضاف کر سکتے ہو جو نور کے جہان سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ ان کے نام لفظ ایـــــل کی طرف مضاف ہوتے رہتے ہیں جیسے یہ اضافت فرشتوں کے ناموں جبر اور میکا میں موجود ہے اور عبرانی زبان میں ایل کا معنیٰ ''اللہ'' ہوتا ہے جبکہ تورات میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ایل کو بسم اللہ کی جگہ بولا ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے: ایل راحون شدای۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مَرْجَانہ

کیا نیکی کا بدلہ نیت کرنے یا کام کرنے پر ہی ملتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے عملوں کی جزاء کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ نیت کر لینے پر ملتی ہے یا کام کر لینے پر ہی ملتی ہے؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ جزاء کے مقام پر عملوں کی صورتوں کا موجود ہونا ضروری ہے جبکہ ان کا اپنی ذات یا ایسے شخص کے ساتھ موجود ہونا ناممکن ہے جس کے ہاتھوں سے ہوئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا موجود ہونا نیت کے ساتھ ہے کیونکہ حضرت شارع علیہ السلام نے اس نیت کو عمل کی جان قرار دیا ہے چنانچہ اسی بناء پر یہ جزاء نیت پر ملتی ہے، عمل پر نہیں لہٰذا اسی بناء پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''عملوں کی جزاء وسزا کا دارومدار نیتوں پر ہے اور بندے کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہوتی ہے۔''[1]

یہاں آپ نے مَا نَوٰی (جو بھی نیت کی) کی جگہ مَا عَمِلَ (اس نے جو بھی عمل کیا) کا لفظ نہیں بولا چنانچہ آپ نے اپنی امت کے عزت دینے کو عملوں کا دارومدار نیتوں پر رکھا ہے اور پھر آگے فرمایا ہے: ''جو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر رہا ہو تو اس کی ہجرت اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گی۔''[2] (الحدیث)

---

1. صـ ۶۵ تخریج گزر چکی حاشیہ نمبر ۲
2. صـ ۶۵ حاشیہ نمبر ۳

یاقوتہ

کیا واعظ اپنے وعظ کا اثر نہ ہونے پر جھوٹا شمار ہوتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے لوگوں کے یوں یہ کہنے کا مطلب پوچھا کہ ''جس واعظ کا سننے والوں کے دلوں پر اثر نہ ہو سکے تو وہ اس کا وعظ جھوٹا ہوگا'' کیا یہ صحیح ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام بلاشبہ سچے ہیں' وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے لیکن ان کے وعظوں نے گنتی کے چند لوگوں پر اثر کیا لہٰذا حقیقت اور پکی بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف بلانے والے ہر شخص کی دعوت کے بارے میں لوگ دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں' ایک وہ جو انہیں سن کر کہا کرتے ہیں کہ ''ہم نے سن لیا اور اس حکم کے مطابق کام کریں گے۔'' جبکہ دوسرے لوگ کہتے ہیں: ''ہم نہیں مانیں گے بلکہ انکار کریں گے۔'' ہر گروہ کی بات اپنی ہوتی ہے۔ واللہ اَعلم

جَوہَرہ

صدقہ انسان کے بخیلی سے بچنے کی دلیل ہوتا ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مقصد پوچھا: ''صدقہ بہت بڑی دلیل ہوتا ہے۔'' [1] کہ اس سے مراد کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ بات ذہن میں رکھو کہ انسانی ذہن میں یہ بات شروع ہی سے سمائی ہوئی ہے کہ وہ بخیل ہے اور یہ اس کے دماغ سے پورے طور پر نکل نہیں سکتی لیکن اگر اللہ کی مہربانی ہو تو یہ بخیلی رکی رہتی ہے۔

چنانچہ اسی بناء پر اللہ کا فرمان ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

(تغابن: ١٦)

''اور جو اپنی جان کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

ا۔ صہ ٦٦ حاشیہ نمبر ا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اس بخیلی کو ثابت کیا البتہ بندہ اس کے فضل اور رحمت کی بناء پر اس سے بچ سکتا ہے اور پھر یوں بھی فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا

(المعارج:۱۹)

''بے شک آدمی بنایا گیا ہے بڑا بے صبرا' حریص' جب اسے برائی پہنچے تو سخت گھبرانے والا اور جب بھلائی پہنچے تو روک رکھنے والا۔''

اس سارے معاملے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار سے سخاوت لینے کا عادی ہے۔ چنانچہ اس کی طبیعت میں فائدہ لینا سما گیا ہے' فائدہ دینا نہیں جس کی بناء پر اس کی طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ صدقہ کرے یا کسی کو کچھ دے اور صدقہ اسی وجہ سے اس بات پر واضح دلیل بنتا ہے کہ انسان کو نفسانی بخیلی سے بچایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

دُرّۃ

قسم کھانا ہی ہو تو اللہ کی کھاؤ:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مطلب پوچھا: ''جو شخص اپنے کسی بھائی کو کسی کام پر قسم کھانے کو کہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے۔''[1] ایک اور روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں: ''جو قسم کھانا چاہے تو اللہ کی کھائے۔'' حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر مخلوق کی قسم کھائی ہے تو اس سلسلے میں میں نے پوچھا کہ کیا دونوں باتوں میں ٹکراؤ تو نہیں بنتا؟

اس پر آپ نے فرمایا: اس بات پر اللہ کی پناہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کا کوئی بھی فرمان قرآن سے ٹکرا جائے لیکن اس سلسلے میں ٹھوس بات یہ ہے کہ اللہ کی پہچان رکھنے والا کسی معلوم چیز کی قسم کھائے کیونکہ وہ جانتا ہوتا ہے کہ وہ ہر شے کے ساتھ ہے اور یہی ایک وجہ ہے جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے چیزوں کی قسم کھائی ہے جیسے وہ فرماتا ہے: وَالشمس' واللّیل' والضّحیٰ اور والتین جس سے اللہ کی مراد یہ ہوتی ہے: رب الشمس' رب

[1] صہ ۶۶ حاشیہ نمبر ۲

اللّیل، رب الضحٰی اور رب التین چنانچہ اللہ تعالیٰ درحقیقت اپنی ہی قسم کھا رہا ہوتا ہے کیونکہ میں نے دعویٰ کرنے والے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ یہ موجود جسم پورے کا پورا بعینہٖ حق تعالیٰ ہے' اگرچہ یہ بات پردے میں رہ جانے والے (شریعت والے) لوگوں کے ماننے میں نہیں آتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا ہے:

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ

اور یہ بات درست نہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیز کی قسم کھائے جس کا وجود ہی نہ ہو کیونکہ قسم کھائی جانے والی چیز عزت کے لائق ہوتی ہے چنانچہ وہ ایسی چیز کی قسم نہیں کھاتا جو موجود ہی نہ ہو۔

میں نے ان سے کہا: محققین حضرات کہتے ہیں کہ اس پائے جانے والے شخص کا وجود اپنے اصل پر ہے جو اپنے ممکن ہونے سے نہیں بدلا تو پھر آپ نے یہ کیوں کہا ہے کہ یہاں صرف حق تعالیٰ کا وجود ہی موجود ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ ممکن کو پھر بھی ممکن ہی کہا جائے گا جبکہ اس کا بعینہٖ حق ہونا ثابت ہے۔ یہاں صرف اسے ظاہر ہونے پر یہ نام دیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دکھائی دینے میں ہر شے کا عین ہے' وہ چیزوں کی ذاتوں کا عین نہیں ہے بلکہ وہ تو وہی ہے اور چیزیں آخر چیزیں ہی ہیں۔

میں نے عرض کی: یوں تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں موجود چیزوں کو کُن کے لفظ سے خطاب فرمایا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! اور یہ صرف اس بناء پر ہے کہ وہ اور اس کی قدرت اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ کسی معدوم چیز کو بات سنا دے۔

میں نے عرض کی کہ پھر اس کی تحقیق کیا ہے کیونکہ محجوب لوگوں کے ہاں ممکن چیز اپنا ہونا قبول نہیں کرتی' وہ اپنے ہونے کو یوں قبول کرتی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا صرف مظہر ہونا (ظاہر ہونے کی جگہ) قبول کرتی ہے' یہ نہیں ہوتا کہ اس نے وہ وجود لیا جو اس کا اپنا نہ تھا۔

انہوں نے فرمایا: میں تمہیں اتنا بڑا کام بتا چکا ہوں کہ اگر تم اسے پلے باندھ لو تو اس دعویٰ والے گی۔ ''وہ ایسی بات ہے کہ جسے سمجھنا دور کی بات ہے۔'' وہ اللہ کی معرفت والے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ

حقیقۃً وہ اپنے پروردگار ہی کی قسم کھاتا ہے کیونکہ جب کوئی حادث (نئی پیدا ہونے والی چیز) قدم کے ساتھ ملتی ہے تو اس حادث کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا جبکہ اللہ کی پہچان نہ رکھنے والا ایسا نہیں ہوتا لہٰذا اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ مخلوقات میں سے کسی بھی چیز کی قسم کھائے۔ واللہ اعلم

زُمُرَّد

فرشتے بے فرمان نہیں، وہ حکم پر چلتے ہیں:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ.

(تحریم:٦)

''وہ اللہ کے فرمان پر بے فرمان نہیں ہوتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہو۔''

کے بارے میں پوچھا کہ آیا یہ بات سب فرشتوں کے بارے میں ہے یا کچھ خاص فرشتوں کے متعلق ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ آسمان کے سارے فرشتے معصوم (گناہ کا ان میں مادہ ہی نہیں) ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک ہی جنس کے ہیں جن کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں اور نہ ہی کوئی خواہش ہوتی ہے چنانچہ وہ ذاتِ الٰہی کے حکم پر چلتے ہیں اور ان میں مخالفت کرنے کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔

زمینی فرشتے ہماری طرح شریعت کے پابند ہیں:

رہے زمین کے وہ فرشتے جو آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو وہ معصوم نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ ابلیس پھنس گیا تھا کیونکہ وہ ان زمینی فرشتوں میں سے تھا جو مشرق میں خط استواء کے پاس جبل یاقوت پر رہتے ہیں اور وہیں برزخ کی جنت ہے جس میں سے حضرت آدم علیہ السلام نکلے اور گرا دیئے گئے تھے چنانچہ یہ وہ جنت ہے جس میں عارف لوگ اب جسموں کی بجائے روحوں کے ساتھ رہتے ہیں جس سے پتہ چلا کہ زمینی فرشتوں کو جنوں، انسانوں کی طرح اللہ کے حکم اور روک پر چلنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں حکم پر کی گئی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور روکی ہوئی چیز سے بچنے پر اجر ملتا ہے جبکہ آسمانی فرشتے ایسے نہیں ہوتے، انہیں صرف حکم ماننے

کا اجر ملتا ہے۔

رہی یہ بات کہ کیا فرشتوں کو کسی رسول علیہ السلام کے ذریعے حکم ملتا ہے یا اس اللہ سے بلا واسطہ ملتا ہے جس نے انہیں کشف دیا ہے؟ تو یہ حکم رسولِ اکرم ﷺ کے واسطے سے ملا کرتا ہے کیونکہ آپ روحوں اور جسموں کے جہان کے لئے رسول ہیں چنانچہ آپ کو آسمانی فرشتوں کی طرف صرف حکم دینے کے لئے بھیجا گیا جبکہ زمینی فرشتوں کی طرف امر اور نہی دے کر بھیجا گیا جیسے انسانوں اور جنوں کی طرف بھیجا گیا اور ہمارے لئے ایسے فرشتے بھی ہیں جن کی طرف کسی بھی رسول نے توجہ نہیں کی اور وہ بلند مرتبہ فرشتے ہیں جیسے بتایا جا چکا۔ واللہ اعلم

یاقوت

کیا حکمرانوں سے جھگڑا صحیح ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا: ''حکومت کے بارے میں حکمرانی والے لوگوں سے نہ جھگڑو۔'' کہ اس میں ظالم بادشاہ بھی شامل ہے کیونکہ وہ اس حکم کے لائق ہے جو اس کے متعلق آیا ہے اور مخلوق کو اس کا حق پہنچتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی فرمانبرداری پر نہیں چلتے؟

آپ نے فرمایا: ہاں! وہ ظالم بھی اس میں شامل ہے کیونکہ اگر مخلوق اس لائق نہ ہوتی تو حق تعالیٰ اسے ان پر حکمران نہ بناتا لہٰذا تم ایسے شخص پر اعتراض کرنے سے گریز کرو جسے اللہ نے لوگوں پر حکمران بنایا خواہ وہ قاضی ہو، امیر ہو یا وزیر کیونکہ اس کا آقا ہی اللہ ہے۔ اگر جھگڑا کرنا ہی ہے تو یہ بات ذہن میں رکھو کہ اسے والی کس نے بنایا ہے اور چنانچہ یہ بات سامنے رکھتے ہوئے پر اس سے جھگڑو چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ[1] فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ (یا حکمران) انصاف کرے تو اس میں ہمارا اور اس کا فائدہ ہوگا لیکن اگر وہ ظلم

1۔ حضرت حذیفہ بن حسل بن جابر عبسی (۳۶ھ/۶۵۶ء) ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور بہادر فاتح لوگوں میں سے تھے۔ منافقین کے بارے میں آپ رسول اللہ ﷺ سے راز و نیاز کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن کا گورنر بنایا۔ چنانچہ آپ نے انہیں درست کیا اور ان کے علاقے میں امن قائم کیا۔ آپ نے نہاوند پر حلہ بولا تو وہاں کے حکمران نے ان سے ہر سال ٹیکس دینے پر صلح کر لی۔ پھر دینور اور ماہ سندان سے جنگ کا ارادہ کرتے ہوئے اسے اچانک فتح کر لیا اور یونہی ہمدان اور آلے کو بھی فتح کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مدائن کے لئے آنے کو کہا تو انہیں اسی حال میں دیکھا جس میں گئے تھے۔ چنانچہ ان سے گلے ملے اور ان کی پاک دامنی پر خوش ہوئے۔ انہیں دوبارہ مدائن بھیجا تو وہیں وصال فرما گئے۔ ان سے ۲۲۵ احادیث روایت ہیں۔

کرتا ہے تو پھر بھی ہمیں فائدہ ہوگا لیکن گناہ اس کے سر ہوگا لہٰذا ہم لوگ انشاء اللہ دونوں صورتوں میں نیکی حاصل کریں گے۔ رہی یہ بات کہ ہم ان حکمرانوں کی کارستانی کی بات کریں کہ وہ ظلم کرتے ہیں تو یہ ہمارا کام نہیں کیونکہ ہم بھی تو اس کے ظلم پر صبر نہیں کرتے۔ یہ بات سمجھنے کے لائق ہے۔ واللہ اعلم

دُرّ

کیا ظاہری کے ساتھ باطنی برائیاں بھی حرام ہیں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ.

(الاعراف: ۳۳)

''فرما دیجئے کہ میرے اللہ نے بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی۔''

کے بارے میں پوچھا کہ کیا چھپی بے حیائیوں سے مراد باطنی گناہ ہیں یا جن سے آنکھیں بند کی جاتی ہیں کہ صرف دل کی آنکھوں والوں اور معرفت والوں کو معلوم ہوں اور ان کے علاوہ کسی اور کو دکھائی نہ دیں؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ آیت میں دونوں ہی مراد ہیں چنانچہ اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ میرے ربّ نے بے حیائیوں کو حرام فرمایا ہے، انہیں بھی جو معلوم ہوں اور عام ہوں اور انہیں بھی جو اللہ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں کیونکہ ان برائیوں پر پردہ پڑا ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو اپنے بندوں پر حرام فرماتا ہے تو وہ بعینہٖ وہ نہیں ہوتی جسے دوسرے وقت یا دوسری شریعت میں حلال کرتا ہے چنانچہ ایسی چیز ان میں شامل ہوتی ہے جس کا پتہ نہیں چلتا تو حرام ہونے میں اس کا حکم وہی ہے جو اس چیز کا ہے جس کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

زبرجد

کمال یہ ہے کہ انسان اللہ کی خوف دلائی چیزوں سے ڈرے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا تھا کہ آدمی اس وقت کامل ہوتا ہے جب ان چیزوں سے ڈرے جن سے دنیا و آخرت میں اللہ نے ڈرایا ہے اور یہ وہ کام ہے جسے عام لوگ نہیں سمجھتے اور خاص طور پر وہ نہیں سمجھتے جو صرف وہم کی بناء پر اللہ کے صرف ایک ہونے کو مانتے ہیں۔

اس پر میں نے عرض کی: علماء نے فرمایا ہے کہ عارف کی شرط اپنے معاملے پر نظر رکھنا ہوتا ہے اور جو ایسا ہو وہ کیسے ڈر سکتا ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ کوئی بھی شخص اپنے معاملے میں صرف پابند ہوتے ہوئے نظر رکھتا ہے لیکن اس پابندی سے آزادی کا خوف ضروری ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے' بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے' عذاب دیتا ہے' تاہم اگر فرض کرلیں کہ آزادی کی صورت میں خوف نہ بھی ہو تو پھر بھی ادب یہ ہے کہ انسان اللہ کا یہ حکم مانتے ہوئے ڈرتا رہے جس میں اس نے فرمایا ہے: ''مومن ہو تو مجھ سے ڈرتے رہو۔''

میں نے ان سے عرض کی کہ اللہ نے اپنا خوف مومن ہوتے ہوئے بتایا ہے جبکہ ایمان ایک پردہ ہوتا ہے لیکن عارف کا یہ پردہ اللہ کے احسان میں داخل ہونے پر اٹھایا ہوتا ہے اور ہر شے اس کے سامنے واضح ہوتی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اگر معاملہ اس کے سامنے واضح ہے تو پردہ ہونا ضروری ہے' زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دل کی آنکھیں کھلنے پر پردہ باریک ہو جائے گا جیسے انسان شیشے کے پردہ کے باوجود اس میں سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔

اسے اور واضح طور پر یوں سمجھئے کہ ایمان ہر درجے میں یوں پایا جاتا ہے جیسے عددوں (گنتی) کے سارے مرتبوں میں ایک کا عدد ہوتا ہے' دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! مجھ سے اور اپنی مرضی کرنے سے ڈرتے رہو اور اس سے بھی ڈرو جو میرا ڈر نہیں رکھتا کیونکہ یہ

اللہ کے دشمن لوگ ہیں چنانچہ اللہ نے انہیں اپنے علاوہ دوسروں سے ڈرنے کا حکم دیا حالانکہ آپ بہت بڑے مرتبہ کے رسول تھے۔ یاد رکھئے کہ ادب والے حضرات اللہ کا حکم مانتے ہوئے اللہ کے دشمنوں سے یوں ڈرتے ہیں جیسے اللہ کے حکم سے احسان والے لوگوں کے شکرگزار ہوتے ہیں۔

میں نے ان سے عرض کی کہ پھر تو عارف شخص اللہ سے خوف کھاتے اور اس کا شکرگزار ہوتے ہوئے اللہ کی عبادت کر رہا ہوتا ہوگا؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یہ ایسی راہ ہے جو بہت باریک ہے اور کم لوگ ہی اس پر چلتے ہیں خصوصاً احوال والے حضرات بہت کم ہیں کیونکہ وہ اس میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

یہ بات جو ہم نے بتا دی ہے اس کی مثال یہ فرمانِ الٰہی بھی ہے:

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا.

(النجم:۲۹)

''تو اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا۔''

جبکہ عارف لوگوں کو پتہ ہوتا ہے کہ وہاں صرف اللہ کا وجود ہے چنانچہ وہ اس کے حکم کے ہوتے ہوئے اس کے کام پر توجہ نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کا وہ کلام سنتے ہیں جو لوگوں کی زبانوں پر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اس فرمان سے سراہتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ.

(المومنون:۳)

''اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف توجہ نہیں کرتے۔''

حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہاں اللہ کے علاوہ کوئی سمجھدار نہیں ہوتا چنانچہ اسی بناء پر وہ لوگ زمانے بھر میں ادب والے ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جس کا حضور ﷺ انہیں حکم فرماتے ہیں۔

جَوْهَر

معتزلہ کے اس قول کا ردّ کہ قاتل شخص مقتول کی عمر روک دیتا ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے معتزلہ کے اس قول کے بارے میں پوچھا کہ قاتل شخص مقتول کی عمر کو روک لیتا ہے ورنہ وہ دیر تک جیتا رہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ ان کی غلطی ہے اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ.

(الحشر: ۵)

''جو درخت تم نے کاٹے یا ان جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے' یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا۔''

کیونکہ یہ اجازت اللہ تعالیٰ کا امر ہوتا ہے' کچھ درختوں کو وہ کھڑا ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ کھڑے رہتے ہیں اور کچھ کو کٹ جانے کے لئے فرماتا ہے تو وہ بڑھئی کے حکم پر نہیں بلکہ اللہ کے حکم پر کٹ جاتے ہیں اور چھوڑے جاتے ہیں تو پھر بھی بڑھئی کی مرضی کی بجائے اللہ کے حکم سے حالانکہ دیکھنے میں بڑھئی کو کاٹنے اور چھوڑ دینے کا اختیار ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھو کیونکہ کام کرنے والا درحقیقت اللہ ہی ہوتا ہے اور اس نے مقتول کی روح لینے کا ارادہ کیا تو اسے پورا کیا کیونکہ اس کے بعد اس کے لئے جینے کی گنجائش نہیں تھی' ہم بندے کا آخری وقت اس کی روح نکلنے پر پہچان سکتے ہیں اور جب وہ نکل جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی اتنی ہی عمر تھی اور جب اس کی موت آجاتی ہے تو ایک سانس تک نہیں لینے دیتا۔

اب اگر معتزلہ یہ کہنا چاہیں کہ عمر کو ختم کرنے والا اللہ ہے تو یہ بات صحیح ہو گی کیونکہ اگر وہ اسے زندہ رکھنا چاہتا تو اسے جان سے نہ مارتا تاہم اگر وہ کہیں کہ قاتل مخلوق میں سے کوئی ہے تو یہ شرک ہو گا اگرچہ شریک کا کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

میں نے عرض کی کہ پھر بندے کے ہاتھ سے ہونے والا قتل' اللہ کا کیسے بن گیا؟

آپ نے فرمایا: اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مقتول کو تلوار سے مار رہا ہوتا ہے تو اس کی عمر

ختم ہو جاتی ہے چنانچہ یہ قتل قبول کرتا ہے کیونکہ اس میں موت کی گنجائش ہوتی ہے جیسے کٹ جانے والا درخت کاٹنے والے سے کٹ جانے کو قبول کرتا ہے کیونکہ کٹنے کو تیار تھا چنانچہ جیسے یہ کٹنا اللہ کے حکم سے ہے یونہی قتل بھی اسی کے حکم سے ہوگا اور زندگی دینے کے بارے میں اللہ کا یہ فرمان مثال ہے:

فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ

(آل عمران: ۴۹)

''پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہو جاتا ہے اللہ کے حکم سے۔''

کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک پرندے کے جسم میں صرف اسی وقت داخل ہو سکتی تھی جب اس میں زندگی کے لئے گنجائش ہوتی چنانچہ وہ زندہ ہو جایا کرتا جیسے اس چیز میں زندگی آ گئی جس میں سامری نے پھونک ماری تھی چنانچہ پرندہ اللہ کے حکم سے ویسے ہی اڑ جاتا تھا جیسے اسی کے حکم سے بچھڑے نے آواز نکالی تھی۔ اسے یاد رکھو کیونکہ یہ بات بڑی نفیس ہے۔

کَافُوْر

علم، معرفت، ادراک، فہم اور تمیز کرنا عقل کے کام ہیں:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے علم، معرفت، ادراک، فہم اور تمیز کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ روح میں ہوتی ہیں یا عقل میں؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ عقل کے کام ہیں۔

میں نے پوچھا کہ پھر آپ سننے، دیکھنے، محسوس کرنے، چکھنے، سونگھنے، چاہت کرنے اور ناراضگی کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ روح و جان میں پائے جاتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ پھر یاد کرنا، پیار کرنا، ماننا، جھک جانا اور صبر کرنا کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ کام روح کے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ آپ فطرت، نیک بختی، ایمان، نورِ ھدیٰ اور یقین کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ انسان کے اندر سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ عقل، نفس، روح اور اندرونِ انسان سب مل کر اس ذات میں پائے جاتے ہیں جسے انسان کہا جاتا ہے جو ایک ہی حقیقت ہے جس میں الگ الگ چیزیں نہیں، یہ حقیقت اور اس میں پائی جانے والی چیزیں اس انسانی ڈھانچے کی روح ہیں جو حرکت کرتا ہے اور جگہ گھیرتا ہے اور یہ سب کچھ اس ڈھانچے کی صورت کے لئے روح ہیں اور ان سب ڈھانچوں کو ملا دیں تو پورے جہان کی روح بنتی ہے چنانچہ اس موقع پر حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صحیح ہو جاتا ہے کہ

وَفِيكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ

''اور تجھ میں بڑا جہان سمایا ہوا ہے۔''

واللہ اَعلم

دُرّ

سمجھدار ہونا، باطنی طور پر جان لینا اور الہام اولیاء کے علم ہیں:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ سمجھدار ہونا، باطنی سمجھ رکھنا اور الہام ہونا بڑے بڑے اولیاء کے کام ہیں لیکن ذاتی طور پر یہ چیزیں اپنے شروع میں جہالت، عاجزی اور غفلت کا پتہ دیتی ہیں۔

یَاقُوْتَہ

دو جہان کی حقیقت کھلنے پر عبادت بگڑ سکتی ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ جسے دونوں جہانوں میں سے ایک میں رہنے پر ان کا پتہ چل جاتا ہے تو اس کی یہ چیز عبادتوں میں بگاڑ پیدا کر سکتی ہے۔ ہاں! اللہ اپنی رحمت اور کرم سے اپنا بنا لے تو اور بات ہے جس سے اس شخص کا یہ قول صحیح ہو گیا کہ ''علم اللہ سے یونہی پردہ بنتا ہے جیسے جہالت بنتی ہے۔'' واللہ اَعلم

بَلَخْش

عبادتیں زہر میں گندھی ہوئی میٹھی چیز کی طرح ہوتی ہیں:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ عبادتیں زہر میں گندھی ہوئی میٹھی چیزوں کی طرح ہوتی ہیں کہ دل اپنی سلامتی کے لئے اسی میں سے تھوڑی پر راضی نہیں ہوتا اور نہ ہی غنیمت سمجھتے ہوئے انہیں زیادہ کرنے سے صبر کرتا ہے۔

میں نے انہیں یہ فرماتے بھی سنا تھا کہ سب سے سخت عذاب روح کا کھنچ جانا ہے' کامل نعمت نفس کا چھنا جانا ہے' لذیذ علم حق تعالیٰ کی پہچان ہے' بہتر کام ادب کرنا ہے' اسلام کی ابتداء ماننے سے ہوتی ہے اور ایمان کی ابتداء رضامندی ہے۔

میں نے انہیں یوں فرماتے سنا تھا کہ روح جسم کے مطابق رنگ بدلتی ہے' جسم گوشت کے لوتھڑے کی طرح اور لوتھڑا اچھی خوراک کی طرح اور جو اس کے خلاف بتائے وہ بات حقیقی نہ ہو گی۔

میں نے انہیں یوں فرماتے سنا تھا کہ علم میں پختہ ہونے والے کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جب حال اس سے چھنتا ہے تو وہ زیادہ مطمئن ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی بجائے اللہ سے محبت کی بناء پر اللہ کی پسند میں اس کا ساتھی ہوتا ہے چنانچہ جو شخص معرفت ہونے اور نہ ہونے میں لذت محسوس کرتا ہے تو وہ غائب ہو یا سامنے' بہرصورت اپنے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔

زُمُرَّد

کیا انسانی حس غلطی کرتی ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا تھا کہ کیا انسانی حس غلطی کر لیتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں' غلطی وہ کرتا ہے جس میں یہ پائی جاتی ہے' خود نہیں کرتی اور یہ یوں ہے کہ جب صفراء کی کڑواہٹ والے پر صفراء کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ شہد کھاتا ہے تو وہ بھی اسے کڑوا لگتا ہے اور جب حس سے پوچھا جائے تو وہ کہے گی کہ مجھے کڑواہٹ لگی ہے اور وہ بات سچی بھی ہو گی کیونکہ ادراک کا مقام رکاوٹ کو

جان چکا ہوتا ہے جسے کڑواہٹ کہتے ہیں اور جس نے شہد کی مٹھاس کا پتہ چلنے نہیں دیا ہوتا چنانچہ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ دلیل کی غلطی کی وجہ سے مدلول میں خرابی پیدا نہیں ہوا کرتی جیسے کچھ محققین کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

دُرّ

کیا دنیا میں نیک لوگوں کو نیک عمل پر ملنے والا نتیجہ خامی شمار ہوتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کسی صالح شخص کو اس کے نیک عمل پر دنیا ہی میں ملنے والا نتیجہ کمال بنتا ہے یا نقص؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ نقص ہوتا ہے خصوصاً اس موقع پر جب وہ خود بھی چاہتے ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا ثواب کے نتیجے کی جگہ نہیں ہے، اس کا مقام آخرت ہے جبکہ موت کے وقت وہ ان سب نتیجوں کو دیکھ لیتا ہے اور ایسے موقع پر اس شخص میں فرق نہیں ہوتا کہ اسے اس موقع پر سب کچھ دکھا دیا جائے یا پوری عمر میں اسے اس کی اطلاع رہی ہو۔ یہ صرف آگا پیچھا ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی دنیا میں ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس جگہ کو صاف رکھے اور اسے اللہ سے اترنے والی رحمتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار کرے تا کہ بندہ اپنے مقامات میں آگے بڑھ سکے۔

میں نے عرض کی کہ پھر ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو کسی معاملے میں سچا ہو اور اس کی ہمت اسے حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے تو کیا آخرت میں یہ اسے مل سکتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اسے جلد یا بدیر یہ ملے گی اور اگر دنیا میں اسے نہ مل سکے تو آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ بنے گی۔

میں نے پوچھا کہ پھر اس شخص کا حال کیا ہوگا جو یہ معلوم ہونے سے پہلے مر جائے؟

انہوں نے فرمایا کہ اسے اس کی ہمت تک پہنچایا جائے گا کیونکہ اس کی ہمت اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔

میں نے عرض کی کہ جسے یہ دنیا میں نہ مل سکے تو کیا آخرت میں مل سکے گی؟

انہوں نے فرمایا کہ اگر مہربانی سے کام لیا جائے تو ایسا جائز ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ آخرت میں ترقی ان عملوں کی ہوگی جنہیں شریف شخص یہاں حاصل کرے گا خواہ برزخ ہی میں کیوں نہ ہو جیسے حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کے قبر میں نماز پڑھنے کے بارے میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم

جوھر

تواضع کیا چیز ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ تواضع کا حقیقی مطلب کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: اس کی حقیقت یہ ہے کہ تواضع والا اپنے آپ کو ہر ہم مجلس کے ہاں اس چاہت میں یوں دیکھے گا کہ اس میں نہ تو کوئی تکبر ہو اور نہ ہی نقصان پہنچانے والے سے اس کے دل میں میل آئے جبکہ ہم مجلس کے پاس دکھلاوے کی تواضع یوں نہیں ہوتی کیونکہ کبھی نہ کبھی اس میں تکبر پیدا ضرور ہو جائے گا اور ایسے شخص سے اس کے دل میں میل آئے گی جو اس کی خامی نکالے۔

ہم نے اس بارے میں تفصیلی گفتگو اپنی کتاب ''البحر المورود فی المواثیق والعھود'' کے پہلے عہد میں کی ہے چنانچہ ایک شخص حضرت سیّدی علی خواص رحمہ اللہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے میرے آقا! آپ کا شیخ طریقت کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اے بھائی! کیا کوئی ایسا بھی ہوسکتا ہے جو ایسے موقع پر اپنے مشائخ گن سکے جب وہ بولنے اور خاموش رہنے والے اپنے ہم مجلس کے سامنے اپنے آپ کو ہلکا دیکھ رہا ہو؟

میں نے عرض کی کہ پھر تو جو شخص اس قسم کی تواضع کرے گا' اس کا سارا وجود اس کا شیخ ہوگا جو اسے کھینچے گا؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! تواضع کو دیکھنے میں ایک باریکی ہے جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

میں نے پوچھا کہ وہ کون سی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ تواضع کی کچھ شرطیں ہیں جو تواضع میں نظر نہیں آتیں کیونکہ جو شخص اپنے اندر تواضع کا مشاہدہ نہیں کرتا تو لازمی طور پر وہ اپنے لئے بلند مقام تلاش کرے گا کہ وہ اس کے سامنے جھکے اور اس سے

اپنے بھائی کے لئے کچھ حصہ لے اور یہی بات تکبر ہوتی ہے جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ ''جس میں ذرا سا بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اسے ذہن نشین کرلو۔

میں نے عرض کی کہ کامل لوگ تو اپنا کمال دیکھتے ہیں تا کہ اس پر اللہ کا شکر کریں؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ ہماری گفتگو کامل کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ کامل شخص کئی آنکھوں والا ہوتا ہے چنانچہ ایک آنکھ سے وہ اپنی خامی دیکھتا ہے تا کہ یہ بات مان سکے کہ وہ عبادت کے آداب سنبھالنے میں عاجز ہے اور دوسری سے کئی طرح کے کمالات دیکھتا ہے کہ اللہ کی عطا پر وہ شکر کرے اور اگر مخلوق کے لئے جھکتا ہے تو صرف عاجزی کے لئے کیونکہ کامل انسان میں اللہ کے اخلاق ہوتے ہیں لہٰذا اگر وہ جھکتا ہے تو یہ عقلوں پر شفقت و رحمت ہوتی ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ اپنے مقام پر ٹھہرے رہتے اور امت کی طرف نہ اترتے تو آپ سے علم و ادب سیکھنے کا طریقہ کوئی نہ جانتا بلکہ خاص طور پر آپ کے باطنی مقام سے واقف نہ ہوتا جس سے معلوم ہوا کہ کامل کی طرف سے عاجزی وقتی طور پر ہوتی ہے کیونکہ اللہ کی صفات میں اصل چیز بڑائی، بزرگی اور عزت ہوتی ہے چنانچہ جنت میں اعلیٰ درجہ اسے ملے گا جو تواضع کر رہا ہے اور سب سے کم درجہ اسے ملے گا جس میں سب سے زیادہ تکبر ہوگا۔

میں نے اس دور میں ایک فقیہ عالم ایسا دیکھا ہے جو یہ کہتا ہے کہ مصر میں مجھے اپنے سے زیادہ ایسا عالم دکھائی نہیں دیتا جس سے میں کچھ لے سکوں جس پر میں نے اس سے کہا کہ جنت میں تمہیں سب سے نچلا درجہ ملے گا لیکن وہ باز نہیں آیا بلکہ قسم کھا کر کہا کہ وہ اپنے سے بڑھ کر کسی کو نہیں جانتا۔ میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔ آمین

زَبَرْجَد

نبیوں سے خالی دور میں موجود لوگوں کا حکم:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے نبیوں سے خالی دور میں دو رسولوں کے درمیان پیدا ہونے والے لوگوں کے بارے میں حکم پوچھا جو پہلے نبی کی شریعت کو جانتے نہیں کیونکہ وہ ختم ہو چکی اور ان کے بعد نبی کریم

ﷺ کی شریعت اب تک جاری نہ ہو سکی؟

آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔

میں نے عرض کی کہ شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے اس میں تقسیم کی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ وہ کیا ہے؟

میں نے عرض کی کہ وہ لوگ جانتے یا نہ جانتے ہوئے اپنے دلوں پر اللہ کے پاک ناموں کی تجلی کی وجہ سے کئی قسم کے عمل کرتے اور مختلف عقیدے رکھتے ہیں کیونکہ نیک ہونے کا دارومدار ایمان پر نہیں بلکہ توحید پر ہے' اس لئے کہ یہ ایمان آخرت کی بہتری کے لئے اس شخص کے حق میں شرط نہیں جس کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا یا اس نے نئے نبی کے بغیر اس کی شریعت پالی تاہم اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لئے توحید ضروری ہے خواہ جس طریقے پر بھی ہو۔

پھر فترت کے اس دور (نبی سے خالی دور) میں موجود لوگ کئی قسم کے ہیں جن میں سے ایک قسم وہ ہے جو اپنی سوچ کے مطابق دل میں روشنی آنے کی وجہ سے اللہ کو ایک جانتا تھا کیونکہ اس کے پاس سوچ بچار کی وجہ سے ہلکی سی دلیل موجود تھی جیسے قیس بن ساعدہ[1] کی طرح کے لوگ کیونکہ اس نے خطبہ دیتے وقت ایسی بات کی تھی جس سے اس دلیل کا پتہ چلتا تھا کیونکہ اس نے مخلوقات کے بارے میں آزمائش کا ذکر کیا تھا چنانچہ اس نے کائنات کو بنانے والے دانا کے بارے میں پوچھے جانے پر کہا تھا کہ مینگنی سے اونٹ کا پتہ چلتا ہے اور قدموں کے نشانوں سے کسی گزرنے والے کا پتہ چلتا ہے چنانچہ آسمان پر برج' سمندر میں موجیں اور کھلے راستوں والی زمین کو دیکھو' کیا ان سے علم وقدرت والی ذات کا پتہ نہیں چلتا؟

یہ سوچ بچار کی دلیل تھی اور ایسی دلیل والا نیک بخت ہوتا ہے لیکن وہ تنہا اٹھایا جائے گا کیونکہ اپنے عملوں کے موقع پر کسی ایک نبی کا پیروکار نہیں تھا اور حضرت زید بن عمرو بن نفیل[2] کے بارے میں بھی رسول

۱۔ قیس بن ساعدہ بن عمرو بن عدی بن مالک (۲۳ قبل ہجرت / ۶۰۰ء) بنو ایاد میں سے تھا اور عرب میں دانا تھا۔ دورِ جاہلیت میں بڑا خطیب تھا اور نجران کا پادری تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایسا پہلا عرب تھا جس نے تکیہ لگا کر خطبہ دیا اور اپنی گفتگو میں اما بعد کہا۔ وہ شاہِ روم کے پاس وفد لے کر ملنے گیا تو اس نے عزت کی اور وہ عمر رسیدہ لوگوں میں گنا جاتا تھا جسے لمبی زندگی ملی۔ نبی کریم ﷺ نے اسے نبوت سے پہلے دیکھا تھا جب وہ عکاظ میں تھا۔

۲۔ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اللہ ﷺ نے اس موقع پر یونہی فرمایا جب لوگوں نے ان کے متعلق بتایا کہ وہ دور جاہلیت میں قبلہ کی طرف طرف منہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا رب وہی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا ہے' میرا دین بھی وہی ہے' وہ سجدہ کرتا تھا۔

ایک قسم وہ ہے جو غور وفکر اور دلیلوں میں نظر کئے بغیر اپنے دل میں موجود نور کی وجہ سے اللہ کو ایک جانتا ہے اور اس نور کو دور نہیں کر سکتا تو ایسا شخص اپنے رب سے روشنی حاصل کرتا ہے جو خالص اور ملاوٹ کے بغیر ہوتی ہے چنانچہ ایسے لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں اور گناہوں سے بچے ہوئے اٹھائے جائیں گے۔

ایک قسم وہ ہے جس کے دل کی آنکھیں کھول دی گئی ہوں اور وہ انہی کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کے مرتبہ کو پہچان لیتا ہے اور اپنی دلی گواہی کی بناء پر غائبانہ اور اللہ کی طرف سے دلیل ملنے کی وجہ سے آپ پر ایمان لاتا ہو تو ایسا شخص قیامت کے دن اللہ کی خالص مخلوق اور حضرت محمد ﷺ کے باطن پر اٹھایا جائے گا کیونکہ اسے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر باطنی نظر والے تک حضور ﷺ کی رسالت کے عام ہونے کا علم ہوتا ہے جبکہ اس کا دل صاف اور یقین خالص ہوتا ہے۔

ایک وہ قسم ہے جو پہلی سچی ملت کی پیروی کرتے ہیں جیسے یہودی' نصرانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کی ملت پر چلنے والا یا وہ نبی تھا (جس کی پیروی کی) کہ جب اسے پتہ چلا یا اسے بتایا گیا کہ وہ اللہ کے رسول تھے جو ایک خاص گروہ کو اللہ کی طرف بلاتے تھے چنانچہ وہ ان کا پیروکار بن گیا' ان پر ایمان لایا اور ان کے طریقے پر چلا اور اپنے آپ پر وہ چیز حرام کی جو اس رسول نے حرام کی تھی اور اس کی شریعت پر چل کر اللہ کی عبادت کی اگرچہ وہ اس پر واجب نہ تھی کیونکہ وہ رسول اس کی طرف بھیجا ہی نہیں گیا تھا تو ایسا شخص قیامت کے دن اس کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس کا پیروکار رہا اور وہ اپنے گروہ میں نکھرا ہوا نظر آئے گا۔

ایک قسم وہ ہے جس نے پہلے نبیوں کی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی بزرگی پڑھی' آپ کے دین کو

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ ۲) زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ (۱۷ قبل ہجرت/۶۰۶ء) قرشی عدوی جاہلیت میں عورت کا مددگار اور دانا تھا۔ اسلام کا دور نہ پا سکا۔ وہ بتوں کی پوجا کو برا سمجھتا تھا اور وہ جانور نہیں کھاتا تھا جس پر ذبح کے وقت بت کا نام لیا جاتا وہ اپنی بیوی کی عبادت کے بارے میں پوچھنے کے لئے شام گیا لیکن یہودیوں اور نصرانیوں نے اسے حیثیت نہ دی۔ چنانچہ اس نے مکہ میں واپس آ کر دین ابراہیم کے مطابق عبادت شروع کر دی اور بتوں سے کھلم کھلا دشمنی کرنے لگا جس پر قریش کے کافی لوگوں نے اس کو مکہ سے نکال دیا۔ وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا مخالف تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے نبوت سے پہلے دیکھا تھا تاہم وہ آپ کے مبعوث ہونے کے پچاس سال بعد فوت ہوا۔ اس نے کچھ شعر بھی لکھے تھے۔

پرکھا اور آپ کے اعلانِ نبوت کی پیروی کرنے والوں کو ملنے والے ثواب کا پتہ لگایا تو آپ پر ایمان لائے آپ کا پتہ چلنے پر آپ کی تصدیق کی اور اچھے اخلاق اپنائے تو یہ لوگ جہانوں کی بجائے حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے والوں میں شامل ہوئے' خواہ وہ اپنے سے پہلے نبی کی شریعت پر چلے یا نہ چل سکے۔

ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے نبی پر ایمان لائے' پھر رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا دور دیکھا اور آپ پر ایمان لائے تو انہیں دوہرا اجر ملے گا چنانچہ یہ چھ گروہ ایسے تھے جو اللہ کے ہاں انشاءاللہ سب کے سب نیک بخت ہوں گے۔

ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو بیکار ہیں' جنہوں نے نظر کی کوتاہی کی وجہ سے حق تعالیٰ کا وجود نہ مانا کیونکہ دیکھنے والے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ان کے مزاج کمزور تھے چنانچہ یہ لوگ مشیئۃ تھے۔

ایک قسم وہ لوگ ہوئے جنہوں نے سوچ بچار کرتے ہوئے پوری کوشش کے باوجود اللہ کی راہ تلاش کرنے میں غلطی کی تو یہ لوگ بھی انہی کی طرح مشیئۃ کے ماتحت ہوئے۔

ایک قسم وہ لوگ ہوئے جو اس غور وفکر پر ثابت قدم ہونے کے بعد بیکار ہوئے جو انتہائی کمزور تھی تو یہ لوگ بھی مشیئۃ کے ماتحت ہوئے۔

کچھ ''شطح والے'' (دعوے کرنے والے) یہ فرماتے ہیں کہ تین قسموں والے یہ گروہ نیک بخت تھے کیونکہ انہوں نے پوری کوشش کی تھی۔

ایک قسم کے لوگ وہ تھے جو غور وفکر کی بجائے پورے بدبخت کی تقلید کرنے کی وجہ سے بیکار ہوئے۔

کچھ لوگوں نے نظر کی دوری یعنی کمزوری یا تقلید کی وجہ سے شرک کیا چنانچہ وہ بدبخت تھے۔

یہ وہ حکم ہیں کہ حضرت ادریس ونوح اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ومحمد ﷺ کے درمیانی دور کے بارے میں ہمیں معلوم ہوئے جبکہ ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہوتا ہے۔

مسئلہ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا مذہبوں کے پیروکاروں کی طرف مسئلے نکالنے کا طریقہ زیادہ بہتر ہے یا وہ طریقہ بہتر ہے جس پر اللہ والے چلتے ہیں یعنی شریعت کے حکموں پر پابندی کرنا؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔

میں نے عرض کی کہ حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ کے مطابق وہی طریقہ کامل ہے جس پر اللہ والے چلتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر غلام کو شریعت میں اپنے آقا کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہئے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس حد پر ہے جو کہ اس کے آقا نے اس کے لئے مقرر کر دی ہو اس سے آگے نہ بڑھے اور نہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرے، نہ کسی صورت میں اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرنے کی آرزو میں یوں کہے کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو فلاں کام سے لوگوں کو روک دیتا جیسے اکثر لوگ کرتے ہیں چنانچہ واضح حکموں کے موقع پر ان کے دل ایک مقام پر رک جانے سے انکار کرتے ہیں اور وہ اللہ کی شریعت کو کافی نہیں جانتے بلکہ کئی طرح کے حکم اور علتیں تیار کرتے ہوئے انہیں حضرت شارع علیہ السلام کا مقصد بتاتے ہیں، انہیں دور کرتے ہیں اور جن کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ایسے مسئلوں میں شامل کرتے ہیں جس کا حکم ملا ہوا ہے جس کی وجہ ایسا سبب ہوتا ہے جسے بنانے والے کی نظر دیکھتی ہے اس کا نام شریعت رکھتے ہیں اور اگر وہ ایسا کام نہ کریں جس کا ذکر ہوا تو جن چیزوں کے بارے میں کوئی حکم نہیں ملا وہ اصولی طور پر جائز اور معاف رہ جائیں تاہم مخلوق پر اس قدر زیادہ حکم اس بناء پر لاگو ہو گئے کہ ان لوگوں نے کسی علت، قیاس اور بہتری کی بناء پر انہیں بڑھا دیا کیونکہ یہ لوگ رائے والے تھے، کاش یہ لوگ ایسا کرنے سے زبانیں روک لیتے کیونکہ تمہارا رب بھولنے والا نہیں۔

اس میں زیادہ مذہبوں کی گنجائش کی بناء پر عام لوگوں کے لئے معمولی ترقی ضروری ہو جاتی، خواہ لوگوں کے خیال میں نہ بھی ہوتی لیکن میں نے لوگوں کی طرف سے الزام کی بناء پر انہیں اس گنجائش پر نہیں چھوڑا جو ہمارے دور کے علماء لگاتے ہیں کہ کسی بھی خاص مذہب کے پابند بنو جبکہ یہ الزام نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں ہے اور یہ مخلوق کے لئے بہت بڑا طمانچہ اور ان کے لئے بوجھ ہے چنانچہ جو مخلوق کو مشکل میں ڈالتا ہے، اللہ بھی اسے مشکل میں ڈال دیتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ حکم دینے والے دو قسم کے ہوتے ہیں یا تو وہ حرام کرنے والے پہلو کو اوّل بتاتے

ہیں یا اصل پر عمل کرتے ہوئے امت سے بوجھ کو دور کرتے ہیں جن میں سے یہ آخری شخص اللہ کے ہاں حق کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس کا مرتبہ اس سے بڑھ کر ہوتا ہے جو حرام کرنے کے پہلو کو پہلے لے گا کیونکہ یہ حرام ہونا ایک عارضی سی بات ہے اور اصل میں عارضی ہی ہے جبکہ بوجھ دور کرنے والا اس اصل طریقے پر چلتا ہے جو جنت میں لوگوں کے ساتھ برتا جائے گا چنانچہ وہ اس میں جہاں چاہیں گے اپنا ٹھکانہ بنائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہاں شیخ محی الدین رحمہ اللہ کی بات ختم ہوئی' اس سے چند ورق پہلے یہی بات شطح والوں کی طرف سے بھی گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

جَوْهَرَه

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے ان کاموں کے شوق کے متعلق پوچھا جو عادت کے خلاف ہوا کرتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ بات عیب ہے کہ تم نعمت کو نعمتیں دینے والے کے سامنے دکھانے لگو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمتیں صرف اس لئے دی ہیں کہ تم ذلیل ہو کر انہیں اس کی طرف لوٹا دو تا کہ وہ تمہارے لئے تمہیں سنبھالنے والا رب بنے جبکہ حق تعالیٰ صرف انہیں کا رب بنتا ہے جو ذلیل بنے لیکن جو یوں نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس' دینار یا درہم کا بندہ ہوتا ہے تو دیکھو تم نے اپنے رب کو کس معمولی شے کے بدلے میں لیا ہے؟

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ.

(البقرہ:٦١)

''کیا ادنیٰ چیز کو بہتر کے بدلے مانگتے ہو؟ اچھا مصر (یا کسی شہر) میں اترو وہاں تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا اور ان پر مقرر کر دی گئی خواری اور ناداری۔''

پھر فرمایا کہ کوئی اچھی اور حقیر شے اللہ کے ہاں بری ہوتی ہے ہاں! اللہ کے حقوق میں سے ہو تو وہ اس کے ہاں پسندیدہ ہے۔

میں نے عرض کی کہ اللہ کے علاوہ ہر شے نامعلوم اور نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ وہ جانا پہچانا اور

ہمیشہ سے موجود ہے لہٰذا بندے کے لئے یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ معرفت اور وجود کو چھوڑ کر جہالت اور عدم کو پسند کرے یا اس کی طرف جھکاؤ کرے۔

اس پر انہوں نے فرمایا کہ جہل اور عدم ہمارے ظاہر ہونے میں اصل و بنیاد بنتے ہیں جبکہ معرفت اور وجود حق تعالیٰ کے ظاہر ہونے کے لئے بنیادی چیزیں ہیں اور جو جہل و عدم بندوں کے ہاتھوں سے حاصل ہوتا ہے وہ انصاف اور ناراضگی ہے حالانکہ تمہارا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا اور پھر سب کو ان کے پروردگار کے ہاں جمع کیا جائے گا۔ اسے ذہن میں رکھو۔

مَرْجَانَہ

میرے بھائی شیخ افضل الدین رحمہ اللہ نے سیّدی علی خواص رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا میں حرام ہونے کے اندیشے کی بناء پر ان کھائی جانے والی چیزوں سے پرہیز کروں جو دوستوں کی طرف سے بھیجی جاتی ہیں؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ بندے کے لئے یہ مناسب نہیں کہ پسندیدہ چیز ملنے پر اپنی مرضی کرے تو اس کے نہ ہوتے اسے کیا اختیار ہوگا لہٰذا اللہ تعالیٰ تمہاری طرف جو کچھ بھیجے اسے ضرورت کے مطابق کھا لیا کرو اور جو باقی بچ رہے کسی اور شخص کو دے دو اور اپنے لئے اچھی حالت نہ سوچو ورنہ محققین کے رتبہ سے نکل جاؤ گے اور اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور دنیا و آخرت میں تمہیں اپنے جود و کرم سے ڈھانپ لے۔

دُرّہ

آزمائش کے موقع پر گریہ زاری کرنا:

مجھے میرے شیخ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ آزمائشوں کے موقع پر چیخ و پکار سے گریز کرو۔

میں نے عرض کی کہ صبر تو اسی وقت ممکن ہے جب اس کی ہمت ہو؟

انہوں نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے پابندی نہیں کیونکہ اس کے لئے بہت ساری راہیں موجود ہیں' اس کے مظاہر ہیں' شانیں ہیں' نام ہیں اور پھر صفات ہیں جبکہ ہمت تو صرف ایک ہی راستے کا نام ہے۔

عقیقہ

قبر میں فقیر کے اپنے آپ ہی سے سوال:

ایک فقیر نے ہمارے شیخ سے پوچھا کہ نیند کیا ہوتی ہے؟ اور پھر بتایا کہ میں نے اپنے آپ کو مردہ دیکھا جبکہ میں اپنے جسم کو غسل دے رہا تھا' پھر میں فارغ ہوا تو قبر کو لے جاتے وقت میں نے اپنا نچلا آدھا جسم خود اٹھایا جبکہ اوپر والا آدھا جسم میرے شیخ نے اٹھایا اور پھر اس کے بعد فرشتوں کی بجائے خود میں نے اپنے آپ سے سوال کیئے۔

اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایسی بات تو دیکھی جانے والی شے کے متعلق نہیں جچتی چہ جائیکہ خیالی بات کے بارے میں کہی جائے۔

اس پر خواب دیکھنے والے نے کہا کہ ''سونے'' کی وضاحت ہو جانی چاہیئے؟

حضرت شیخ نے فرمایا کہ آخرت میں ہر شے کی وضاحت ہو جائے گی نیز فرمایا کہ اپنے آپ کو اٹھانے میں کوتاہی تجھی سے ہوئی ہے' تو نے پورا جسم کیوں نہ اٹھایا کہ کامل بن جاتے؟

اس پر فقیر نے کہا کہ طاقت اور ہمت تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اپنا بوجھ اپنے شیخ پر نہ ڈالو کہ یہ بے ادبی ہوگی کیونکہ جب وہ تمہارا بوجھ اٹھائے گا تو جہان میں تمہارے سکون کے باوجود یہ چیز تمہارے لئے نقصان والی ہے جبکہ تمہارے شیخ تمہاری خاطر کھڑے نہ ہوں گے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مارو اور اپنے آپ سے برائی خود دور کرو اور جب عاجز ہو گے تو تمہارا شیخ تمہاری مدد کرے گا اور یوں انشاء اللہ تم عاجز نہ ہو سکو گے۔

اس نے کہا کہ کیا کسی صورت میں عاجز نہ ہوں گا؟

حضرت شیخ نے فرمایا کہ پابندی میں بھی نہیں ہو گے چنانچہ کچھ لوگ دو پاؤں پر چلتے اور کچھ چار پر چلتے ہیں' اللہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔

لُؤْلُؤۃ

میزان ایک ہو گی یا زیادہ؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے مردوں کا وزن کرنے والی میزان کے بارے میں پوچھا کہ ایک ہو گی یا زیادہ ہوں گی؟

انہوں نے فرمایا کہ وجود میں اصل توحید ہے تاہم میزان میں زیادتی اس لحاظ سے گنی جاتی ہے کہ تولی جانے والی مخلوق بہت سی ہو گی حالانکہ اصل تو ایک ہی ہے جیسے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں۔ اسے ذہن میں رکھو چنانچہ دنیا و آخرت میں حق تعالیٰ کی میزان ایک ہی ہے جو ساری میزانوں کو سمائے ہوئے ہے۔ واللہ علیم حکیم

مَرْجَانہ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے ان لازم رہنے والے حالوں کے بارے میں پوچھا کہ جن کے ہوتے ہوئے حال نہیں رہتا تو کیا یہ خامی ہے یا کمال؟

آپ نے فرمایا کہ جب حال ہلکا ہو جاتا ہے اور وہ معمولی سا ہو جاتا ہے تو وہ حال والے کے لئے بہت بہتر ہوتا ہے' دیکھو حاضر چیز اور غائب کا مقابلہ ویسے ہی نہیں ہوتا جیسے موجود اور معدوم کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔

میں نے ان سے عرض کی کہ یوں تو پھر حال والے سے حال کا غائب ہو جانا پوری طرح پہچانا جاتا ہوگا؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ پہچان کپڑے اور پہننے والے کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن جب وہ آفتوں سے بچا ہو اور حال کا مالک ہونے کی وجہ سے حال سے پھر جائے تو حال والا ہونے کی بجائے وہ خود حال بن جاتا ہے چنانچہ اس وقت اسے عبداللہ کہا جاتا ہے چنانچہ اللہ چاہے تو اسے اپنے قبضے کی چیزوں میں عمل دخل کا موقع دیتا ہے اور نہ چاہے تو اس سے یہ طاقت قبضے میں لے لیتا ہے' چاہے تو اس کے سامنے ہر چیز واضح کر دے چاہے تو نہ

کرے لیکن کوئی بھی شخص اس وقت تک دنیا سے نہیں جاتا جب تک آنکھوں سے پردہ ہٹا کر وہ کشف والوں کے ساتھ برابر نہ ہو جائے اور اس کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ اس وقت ہٹ جاتا ہے۔ واللہ اعلم

زُمُرَّد

کیا ولی کو اپنے انجام کے اچھا ہونے پر خوشی ہوتی ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے ایسے ولی کے بارے میں پوچھا جسے اس کے اچھے خاتمہ کا پتہ بتا دیا جائے تو کیا اسے اس امان ملنے پر دلچسپی ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے سامنے کوئی امان نہیں ہوتی' وہ جو چاہے کر سکتا ہے' اس کشف کی بناء پر زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ بندے کو اس لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے کا پتہ چل جاتا ہے جہاں اللہ کا علم ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا پابند نہ ہوتے ہوئے اس لکھے کو بدل بھی سکتا ہے بلکہ اگر عارف شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے اور وہ اس سے فرمائے کہ میں تجھ سے یوں راضی ہوں کہ اس کے بعد ناراض نہیں ہوں گا تو پھر بھی عقلمند کو اس میں دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم

ماسہ

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ کی عجیب تفسیر:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے فرمان

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا.

(فصلت: ۳۰)

''وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے' پھر اس پر قائم رہے۔''

کے بارے میں وضاحت پوچھی؟

آپ نے فرمایا کہ ان الذین قالوا ربنا اللہ سے مراد کامل لوگ ہیں اور ثم استقاموا سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ تنزل علیھم الملائکہ سے مراد عام نبی ہیں' الا تخافوا کامل اولیاء اللہ ہیں' ولا تحزنوا سے

مراد عام اولیاء ہیں اور وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون سے مراد مومن لوگ ہیں۔ اس میں غور کرلو کیونکہ یہ ایسی خوبصورت وضاحت ہے کہ تم نے کہیں سے نہ سنی ہوگی۔

یاقوت

روزہ دار کے منہ کی بو کے کستوری جیسا ہونے کا مطلب:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا کہ ''روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی اعلیٰ گنی جاتی ہے''[1] کہ اس میں ''اللہ کے ہاں'' سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ بہت سارے علماء نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ روایت کے مطابق اس سے مراد قیامت کا دن ہے چنانچہ وہاں منہ کی بو کستوری کی خوشبو میں بدل جائے گی کیونکہ حقیقۃً وہاں بو ہوگی ہی نہیں اور پھر اس سلسلے میں شہید کے خون کی مثال موجود ہے کیونکہ وہ اس دن کستوری کی خوشبو دے رہا ہوگا۔

اس پر میں نے عرض کی کہ پھر تو رسولِ اکرم ﷺ نے مسواک نہ کرنے پر اعتراض سونگھنے کی بجائے نظر کی حیثیت سے کیا ہوگا؟

آپ نے فرمایا: ہاں! کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں دیکھا کہ ''تمہیں کیا ہوگیا کہ میرے پاس زرد دانت لئے آتے ہو مسواک کرلیا کرو۔''[2]

منہ میں دانتوں کی زردی سے مراد ان کی رنگت تبدیل ہوجانا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو بھی ایمان رکھتا ہے دانتوں کی بو سے پریشان نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ کی رضا کی وجہ سے پیدا ہوئی ہوتی ہے چنانچہ وہ قیامت تو کیا اس دنیا میں منہ کی بو سے کستوری کی خوشبو سونگھتا ہے جبکہ اللہ کی رضا کی خاطر منہ سے نکلنے والی بو سے وہی شخص تنگدل ہوسکتا ہے جس کا ایمان پورا نہ ہو۔

میں نے عرض کی کہ پھر حضرت شارع علیہ السلام نے ایسے شخص کا لحاظ کیوں فرمایا ہے جس کا ایمان پورا نہیں اور روزے دار کو اس بو کے دور کرنے کا حکم فرمایا جو اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ ہے؟

۱۔ ص۷۷ نمبر۱ ۲۔ ص۷۸ نمبر۱

آپ نے فرمایا کہ آپ کے اس حکم کا مقصد ان عام امتیوں پر رحم فرمانا ہے جو اللہ کے بھیدوں سے ناواقف ہیں۔

میں نے عرض کی کہ پھر منہ کی بو سے فرشتوں کو کیوں تکلیف ہوتی ہے جیسے حدیث میں آتا ہے کہ ''جس چیز سے آدم علیہ السلام کی اولاد کو تکلیف ہوتی ہے' اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔'' جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ ''تھوم میں ستر بیماریوں کے لئے شفاء موجود ہے' اگر میرے ہاں فرشتہ نہ آیا کرتا ہوتو میں اسے کھایا کرتا۔''

آپ نے فرمایا: فرشتوں کو بو سے تکلیف صرف اس وقت ہوتی ہے جب وہ اللہ کی رضامندی کے لئے نہ ہو جیسے تھوم' پیاز اور مولی' رہی وہ جو اللہ کی رضا کی خاطر ہوتو وہ اس سے پیاری خوشبو ہی سونگھتے ہیں۔ واللہ اَعلم

دُرّ

اعتکاف والے کے جنازے میں شامل ہونے اور بیمار پرسی کا حکم:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول ''اعتکاف والے کے لئے سنت یہ ہے کہ نہ تو جنازہ میں جائے اور نہ ہی بیمار کی بیمار پرسی کرے''[1] کے بارے میں فرماتے سنا کہ یہ صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اس سے پردے میں ہوں' مخلوق کی طرف توجہ کی بناء پر اس سے دور ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں کسی خاص مقام پر دیکھ رہا ہو۔ رہا عارف شخص تو وہ جہاں چاہے جا سکتا ہے کیونکہ اس کی نظر میں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی جائے جیسے حدیث میں آتا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔'' آپ نے فرما رکھا تھا کہ اللہ فرماتا ہے: ''میں ہر اس شخص کی محفل میں ہوتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہو۔''[2] اسے ذہن میں بٹھا لو۔

۱۔ صہ ۸۷ نمبر ۳   ۲۔ صہ ۸۷ نمبر ۴

اعتکاف والے کو مسجد سے نکلنا کیوں منع ہے:

میں نے عرض کی کہ پھر علماء نے صرف اعتکاف والے ہی کو باہر نکلنے سے کیوں روکا ہے جبکہ ہر مومن جانتا ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اسے یہ لوگ صرف اس لئے الزام دیتے ہیں کہ وہ اس مقام پر ٹھہرا ہوا ہے جسے اس نے خود مقرر کیا ہے اور وہ اللہ کا نہیں چنانچہ وہ اپنے آپ کو اس وقت تک اسی جگہ پر ٹھہرائے کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی دوسری جگہ سے صاف طور پر نظر آئے اور اس کا راستے کی طرف نکلنا بالکل ایسا ہو جیسے وہ مکہ کے حرم میں طواف کر رہا ہوتا ہے۔

جَوْهَرہ

سورۂ تکویر کی تفسیر:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے سورۂ تکویر کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ.

(تکویر:۱)

''جب دھوپ لپیٹی جائے۔''

یعنی دکھائی نہ دے اور اس کے نام الباطن سے دکھائی دے جبکہ آپ نہ ظاہر ہوں اور نہ باطن کیونکہ آپ بہترین خلق والے ہیں، وہ ایک رہنے کے بعد تقسیم ہو جائے، کئی حصے ہو جائے اور گنتی میں آنے والے کے دکھائی دینے پر ختم ہو جائے کیونکہ ''چاند کی قسم، جب سورج کے پیچھے چلے۔'' پھر وہاں سے نیچے وہاں آئے جہاں سے الگ ہوا تھا تاکہ اس کے ساتھ مل جائے اور ایک جان ہو جائے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى.

(النجم:۱)

پھر اس کے کئی نام ہوں اور جس کا نام ہے اسی سے مل جائے، پھر اعلیٰ علیین سے زمین کی نچلی تہہ تک

پہنچ جائے' پھر جیسا اترے ویسے ہی لوٹ جائے اور اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی بلائیں دوسروں کی وجہ سے دور نہ کرے تو زمین میں گڑبڑ ہو جائے اور اس کی حرکت پہاڑوں تک پہنچ جائے چنانچہ اس کی اس حرکت سے زمین برباد ہو' پھر اس میں خوبی پیدا ہو اور وہ یہ خوبی ملنے پر کئی قسم کا ہو اور اس کی یہ خوبی پیدائشی ہو' وہ پیدا ہو اور ایک طرف کو ہو جائے' پھر اسے اکٹھا کیا جائے اور اپنے کاموں پر اکٹھا ہو اور اپنے وحشیوں کے لئے ایک ہو کیونکہ ہر ایک کو اس کی پیدائش کے مطابق گنجائش دی گئی ہے۔ ''فرما دو کہ ہر ایک اپنے طریقے پر چل رہا ہے۔'' پھر قیدیں نہ ہونے کی بناء پر ہر قید ختم ہو جائے اور پردہ دور ہو جائے' حیلے بہانے ختم ہو جائیں اور دل محبوب کو تلاش کریں تاکہ وہ پہلے کی طرح ان کے ساتھ ہو اور آج وہ پہلی حالت پر ہے' وہ ایسا دن ہوگا کہ ''اللہ تعالیٰ ان کے پاس قدرتی طور پر بادلوں کے سائے میں آئے گا۔'' (بقرہ: ۲۱۰) ''اور جب ہر چیز کا جوڑا بنایا جائے'' ہر ایک آپس میں ملے' اپنے بدن کا شوق رکھے اور حقیقت میں مل جائے لیکن دیکھنے میں الگ الگ ہو اور نعمتیں حاصل کرے۔ ''پنڈلی' پنڈلی سے ملے اور اس دن ہر ایک کو اللہ کی طرف جانا ہوگا۔'' (تکویر: ۹٬۸) ''اور جب قبریں زندہ دفن ہونے والی سے پوچھا جائے کہ کس گناہ میں ماری ڈالی گئی۔'' روح قتل نہ ہوگی کہ زندگی والی ہوگی اور جب قتل ہوگی تو ماری ہوگی اور اس سے پوچھا جائے گا تو سوال ہونا ہی ہوگا' اسے مارنے والا ہی زندہ کرے گا جس نے اسے قتل کر کے مار دیا' موت بے علم ہونے کا نام ہے جبکہ علم اللہ کے پاس ہوگا کیونکہ اسے قاتل اور اس کی سزا کا پتہ ہوگا چنانچہ وہ اس کا بدلہ دے گا اور اسے اس کی طرف جانا ہوگا' انہیں قتل کرو' اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا۔

''جب اعمال نامے کھلیں گے۔'' (تکویر: ۱۰) تو سارے عمل' دل کے وہ علم ہوں گے جو ہر عضو کو حاصل ہوں گے اور عمل کی ایک ایسی شکل ہوگی جیسے اس کی روح ہوگی اور جس کی شکلوں میں روح نہ ہوگی' اس کے اعمال نامے نہیں کھلیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ جلد تمہارے عمل دیکھے گا کیونکہ وہ علم اور عامل ہوگا اور اللہ تعالیٰ آنکھوں اور دلوں کے ذریعے دکھائی دینے سے محفوظ ہے' یہ دوسروں کو دیکھ سکتے ہیں اور بندے کا حشر اس کے دوست کے دین پر ہوگا۔

''اور جب آسمانوں کو لپیٹ دیا جائے۔'' (تکویر: ۱۱) یہ آسمان نہ رہے گا جبکہ اعمال نظر آئیں گے

لوگ اپنے عملوں کو سامنے دیکھیں گے اور مبارک نام اللہ کی وجہ سے اللہ کا حکم چلتا ہو گا نہ کہ رب کی وجہ سے کیونکہ اللہ کا حکم سب کے لئے ہوتا ہے جبکہ رب کا خاص ہے' پھر سب کو اللہ کی طرف جانا ہو گا' کسی ذات میں کوئی خوبی نہ ہو گی۔

''اور جب جہنم کو بھڑکا دیا جائے۔'' (تکویر: ۱۲) مخالفت کی آگ بھڑکے گی اور چھپے عملوں پر عذاب ہو گا' اللہ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا اور انہی کی وجہ سے دے گا اور رحم بھی انہی کی وجہ سے ہو گا' ایک چیز گنتی میں نہیں کیونکہ وہ موجود اور چھپی ہے جبکہ عدد معدوم اور مشہور ہے۔

''اور جب جنت کو قریب کر دیا جائے تو ہر ایک کو اپنے کئے کا پتہ چل جائے گا۔'' (تکویر: ۱۳' ۱۴) یونہی ''مجھے پیچھے ہٹنے والے' چلتے پھرتے ڈوب جانے والوں کی قسم اور رات کی جب ختم ہو جانے لگے اور صبح کی جب چڑھ آئے' یہ مہربان رسول کا فرمان ہے۔'' (تکویر: ۱۵ تا ۱۹) تو رسول وہ ہے جو اپنی نبوت کی بناء پر اپنی ولایت کے اعلیٰ مقام پر ہو گا اور وہ چار چشمے ہوں گے جنہیں ایک ہی پانی ملا ہو گا۔

''بہت طاقتور اور عرش کے قریب ٹھہرے ہوں گے۔'' (تکویر: ۲۲) وہ عرش اس دن عام ہو گا اور عام بندے پر عام طور پر عبادت کیا جانے والا تجلی فرمائے گا اور یہ عام ہونا' قیدوں سے آزادی ہو گی ''جیسے ہم نے پہلی مخلوق کو پیدا کیا' اسے لوٹائیں گے۔''

''ہر ایک کی طرف سے ان کی فرمانبرداری ہوتی اور وہ امانت دار ہیں۔'' (تکویر: ۲۱) اور آخر تک خوبیاں ہی خوبیاں اور جن کی خوبیاں ہیں' ان کے نام ہی نام ہیں۔

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے سورۂ انفطار کے بارے میں بھی پوچھا۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ بھی اسی طرح ہے لیکن اس کا تعلق برزخ سے ہے جس میں نسب اور پردے موجود ہیں جو اس کی طرف نہیں اور نہ یہ اس جیسے ہیں کیونکہ یہ صرف خیال ہے' حقیقت نہیں' اس جگہ پر اللہ کی تجلیاں ویسے ہی ہوتی ہیں جیسے آخرت میں بے پرواہ ذات کی تجلیاں ہوں گی کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''جلد تم اپنے رب کو دیکھو گے۔''

رہی وہ دنیا جس میں ہم اس وقت رہتے ہیں تو یہ رب کی تجلیوں کا مقام ہے چنانچہ ان جہانوں میں

ہے ہر ایک اسی کے ساتھ قائم ہے جو حضرت آدم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے تینوں افراد میں سے ہر ایک کا مظہر ہے چنانچہ ایک کا خاص تعلق ناموں سے، دوسرے کا خوبیوں سے اور تیسرے کا ذات سے ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہر چیز کے نام بتائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں برزخی خوبیاں تھیں جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذات سے تعلق رکھتے تھے اور ناموں کے ساتھ ساتھ خوبیوں سے واقف تھے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور سے دنیاوی چیزیں موجود ہوئیں اور ان کی وجہ سے اس کی گمراہی دکھائی دی اور کئی حقیقتیں نظر آئیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مظہر کا تعلق اللہ کے معارف، برزخ میں دکھائی دینے والی چیزوں، کئی قسم کی فرشتوں جیسی خوبیوں اور روحانی پھونکوں سے تھا جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمع و وجود کا راز تھے، خوبیوں اور حد بندی سے آزاد تھے کیونکہ آپ صرف ایک حقیقت پر نہ تھے اور آپ اپنی شریعت کے علاوہ کسی اور سے متعلق نہ تھے بلکہ آپ کا بھید ہونا جامع تھا اور مظہر ہونا واضح تھا چنانچہ آپ اول، آخر اور ظاہر و باطن تھے۔

ان تینوں میں سے ہر ایک اپنی موجودہ صورت میں اپنے اپنے جہان سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بات کسی اور میں نہ تھی چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترنے سے پہلے ابتدائی طور پر برزخ میں تھے (جبل یاقوت میں جو خط استواء پر موجود پہاڑوں میں ہے)، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یونہی تھے اور آج تک اسی مقام میں ہیں جہاں آدم علیہ السلام تھے۔ ان میں حقیقی خوبیاں تھیں اور جو ہر چیز کے نام سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں دوگنا وقت تک ٹھہرے جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تینوں جہانوں میں داخل ہیں کیونکہ آپ اس موقع پر جمع اور وجود کا راز تھے، جب انہیں ناموں کی اس دنیا سے معراج کرائی گئی جس کا مرکز زمین ہے، اس سیر کی انتہاء پہلا آسمان تھا، آپ کو اس کے سارے احکام اور تعلقات کا پتہ تھا اور پھر دنیا کے آسمان سے شروع ہو کر برزخ کے لئے ساتویں آسمان تک پہنچے پھر وہاں سے سفر شروع کیا تو عرش تک سے اس مقام تک جا پہنچے جس کی کوئی انتہاء نہ تھی اور نہ ہی زبانی بتایا جا سکتا ہے، اسے صرف وہی جانتا ہے جو وہاں پہنچ چکا ہو لہٰذا اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر آپ نے اپنی خاص دعائیں اور معجزے اس دن کے لئے سنبھالے رکھے جہاں کوئی جا ہی نہیں سکتا کیونکہ اگر آپ کے ان خاص معجزوں میں سے یہاں ایک بھی دکھائی دے سکتا تو یہ سارا جہاں ختم ہو جاتا کیونکہ وہ

سارے کے سارے ایسی تجلیاں تھیں کہ اس دنیا میں ان جیسی ایک بھی نہیں ہے کیونکہ آپ جیسا کوئی بھی نہیں ہے اور آپ کے جو معجزے اس دنیا کے اندر دیکھنے میں آئے تو ان میں خاص رسول بھی شامل تھے کیونکہ وہ سارے کے سارے موجود چیزوں سے تعلق رکھتے تھے' دیکھے جانے والے تھے' کسی ایک جگہ سے تعلق رکھتے تھے اور الگ الگ قسم کے تھے لیکن ایسے نہ تھے جن کا بیان آگے آ رہا ہے اور جو اس مقام میں ہوئے جو اس کے مناسب تھے اور جن کی انتہاء نہ تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کا دن ابتداء سے انتہاء تک ایک ہزار سال ہے کیونکہ آپ اول تھے' جہانوں اور ان کے ظاہر ہونے کے لئے ایسی بنیاد تھے جیسے ہندسوں میں ایک کا عدد ہوتا ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دن ابتداء سے آخر تک سات ہزار سال کا تھا اور انتہاء پچاس ہزار ہے کیونکہ آپ دنیا کے آخر اور برزخ (درمیانی مدت) کی ابتداء میں بھیجے گئے جو کل سات دن تھی جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتدائی دن پچاس ہزار سال کا ہے جبکہ اس کی انتہاء کوئی نہیں کیونکہ آپ پورے روح کی حقیقت ہیں کہ جس کے برزخ میں ان جہانوں کی صورت ہے جو اللہ اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر اس نے فرمایا ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

(المعارج:۱۴)

''ملائکہ اور جبرائیل اس دن کی طرف عروج کرتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔''

چنانچہ جو شخص گہری نظر رکھتا ہے تو اسے یقینی طور پر ہر شے اور اس کے مرتبے کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ یہاں کس چیز میں تبدیلی آ سکتی ہے اور کس میں نہیں آ سکتی؟ واللہ علی کل شیئ شہید

یاقوتہ

فرشتوں کی آمین سے آمین ملنے کا مطلب:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''جس کی آمین' فرشتوں کی آمین سے مل جائے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں'' کا مطلب پوچھا کہ آپ نے یوں کیوں نہ فرمایا: ''اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے''؟

آپ نے فرمایا: حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ آپ نے ''اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے'' اس لئے نہیں فرمایا کیونکہ اگر وہ قبول ہو جاتی ہے تو کسی بھی گناہ پر یوں کہنے والا کوئی نہ رہے گا اور اللہ کے بہت سارے مبارک نام بیکار ہو جائیں گے اور گناہ نہ ہونے کی وجہ سے مخلوق کے پاس ایسی کوئی چیز نہ رہ سکے گی جو ان کی بخشش کا سبب بنے کیونکہ جسے راہِ ہدایت دکھا دی جائے تو وہ یوں ہو جاتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کہ وہ گناہ نہیں کرتے اور یوں اس کے پاس ایسا کوئی گناہ نہ ہوگا جسے بخشا جا سکے۔

اس پر آپ سے پوچھا گیا کہ ''فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جانے کا مطلب کیا ہے''؟

آپ نے فرمایا کہ حضرت شارع علیہ السلام کے اس فرمان میں کسی خاص بات کا ذکر نہیں لہٰذا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یوں آمین کہے جیسے فرشتوں نے کہی ہو تو اس صورت میں اس کا حال فرشتوں کی طرح پاک ہوگا اور وہ گناہوں سے بچ جائے گا چنانچہ اس کی دعا ٹالی نہ جائے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے کہنے کے وقت میں ان کی آمین کے ساتھ مل جائے تو یوں اس کی اور ان کی آمین کا وقت ایک ہی ہو جائے گا چنانچہ ان دونوں طریقوں کا دارومدار فرشتوں کے دو حالوں کے مطابق ہوگا کیونکہ وہ آمین کہتے وقت ان کے لئے جسم کی صورت میں ہوگا چنانچہ ان کے ساتھ ملنے سے مراد خاص طور پر وقت ہوگا کیونکہ جسم کی صورت بنانے والے کو ترتیب وار آمین کے لفظ کہنا ہوتے ہیں لیکن اگر وہ جسم کی صورت بنائے بغیر کہے تو اس سے فرشتے کا وہ حال مراد ہوگا جس میں وہ یہ لفظ کہتا ہوگا چنانچہ جو زمانے میں موجود دونوں حالتوں کو جمع کرے گا تو لازمی طور پر اسے بخش دیا جائے گا اور کبھی بندہ دنیا کی زندگی میں ہدایت سے خالی ہوتا ہے جبکہ پہلے سے اس پر اللہ کی مہربانی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہدایت پا لیتا ہے چنانچہ اسی بناء پر فرمایا گیا کہ ''اس کی بخشش ہو گئی'' کیونکہ اللہ ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے اسے نیک بخت بناتا ہے' یہ بات کسی خاص دعا کرنے والے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ دعا کرنے والا ہر شخص ہی نیک بختی کی خواہش رکھتا ہے۔ والسلام

اس سے معلوم ہوا کہ جس مومن میں گناہ چھوڑنے کی عادت ہے تو فرشتوں کی طرح انہی کے تابع ہو کر نہیں بلکہ مستقل طور پر اس کی دعا بھی ٹالی نہ جائے گی تو اس موقع پر فرشتوں کی وجہ سے دُعا کا قبول ہونا ہمارے لئے ایسے وقت میں گنا جائے گا جب ہماری دُعا قبول نہ ہو رہی ہو ہاں! جب کسی بھی موقع پر ہماری دعا

کا قبول ہونا پر ہماری طرف سے اللہ کی فرمانبرداری کے بدلے میں ہو تو ایسے موقع پر ہماری قبولیت فرشتوں کے تابع نہ ہوگی چنانچہ کمی بیشی کے باوجود ہماری عبادت اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے گی۔ والسلام۔

جوهــــره

نبی پر ایمان کو شبہ سے بچانے کا طریقہ:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ جو شخص یہ چاہے کہ نبی اور اس کے لائے ہوئے پیغام پر اس کا ایمان کسی بھی قسم کے شبہے سے بچا رہے تو وہ اپنے کشفی اور نوری ایمان کی بناء پر ہر شے دینے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا جانے کیونکہ اس سچائی کا اس خبر سے تعلق ہوتا ہے اور یہ سچائی' سچے مرد میں پائی جاتی ہے' کشفی ایمان (دل میں پیدا ہونے والا) وہ نور ہوتا ہے جو بندے کے دل پر دکھائی دیتا ہے جس کے ذریعے بندہ کسی حکم اور اس سے ہٹنے میں کسی چیز کی اطلاع کے لئے خبر دینے والے کو سچا کہتا ہے کیونکہ یہ نور خبر دینے والے کے تابع ہوتا ہے چاہے وہ کہیں بھی ہو چنانچہ وہ اسے اس وقت تک ثابت رکھتا ہے جب تک خبر دینے والا رکھتا ہے اور اس وقت اسے اٹھا دیتا ہے جب اسے وہ اٹھا دیتا ہے اور حق تعالیٰ اس معاملے میں ابتداء نہیں کرتا اور وہ وہی ہے جس نے کئی گھومنے والوں کو یوں بنا دیا ہے کہ وہ حکموں کے منسوخ ہونے کا انکار کرتے ہیں' رہا سچا شخص تو اس نے پہلی خبر میں اپنے آپ کو جھٹلایا اور خبر کے ثبوت اور اٹھائے جانے کو ثابت رکھا کہ وہ سچا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص عقلی یا سنی ہوئی دلیل کی بناء پر خبر دینے والے کو سچا بنائے اور اس کے ان معجزوں کو دیکھ کر ایمان لائے جو اس کی سچائی پر دلیل ہیں تو اس کے ایمان میں کسی ایسی چیز کا دخل ہوگا جو برے شبہ کو قبول کرے گا اور پھر ضروری ہے کہ یہ دخل اسے نظر' شک اور حیرت کے مقام تک لے جائے۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے رکھے۔

یاقــوتــه

انسان تقدیر کے بارے میں کیا کرے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اس کشف والے کے بارے میں پوچھا جسے اللہ تعالیٰ آئندہ دور میں

بندوں پر جاری ہونے والی کچھ ان تقدیروں کے بارے میں اللہ بتائے کہ وہ کیا کرے؟

انہوں نے فرمایا: بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا حکم مانے اور انہیں اللہ کے سپرد کر دے اور پھر اس معاملے میں غور کرے چنانچہ اگر ان میں لوگوں کا فائدہ دیکھے تو اللہ کا شکر کرے اور خاموش ہو جائے لیکن اگر ان میں سزا اور ایسی بلاء دیکھے جو عام یا خاص لوگوں پر اتری ہو تو اللہ سے دعا کرے کہ یہ ان سے ہٹ جائے نیز پھر ان کے لئے سفارش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ سوال پسند کرے گا اور جب بندوں پر بلاء نازل ہونے کی وجہ سے ان میں بے چینی دیکھے تو انہیں اللہ سے پیار کرنے کو کہے اور انہیں بتائے کہ وہ ان کی ماؤں کے مقابلے میں بھی ان سے زیادہ پیار رکھتا ہے چنانچہ جو شخص مخلوق سے ایسا برتاؤ کرے گا تو وہ اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہو جانے کی راہ بنائے گا اور اللہ اسے ان لوگوں میں شامل کر دے گا جو اس کے حکم پر ہدایت دیتے ہیں نیز اسے بندوں کے لئے رحمت بنا دے گا۔ واللہ غفور رحیم

زُمُرَّدَہ

قیامت کے دن حضرت یحییٰ علیہ السلام کا موت کو ذبح کرنا کیوں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے قیامت کے دن حضرت یحییٰ علیہ السلام کے موت کو ذبح کرنے کا راز پوچھا جبکہ موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا؟

انہوں نے فرمایا کہ اس میں جنتی لوگوں کے لئے خوشی کی بات ہو گی کیونکہ اس کے بعد اس کے مقابلے پر کوئی چیز اور مخالف وہاں موجود نہیں ہو سکے گی کیونکہ وہ جنت زندہ چیزوں کی جگہ ہے لہٰذا موت کو ختم کرنا ضروری ہے جسے ختم کرنے کے لئے یحییٰ (زندگی) علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

میں نے عرض کی کہ میں یہ بات مان لیتا ہوں لیکن جہان میں یحییٰ اور بھی تو بہت ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس نام کو اوّل ہونے کا مرتبہ حاصل ہے کیونکہ اس میں یحییٰ ہر پہلا اور آخری شخص ہے کیونکہ اللہ نے ان سے پہلے اس نام کا کسی کو نہیں بنایا اور ہر یحییٰ انہی کی وجہ سے یحییٰ ہے۔ واللہ اعلم

دُرّ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ جو شخص اللہ کے احسان کرنے کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت رکھے تو وہ احسان کا بندہ ہوگا' اللہ کا بندہ نہ ہوگا اور اس میں اللہ کی جناب کا خیال نہیں کیا گیا ہوگا چنانچہ اسی بناء پر حضرت شارع علیہ السلام اس مقام والوں کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے لہٰذا فرمایا: ''اللہ سے اس بناء پر محبت کرو کہ وہ تمہیں غذا کے طور پر اپنی نعمتیں دیتا ہے'' چنانچہ آپ نے اسی احسان کو ان کی اپنے ساتھ محبت کا سبب قرار دیا ورنہ آپ تو اللہ کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں فرماتے تھے اور یونہی آپ کے کامل وارث (صحابہ وغیرہ) بھی یوں نہیں کرتے تھے۔ واللہ اعلم

زُمُرّد

ربِ کریم کے راہِ مستقیم پر ہونے کا مقصد:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ.

(ھود:۵۶)

''بلاشبہ میرا ربّ سیدھے راستے پر ہے۔''

کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون سا راستہ ہے جس پر رب تعالیٰ ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: یہ وہ صفات' اخلاق اور حکم ہیں جنہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور جب کوئی آدمی اس راستہ پر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے آگے ہوتا ہے جبکہ بندہ اس راہ پر چلتے ہوئے اللہ کی پیروی کررہا ہوتا ہے چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہ قدرت میں نہ ہو'' چنانچہ اس میں انسانوں اور جنوں کے علاوہ اوپر نیچے چلنے والا ہر ایک شامل ہوگیا کیونکہ ان میں صرف نیک لوگ ہی شامل ہوں گے' اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضے میں چوٹیاں نہ دینے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ کے طریقے پر فرمایا: ''اے انسانوں اور جنوں کے بڑے گروہو! سب کام جلد نمٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد

فرمائیں گے۔"

میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر یہ چوپائے ہم سے زیادہ فرمانبردار ہوئے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! چوپائے مخالفت کرنا جانتے ہی نہیں ہیں۔

اس پر میں نے عرض کی کہ کیا ایک عارف کو حق پہنچتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے اس ارادہ پر چلے جس میں کسی اور کا حکم موجود نہیں؟

آپ نے فرمایا کہ نہیں' ایسا راستہ اللہ کا شمار نہیں ہوسکتا' یہ تو ابلیس کی راہ ہے کیونکہ حضرت ھود علیہ السلام نے یہ بات حق تعالیٰ کی مدح و ثناء کے طور پر فرمائی تھی۔ یہ بات ذہن میں رکھو۔

لُؤلُؤة

تقدیر پر بھروسہ کر کے دعا کرنا نہ چھوڑو:

میں نے اپنے شیخ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ تقدیر پر بھروسہ کرتے ہوئے دعا کرنا نہ چھوڑو ورنہ سنت طریقہ چھوڑ بیٹھو گے کیونکہ دعا خود بھی تو عبادت اور سنت ہے' خواہ قبول ہو یا نہ ہو۔ اسے یاد رکھو۔

جوھر

اللہ کی یاد وغیرہ سے غافل کرنے والی چیز صدقہ کر دو:

میں نے اپنے شیخ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ جسے دنیا کی کوئی شے اللہ کے ذکر یا نماز وغیرہ سے غافل کر دے تو اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ وہ خواہ کیسی بھی ہو' اسے صدقہ کر دے خواہ وہ ایک ہزار دینار ہی کیوں نہ ہوں چنانچہ ایک انصاری نے اپنے باغ میں نماز پڑھنا شروع کی تو اسی دوران ایک پرندہ نکلنے کے لئے اڑ پڑا۔ وہ درختوں کی طرف نہ دیکھ سکا اور حیران ہو گیا چنانچہ اسے معلوم نہ ہوسکا کہ کتنی نماز پڑھ چکا تھا جس پر اس نے سارا باغ صدقہ کر دیا اور پھر اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی ملتا ہے کہ جب گھوڑے پیش ہونے پر انہوں نے انہیں نمازِ عصر سے غافل کر دیا تو آپ نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا جس کے دوران سورج غروب ہونے کو ہو گیا تھا۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ سے

پہلے جانے۔

میں نے عرض کی کہ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس انصاری کی طرح اپنے گھوڑوں کو صدقہ میں کیوں نہ دیا؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی بناء پر وہ دیر کرتے ہوئے اپنی عقل پر قابو نہ رکھ سکے جس کی مثال حضرت خلیل علیہ السلام کا وہ واقعہ ہے جس میں انہوں نے ہتھوڑے سے لوگوں کے ختنے کرنا شروع کئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ ذرا صبر سے کام لیتے تو ہم استرا لے آتے جس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم بڑا تھا لہٰذا میں نے جلدی کی پھر حضرت شبلی رحمہ اللہ[1] ہر ایسے کپڑے کو آگ میں جلا دیا کرتے تھے جو انہیں غافل کرتا اور اچھا لگتا چنانچہ وہ سلیمانی مقام والے تھے۔ واللہ اعلم

ماس

کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت ہر ایک کے لئے تھی؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ.

(الانبیاء: ۱۰۷)

”اور ہم نے نہ بھیجا آپ کو مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔“

کے بارے میں پوچھا کہ جو رحمت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی ہے‘ کیا ہر فرمانبردار‘ گنہگار‘ مومن‘ جھٹلانے والے‘ توحید ماننے والے اور مشرک وغیرہ کے لئے ہے یا یہ کوئی دوسری رحمت ہے جو ایک قوم کی بجائے دوسری کے لئے ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ خاص قسم کی رحمت ہے چنانچہ اسی لئے اللہ اسے عزت کی خاطر لایا ہے کیونکہ نئی

۱۔ دلف بن مجد شبلی رحمہ اللہ (۲۴۷ھ تا ۳۳۴ھ / ۸۶۱ء تا ۹۴۶ء) عبادت گزار تھے ابتداء میں نہاوند کے حکمران تھے اور موفق عباسی کے دربان رہے پھر حکومت چھوڑ کر عبادت میں لگ گئے اور لوگوں کا بھلا کرنے میں مشہور ہوئے۔ بہت عمدہ شعر کہتے تھے اور صوفیاء کے طریقے پر چل نکلے۔ خراسان کے رہنے والے اور شبلہ گاؤں سے تعلق تھا۔ بغداد میں وفات ہوئی۔ کنیت مشہور ہوئی اور نام و نسب میں اختلاف ہے۔

چیزوں کے لئے رحمت قدیم چیزوں کی طرح نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا علم ہر معلوم چیز کو اپنے اندر سماتا ہے جبکہ کوئی شخص اللہ کے پورے علم کو سما نہیں سکتا چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ اپنے علم کے مطابق مخلوق پر رحم فرماتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق ان پر رحم فرماتا ہے چنانچہ عام ہونے میں یہ رحمت علم کے تابع ہے۔

میں نے شطح والے کسی شخص کو فرماتے سنا کہ حضرت محمد ﷺ کو ملنے والی خاص رحمت کی جگہ آپ کا ایمان والا مقام تھا' رہا آپ کا احسان (بھلائی) یا مقام و مرتبہ تو یہ اس کی جگہ نہیں کیونکہ اس مقام میں ہوتے ہوئے آپ اللہ کے بغیر کسی کو نہیں دیکھتے تھے تو ایسے موقع پر کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھتے تھے جس پر رحمت کر سکیں' یونہی راہِ خدا میں آپ کا تلوار سے مارنا آپ کے ایمانی مقام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے' رہا احسانی مقام تو اس میں تلوار کے ساتھ کسے ماریں جبکہ وہاں صرف اللہ ہی دکھائی دیتا ہے؟

میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر رسول اللہ ﷺ اللہ سے غیرت کھاتے ہوئے اور اس کی جناب کی بناء پر ایمان کے پردے میں کسی سے بدلہ نہ لے سکتے ہوں گے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! اگر یہ پردہ نہ ہوتا تو آپ بدلہ نہ لیتے اور جب پردہ اٹھ جائے تو اس سے یا اس کے لئے کون بدلہ لے؟

میں نے عرض کی کہ یوں پھر کامل شخص نزع میں اللہ کے ناموں کو سامنے رکھے گا؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! کامل شخص اسی صورت پر ہوگا اور اس کا کمال یہ ہوگا کہ کبھی کبھار وہ پردے میں ہوگا اگرچہ درحقیقت وہ پردہ نہ ہوگا' وہ تو تلوین (نرمی) کا مقام رکھتا ہوگا لیکن کامل شخص کی رحمت اس کے غضب پر ایسے ہی غالب آتی ہے جیسے اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آ جاتی ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر رسولِ اکرم ﷺ نے اس قدر کامل ہوتے ہوئے مہینہ بھر کچھ لوگوں کے خلاف دعا کیوں کرتے رہے؟

آپ نے فرمایا کہ آپ نے ان کے خلاف یہ دعا وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين اترنے سے پہلے کی تھی اور یہ ایسے تھی جیسے آپ اپنے اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کرنے والوں کے خلاف ڈانٹ کر دعا کر رہے ہوں کیونکہ اس میں نفسانی خواہش کا ذرا سا دخل لگتا تھا جس کی وجہ سے آپ نے اس آیت کے اترنے پر لوگوں

کے خلاف دعا کرنا چھوڑ دیا اور اگر یہ چیز جنابِ الٰہی کے خراب کرنے کی خاطر غیرت بنتی تو آپ اس پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرتے۔ یہ بات ذہن میں رکھو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمین کے ذریعے آپ کو بتا دیا کہ بدلہ کے باوجود ان کے خلاف یہ دعا اس رحمت کے خلاف ہے جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے کیونکہ میں نے تمہیں دنیا میں اپنی اجازت کے بغیر گالی دینے والا لعنت کرنے والا اور جھگڑنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اپنے بندوں پر رحم کرنے کے لئے بھیجا ہے اور اس لئے بھی کہ تم مجھ سے ان کے بارے میں یہ دعا کرو کہ میں انہیں اپنی عبادت کی توفیق دوں تو میں تمہاری دعا قبول کرلوں اور انہیں توفیق دے دوں جس کے بعد تم ان کی عبادت میں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک دیکھو ورنہ جب تم ان کے خلاف دعا کرو گے اور میں اسے قبول کرلوں گا تو یوں ہوگا جیسے تم نے انہیں سرکشی میں آگے بڑھ جانے کا حکم دیا ہے کیونکہ میں انہیں عذاب میں اس وقت تک گرفتار نہیں کروں گا جب تک وہ سرکشی اور واضح گناہ میں پوری طرح گرفتار نہیں ہو جاتے جس پر نبی کریم ﷺ نے توجہ فرمائی اور قریش کے خلاف دعا چھوڑ دی اور یوں کہنا شروع فرمایا کہ ''اے اللہ! قریش کی حفاظت فرما۔'' نیز یوں عرض کی: الٰہی! میری قوم کو بخش دے کیونکہ یہ علم نہیں رکھتے۔[1] جبکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''اللہ! نے مجھے ادب سکھایا ہے تو اچھی طرح سکھایا ہے۔''[2] واللہ اعلم

بلخش

اللہ کی بڑائی اور عظمت نہ ماننے کا انجام:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حدیث قدسی میں اللہ کے اس فرمان کا مطلب پوچھا: ''بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا گویا تہبند ہے تو جو ان دونوں میں سے کسی کو لینے کی کوشش کرے گا تو میں اسے چور چور کردوں گا۔'' کہ بندہ حق تعالیٰ سے کیسے جھگڑ سکتا ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے ہلائے بغیر ہل بھی نہیں سکتا؟

اس پر آپ نے فرمایا: یاد رکھو کہ اللہ کی تو صفات، نام اور مرتبے ہیں جبکہ بندے کے لئے انہیں اپنانا ضروری ہے لیکن ایک خاص حد تک اور بتائے طریقے سے تاکہ جب بندہ اس حال سے بڑھے جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر رکھا ہے تو وہ حدیث بادرنی عبدی مبادرة (میرے بندے نے مجھ سے آگے بڑھنے کی

۱۔ صہ۸۵ نمبر۲ ۲۔ صہ۸۵ نمبر۳

بہت کوشش کی) کے مطابق جھگڑالو گنا جائے گا اگر چہ بندہ سچائی کے علاوہ حق تعالیٰ کے ساتھ جھگڑ نہیں سکتا۔

یہ بات سمجھ لو اور یہ حدیث بھی اس کی مثال بنتی ہے کہ میرا بندہ مجھ سے بڑھنے میں لگا رہا اور بڑھ بھی گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کی طرف سے ڈھیل اور اس پر بردباری کو آگے بڑھنا قرار دیا ہے چنانچہ اسی بناء پر اس نے فرمایا ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا.

(الانفال:٦١)

''اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو۔''

یعنی یہ سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو اور اس کی صفتیں اپنانے سے نہ رکو کیونکہ اس کی صفتوں میں سے ایک بردباری بھی ہے چنانچہ جس کا دشمن بردبار اور نرم دل ہو اور وہ اس کے ساتھ جنگ' قہر اور رحمدل نہ ہونے کا ارادہ کرے تو وہ اللہ کی اس صفت سے نکل جائے گا جسے اس نے اپنانے کا حکم دیا ہے۔

میں نے عرض کی کہ رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ ''زمین والوں پر رحم کرو گے تو آسمان والے تم پر رحم کھائیں گے۔'' تو کیا یہاں رحیم کے مقابلے میں رحمٰن کا لفظ لانے میں کوئی خاص وجہ موجود ہے یا دونوں ایک ہی طرح کے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے ہر مبارک نام کو دوسرے کے مقابلے میں خاص حیثیت حاصل ہوتی ہے اور یہاں یہ نام ذکر کرنے میں خصوصیت یہ ہے کہ ہمیں رحم کرنے کا حکم اس دنیا میں ہوا ہے جبکہ رحمٰن کی رحمت دنیا و آخرت میں ہوتی ہے لیکن رحیم یوں نہیں ہوتا کیونکہ اس کی رحمت کا تعلق آخرت کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ یہاں رحمٰن کا لفظ لانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم میں سے رحم کرنے والے کو یہ بتا دے کہ زمین والوں پر رحم کرنے کی صورت میں اس کی جزاء یہ ہوگی کہ وہ جلدی میں آخرت سے پہلے ہی اسے مل جائے گی جس کی وجہ سے بندوں پر اس کی رحمت' رحمت کے اس حصے کی بناء پر پختہ طریقہ سے ہوگی اور اگر رحیم کہتا تو اسے اللہ کی رحمت کا حصہ نہ ملتا چنانچہ ہم میں سے رحم کرنے والے کا پختہ ارادہ ٹوٹ جاتا کیونکہ وہ جلد جزاء نہ دیکھ پاتا جبکہ مومن کو بھی آخرت کا ثواب ہر وقت دیکھنے کو نہ ملتا۔ یہ بات سمجھ لو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے بندوں پر رحم کرتا ہے تو اس کے رحم کرنے کے ساتھ ہی تیزی سے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتا ہے چنانچہ جو شخص مخلوق پر رحم کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے آپ ہی پر رحم کر رہا ہوتا ہے کیونکہ تمہارے کئے ہی کا تمہیں اجر ملتا ہے۔

رہا اس حدیث کا معنیٰ کہ ''تم زمین والوں پر رحم کرو تو تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔'' تو وہ یہ ہے کہ تم مصیبت اور تکلیف میں گھرے لوگوں پر رحم کرتے ہوئے ان سے درگذر کرو تو آسمان والے فرشتے تمہارے لئے بخشش مانگتے ہوئے تم پر[1] رحم کریں گے۔ یہ بات قرآن کریم میں یوں ہے:

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ.

(الشوریٰ: ۵)

''اور وہ زمین والوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔''

پھر فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

(الشوریٰ: ۵)

''سن لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی بھی شخص کی طرف سے کی جانے والی رحمت درحقیقت اللہ کی ہوتی ہے اگرچہ وہ مخلوق کی طرف سے ہوتی دکھائی دیتی ہو جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی زبانی فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کی بات سنتا ہے جو اس کو سراہتا ہو۔''[2]

اس پر میں نے عرض کی کہ ان دونوں رحمتوں میں سے کون سی رحمت زیادہ کامل ہے، مخلوق میں دکھائی دینے والی جو بلاواسطہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سنا جانے والا الٰہی کلام اس کلام سے کامل تھا جو کسی اور بندے کی زبان سے نکلتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جانے والی رحمت زیادہ کامل ہوتی ہے، میں نے عرض کی کہ اس بیان سے تو اللہ تعالیٰ کو ''اسم تفصیل'' کا لفظ بول کر ارحم الرّٰحمین واحسن الخالقین کہا جا سکے گا؟

۱۔ صہ ۸۶ حاشیہ نمبر ۱ ۲۔ صہ ۸۶ حاشیہ نمبر ۲

آپ نے فرمایا کہ ہاں! کہا جا سکتا ہے کیونکہ مخلوق کی طرف سے ہونے والی رحمت اس رحمت سے کم درجہ ہے جو مخلوق کی صورت درمیان میں لائے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کرتا ہے اگرچہ یہ ساری رحمت اللہ ہی کی طرف سے ہوا کرتی ہے اور یونہی اللہ تعالیٰ کا کسی شے کو دیکھے جانے والے واسطہ کے بغیر پیدا کرنا اس سے زیادہ کامل ہے جسے وہ ان ذریعوں سے پیدا کرتا ہے جو اللہ کے اس فرمان میں پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ.

(المائدہ: ۱۱۰)

''اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا۔''

یونہی اس فرمان میں ہے:

وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا.

(العنکبوت: ۱۷)

''اور نرا جھوٹ گھڑتے ہو۔''

اور جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنا بندوں کا کام قرار دیا تو اپنے آپ کو احسن الخالقین کہا یعنی ان میں سے بہتر جو اللہ کے حکم سے پیدا کرتے ہیں، خود بخود نہیں کیونکہ کائنات میں اس طرح کا کوئی وجود نہیں جو اس صورت میں اللہ سے بڑھ سکے جب اللہ اور ان کو مقابلے میں لایا جائے۔ اسے ذہن نشین کر لو کیونکہ یہ گفتگو بہت نفیس ہے اور میرے خیال میں تم نے ایسی تفسیر کہیں نہ دیکھی ہوگی۔ واللہ اَعلم

جوھر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ اگر جاہل کے سامنے پردہ نہ ہو تو وہ اپنی جہالت سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔

اس پر میں نے عرض کی کہ وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے علم سے بڑھ کر بھی کوئی اور چیز موجود ہے تو اس کی زندگی ویران ہو جائے گی چنانچہ جاہل شخص اپنی جہالت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور عالم اپنے علم سے خوش

رہتا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ.

(روم: ۳۲)

''ہر گروہ اپنے ہاں کی چیز پر خوش ہوا کرتا ہے۔''

میں نے عرض کی کہ ایک عالم کے نزدیک جہالت کی حقیقت جاننا بھی تو علم ہی بنتی ہے چنانچہ اس کا یہ جان لینا بھی علم کہلاتا ہے کہ فلاں شے جہالت ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! وہ علم ہے لیکن شریعت کا علم جہالت کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟

میں نے عرض کی کہ پھر تو جہالت سے بڑھ کر کوئی شے بری نہیں؟

آپ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ انسان جب جاہل ہوتا ہے تو اس لاعلمی میں نامناسب کام کرتا ہے کیونکہ اسے سمجھ نہیں ہوتی جبکہ عالم یوں نہیں کرتا پھر جہالت میں کم از کم یہ بات ہے کہ جاہل شخص اللہ کی ان نشانیوں کو حقیر جانتا ہے جن کی تعظیم کو اللہ نے دلوں کا تقویٰ قرار دیا ہے جبکہ ہر عارف جانتا ہے کہ ہر موجود چیز اللہ کی نشانیوں میں شامل ہے جیسے مچھر کا اور عرشِ عظیم اللہ سے تعلق بالکل ایک جیسا ہے۔ اسے ذہن میں بٹھا لو۔

اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی بنائی ہے وہ حکمت والی ہوتی ہے اور حکمت والا اللہ صرف وہی چیز دکھاتا ہے جو کسی غرض کے لئے دکھانے کے قابل ہے اور جو شخص چیزوں کی حکمت نہیں جانتا اعتراض اور جہالت میں گرفتار ہوتا ہے جبکہ اسے پیدا کرنے والے کا علم اسے واضح کرتا ہے۔ واللہ غفور رحیم

یاقوت

لکھے اور مٹائے جانے والی تختیوں میں قلمیں کیسے لکھتی ہیں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے لکھی اور مٹائے جانے والی تختیوں میں قلموں کے لکھنے کا طریقہ پوچھا کہ وہ کیسے لکھتی ہیں؟

اس پر انہوں نے فرمایا: وہ یوں ہوتا ہے کہ قلم جب لوح میں کوئی بھی چیز لکھتی ہے تو وہ ایسا وقت ہوتا

ہے جب بندے کے دل میں اس کام کے کرنے کا خیال آتا ہے پھر اس لکھے کو مٹا دیتی ہے جس کی وجہ سے اس شخص کے دل سے وہ خیال ختم ہو جاتا ہے کیونکہ عالم غیب میں وہاں اس تختی کچھ اثر اس شخص کے دل کی طرف پھیلتا ہے کیونکہ روحوں کی طرف وہ اثر لکھے جانے کے وقت پیدا ہوتے ہیں اور ان کے مٹا دینے پر علیحدہ ہو جاتے ہیں چنانچہ جب قلم لوح میں دیکھتی ہے کہ وہ لکھا ہوا مٹ چکا ہے تو اس کے علاوہ لکھتی ہے جس کا تعلق اس کے کرنے یا چھوڑنے سے ہوتا ہے تو اس لکھے ہوئے میں سے ایک باریک سا حصہ اس شخص کی طرف پھیل جاتا ہے کہ جس کی خاطر اسے لکھا گیا تھا جس پر اس شخص کے دل میں ایسا کھٹکا ہوتا ہے جو پہلے کا الٹ ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اسے اسی طرح رکھنا چاہتا ہے تو اسے نہیں مٹاتا اور جب وہ اسی طرح رہتا ہے تو اس شخص کے دل سے تعلق رکھنے والا وہ حصہ باقی رہتا ہے اور وہ حصہ اسی طرح باقی رہتا ہے چنانچہ وہ شخص لوح میں لکھے ہوئے کے مطابق وہ کام کرتا یا چھوڑ دیتا ہے اور جب وہ اسے کرتا یا اسے چھوڑنے پر قائم رہتا ہے اور یہ کام ہو جاتا ہے تو اللہ اسے اس لئے مٹا دیتا ہے کہ وہ اس کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے وہ اس نیک یا برے عمل کی صورت قائم رکھتا ہے۔

پھر وہ قلم ایسی ہی کوئی اور چیز لکھتی ہے جو دائمی ہوتی ہے تو اعلیٰ قلم ایک بناء پر اس قلم اور مٹی ہوئی کی لکھی ہر شے کو برقرار رکھتی ہے چنانچہ لوحِ محفوظ میں حکم ہونے اور دوسرا حکم ملنے کے موقع پر ان تختیوں میں مٹنے کو ثابت رکھنا' ثابت کو اسی طرح رکھنا اور ثابت کو مٹانا ہوتا ہے چنانچہ وہ مٹانے پر پاکیزہ تختی ہوتی ہے۔

میں نے عرض کی کہ ایسے موقع پر ایسا کام جاننے والے کو یہ حق ہوتا ہے کہ ہماری تقدیر میں موجود کام کے بارے میں کہے: میں اس وقت ان چیزوں کو جانتا ہوں جو اللہ کی قلمیں میرے بارے میں لکھ رہی ہیں اور وہ سچا ہوتا ہے۔

اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہاں! کشف یا کشف والے کی تقلید کرتے ہوئے اسے یہ حق پہنچتا ہے کیونکہ کامل شخص کا دل اوپر اور نیچے والے وجود کے لئے تفصیلی آئینہ ہوتا ہے اور اسی بناء پر کشف والے ہر شخص کو اس شخص کے بارے میں کشف ہوتا ہے جس کا ہند یا دور والے کسی شہر میں پتہ نہ چل سکے اور وہ یوں کہے کہ فلاں شخص فلاں شہر میں ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر اچھی یا بری ساری مخلوق کو ملنے والی مصیبتیں ان کی جانوں، مالوں، کھیتیوں اور دینوں پر نازل ہوتی ہوں گی؟

اس پر فرمایا: تم اس کا دھیان کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔

میں نے عرض کی: ہاں! صحیح کشف والے لوگوں نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب طرح طرح کی چیزوں کے اس بنے ہوئے جہان میں کوئی کام جاری کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی طرف کرسی سے حکم پر چلنے والی روحیں اٹھاتا ہے جن کا تعلق ان الٰہی حکموں کے ساتھ ہوتا ہے جو ہر آسمان کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں تاکہ یہ معاملہ ہر رنگ والے مقام پر رنگ پکڑ لے اور اس کے بعد وہ اس کی نفسی صورت میں نفیس باریکیوں میں اتارتا ہے جن کا ظاہر و باطن اور غیب و شہادت ہوتا ہے جسے عرش کی باریک چیزیں ملتی ہیں اور انہیں لے کر عرش میں عرشی صورت بناتی ہیں چنانچہ سیڑھی میں فرشتوں کے ہاتھوں سے وہ کرسی میں اتارتا ہے اور کرسی میں پہلی صورت کے علاوہ دوسرا رنگ دکھاتا ہے جو پہلے موجود تھا چنانچہ کرسی سے اللہ کا امر اس کی سیڑھیوں میں سدرہ تک آتا ہے جسے سدرہ کے فرشتے ملتے ہیں اور آگے بڑھ کر اسے لانے والے فرشتوں سے لے لیتے ہیں چنانچہ سدرہ کے فرشتے اللہ کے حکم پر سدرہ اور اس سے تعلق رکھنے والی چیزوں میں چڑھتے اترتے ہیں چنانچہ وہ امر الٰہی سدرہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے چنانچہ وہ پہلی آسمان کی سیڑھی تک اترتا ہے جسے وہاں کے فرشتے مرحبا کہتے ہوئے ملی ہوئی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی روحیں بھی اسے لے لیتی ہیں کیونکہ ان کی روحوں کا مقام وہیں نہر حیات کے پاس ہے جو جنت البرزخ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اسے سمجھ رکھو کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور کامل لوگوں کی روحیں جنت برزخ میں خدمت کرتی ہیں لیکن وہاں ان کی یہ خدمت اس دنیا کے مقابلے میں کم ہے کیونکہ برزخ کے لئے حکم الٰہی چاہنے کا ایک ہی طریقہ ہے جو دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا دوسرا پہلو آخرت والا ہے جہاں کسی کام کا کوئی حکم نہیں ملتا۔ یہ بات ذہن نشین کر لو پھر وہ اس اترنے والے امر کے موقع پر نہر حیات کی طرح امانت ہے جس میں فرشتے حکم ڈالتے ہیں چنانچہ وہ نہر فرات و نیل کی طرف چلتی ہے چنانچہ وہ امر ان نہروں سے ملتا ہے جس کی وجہ سے اس امر والی برکت اور اس میں موجود آزمائش اترتی ہے جسے زمین پر رہنے والے پیتے ہیں جس کی بناء انہیں اللہ کی تقدیر کے مطابق نفع و نقصان ہوتا ہے بلکہ زیادہ تر وہ امر بارش

کے ساتھ بھی اترتا ہے جس پر ہم اللہ سے مہربانی کی دعا کرتے ہیں۔

میں نے ان سے عرض کی: حضرت محی الدین رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''آسمانوں سے مخلوق کے لئے رحمت کا امر صرف اس وقت اترتا ہے جب فرشتے اس لے کر بیت المعمور میں لے جاتے ہیں جس کی ہر طرف انوار ابھرتے ہیں جن کی وجہ سے بیت المعمور خوش ہوتا ہے؟''

اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ کلام کشف کے مطابق ہے اور پھر یہ امر ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر اترتا آتا ہے اور پھر آسمان پر سیڑھی کی صورت بنائے ہوئے دنیا کے ساتویں آسمان تک آ جاتا ہے جس کے اترنے کی خاطر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی پھرنے اور ٹھہرنے والے سب ستاروں کے علاوہ آسمانی قوتیں اترتی ہیں چنانچہ آسمانی چھتے کو چیر کر زمین تک پہنچ جاتا ہے تاہم اللہ کا یہ امر اگر ان آسمانوں کے دخل کے علاوہ اترے تو اللہ کے خطاب کی وجہ سے وہ پگھل جائیں چنانچہ ہر آسمان میں اس کا باریک ہونا بندوں پر رحمت بنتا ہے۔ پھر جب وہ زمین تک پہنچ جاتا ہے تو بہتر ہونے کی صورت میں مخلوق کے دلوں کے لئے روشنی کرتا ہے جسے ہر ایک اپنے نور کی گنجائش کے مطابق قبول کرتا ہے جس سے نیک عمل پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر وہ ایسا بھلا نہ ہو تو پھر بھی یہ دل اپنی حیثیت سے اسے قبول کرتے ہیں اور ان دلوں سے برے کام پیدا ہوتے ہیں۔

اس پر میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر سارے دل اسی تجلی سے پیدا ہوتے ہوں گے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! جہان بھر میں انسان، حیوان، فرشتے، کان اور جڑی بوٹیوں کی ہر حرکت اسی امر کی تجلی سے پیدا ہوتی ہے جو زمین پر اترتا ہے چنانچہ وہ اپنے دلوں میں موجود کھٹکوں کی وجہ سے وہ لوگ دوڑتے اور حرکت کرتے ہیں خواہ وہ حرکت عبادت ہو، گناہ ہو یا جائز ہو، اگر ایسے کھٹکے جن کی بنیاد کا پتہ نہیں چلتا ان کی بنیاد یہی ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ یہ بات تو بہت نفیس ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ اسے جاننے والا اور بھی نفیس ہوتا ہے کیونکہ یہ بات صحیح کشف کی بناء پر حاصل ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مــاس

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے کسی اہل حقیقت کے اس قول کے بارے میں پوچھا کہ اللہ کا حکم اور شان اترتے رہتے ہیں اور رکتے نہیں لہٰذا اسے قائم رکھنے والا بھی کوئی ہوگا جو دنیا کے رہنے تک انہیں سنبھالے رکھے لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ نبیوں سے خالی دور میں نہ وحی آتی ہے اور نہ حکم اترتے ہیں تو پھر اس معاملے کی حقیقت کیا ہے جو اٹھ نہیں سکتا؟

آپ نے فرمایا کہ وحی کی روح وہ ہوتی ہے جس میں جہان کا نظام ہوتا ہے' شریعتیں نہ ہونے کے دور میں ہر دور کے اندر اس کی بجائے ایک راز ہوتا ہے جسے بنوعثمان کے اس دور میں قانون کہتے ہیں لیکن ان کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں شریعتیں نہیں ہوتیں تاہم مصر' شام' بغداد اور مغرب جیسے اسلامی شہروں میں قانون کا استعمال نہیں ہوتا کیونکہ یہ خامی سے بچا ہوا نہیں ہے بلکہ عام طور پر اسے کافر بادشاہ بناتے ہیں چنانچہ امام محی الدین رحمہ اللہ نے اسے فتوحات کے باب نمبر ۳۷۰ سے ذرا پہلے بیان فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شریعت کے احکام کی قسمیں:

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ شریعت کے ایسے تمام حکم جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں جن میں سے ایک کو ''سیاست حکمیہ'' کہا جاتا ہے اور دوسری قسم ''شریعت'' کہلاتی ہے۔ یہ دونوں قسمیں اس جہان میں تمام ممکن چیزوں کے باقی رہنے کے فائدے بتاتی ہیں' رہی پہلی قسم تو یہ ہمارے ہاں الہام کی طرح دل میں ڈالی جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہاں بنانے والے کے سامنے شریعت موجود نہیں ہوتی جیسے بتایا جا چکا چنانچہ حق تعالیٰ بڑے بڑے لوگوں کے دلوں میں حکمت و دانائی ڈال دیتا ہے جس کی بناء پر وہ ہر شہر اور ہر اقلیم میں وہاں کے لوگوں کی ضرورتوں اور طبیعتوں کے مطابق شریعت کے مسائل بتاتے اور ان کے مطابق حکم بتاتے ہیں جن کے نتیجے میں لوگوں کے مال' جان' اہل' رشتہ دار اور نسب ناموں کی حفاظت ہوتی ہے جیسے آج کل شریعت کے ذریعے محفوظ ہوتے ہیں اور وہ انہیں اپنی زبان میں ''اچھا ناموس'' کہتے ہیں یعنی کچھ اچھے اسباب کیونکہ ان کی زبان میں ناموس اسے کہتے ہیں جس کے ذریعے کوئی اچھا کام ہو جبکہ جاسوس

اس کے الٹ ہوتا ہے چنانچہ دانائی بھرے وہ ناموس ہیں جنہیں عقلمند لوگ اللہ کی طرف سے الہام ہونے کی بناء پر بتاتے ہیں حالانکہ وہ لوگوں کے فائدے نہیں جانتے اور نہ ہی انہیں سدھارنے اور آپس میں ملا کر رکھنے کا طریقہ جانتے ہیں۔

اس پر میں نے عرض کی کہ کیا ایسے قانون بنانے والوں کو ان کاموں کے بارے میں یہ علم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے قریب کرتے ہیں یا نہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ انہیں بنانے والوں کو ان کا علم نہیں ہوتا بلکہ انہیں یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ وہاں جنت ہے یا دوزخ اور نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا' ان کا حساب ہوگا اور نہ ہی آخرت کے بارے میں کچھ علم ہوتا ہے کیونکہ ان کا ہونا نہ ہونا یونہی ممکن ہے جبکہ ان دونوں ممکن چیزوں میں سے ایک کو پہلے کرنے کی وجہ بھی نہیں جانتے بلکہ یہ ان کی ایسی درویشی ہوتی ہے جسے انہوں نے اس دنیا میں ایسے فائدوں کے لئے گھڑ لیا ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا: تو کیا یہ لوگ توحید کا علم رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے بزرگ و پاک ہونے' اس کے پاک ہونے کی خوبیوں' ہر عیب اور کسی اور کا اس جیسا اور ویسا نہ ہونا بھی جانتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! ان کے علماء جانتے ہیں بلکہ اکثر وہ اسی کام میں لگے رہتے ہیں اور وہ لوگوں کو اس صحیح غور وفکر پر اور زیادہ ابھارتے ہیں جو ان میں پہلے سے موجود ہوتا ہے جیسے آج کل ہمارے علماء کیا کرتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ کیا ان میں سے کوئی ہمارے آج کے صوفیاء کی طرح دل سے اپنے رب کو بھی جانتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ خود ان کی ذاتوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جسمانی صورت جب مر جاتی ہے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ گھٹے بغیر اس میں حرکت نہیں رہ جاتی جس کے ذریعے انہیں پتہ چلتا ہے کہ اس جسم کو جاننے اور حرکت دینے والی چیز اس کے علاوہ کوئی اور ہے چنانچہ وہ اس زائد شے کی بات کرتے ہیں جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو صفتوں کی پہچان کراتے ہیں'

ذات کی نہیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لو۔ پھر یہ بات ان کے اندر تشبیہ اور تنزیہ (اللہ جیسا ہونے اور خامیوں سے پاک ہونے) میں شبہ پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی پہچان نہ ہونے اور ہونے کے متعلق حیران ہو جاتے ہیں اور جب یہ سلسلہ بن جاتا ہے تو حق تعالیٰ انسانی جنس کے لئے ایک ایسا شخص لا کھڑا کرتا ہے جو انہیں بتاتا ہے کہ وہ ان کے پاس اللہ کے ہاں سے ایسا پیغام لایا ہے جو انہیں بتائے گا چنانچہ وہ اللہ کی دی ہوئی سوچ بچار کے ذریعے اس میں غور کرتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں کہ یہ معاملہ جائز اور ممکن ہے لہٰذا وہ نہ تو اسے جھٹلاتے ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی ایسی نشانی ملتی ہے جو اس کا سچا ہونا بتلائے چنانچہ وہ اس سے سوال کرتے ہیں کہ کیا تم اللہ کے ہاں سے کوئی دلیل لے کر اترے ہو جس کے ذریعے ہمیں پتہ چلے کہ تم اپنی رسالت میں سچے ہو کیونکہ تم میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں ہے؟ اور ہمیں ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی جو تمہیں ہم سے نمایاں کر دے جبکہ ایسا دعویٰ تو ہم بھی کر سکتے ہیں، وہ سچا بھی ہو سکتا ہے اور جھوٹا بھی چنانچہ وہ نبی ان کے پاس معجزے لاتا ہے جس پر وہ انصاف کی نظر ڈالتے ہیں، ان معجزوں کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو ان کے کرنے کے ہوتے ہیں اس صورت میں وہ ان سے بالکل توجہ ہٹانے کا دعویٰ کرتا ہے چنانچہ وہ صرف اس شخص کے ہاتھوں ہی پر دیکھنے میں آتے ہیں جو قیامت تک کے لئے رسول ہو یا وہ معجزہ بندے کی طاقت سے باہر ہوتا ہے، نہ اسے محسوس کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے اس کی ہمت ہوتی ہے اور جب وہ ان دونوں میں سے ایک کام کرتا ہے اور دیکھنے والا اسے حقیقۃً دیکھتا ہے تو اس کے رسول ہونے پر ایمان لاتا ہے اور شک میں پڑے بغیر اسے سچا جانتا ہے۔

اس پر میں نے عرض کی کہ پھر معجزہ دیکھ کر کوئی شخص اسے سچا جاننے سے کیوں کتراتا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اسے سچا نہ کہنا ان کی عقل میں کمزوری ہوتی ہے جس کی دو صورتیں ہیں۔ اللہ فرماتا ہے:

وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَۃٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ.

(البقرہ: ۱۴۵)

''اور اگر تم ان کتابیوں کے پاس ہر نشانی لے کر آؤ، وہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے۔''

پھر فرمایا:

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا.

(النمل: ۱۴)

"اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین نہ تھا۔"

اور جب تم ان میں سے کسی ایک سے کہو کہ ذرا اس رسول کو سچا کرنے والے کا معجزہ تو دیکھو تو وہ کہے گا: تم جانتے نہیں ہو کہ جادو حق ہوتا ہے' اس پر تم اس سے کہو گے کہ ہاں! تو سن کر وہ کہے گا کہ یہ بھی انہی میں سے ہے۔ یہ ان میں سے عام قسم کے انسان کا جواب ہو گا لیکن اگر وہ لوگوں کی ہمت سے واقف ہو گا تو وہ کہے گا کہ یہ معجزہ نفسانی طاقت والوں میں سے ہے کیونکہ یہ جہان کے مقابلے میں ہر جسم کے اندر اس سے زیادہ اثر کرتا ہے اور اگر وہ نجومی ہو گا تو کہے گا کہ اس میں طاقت فلاں ستارے کا اثر ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر شریعت کی تائید کرنے والے تمام علوم نری آزمائش اور مشکل بنتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! یونہی ہے۔

حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ہم کسی رسول کے بارے میں معجزہ دکھا دینا شرط نہیں کرتے کیونکہ آخر کار وہ ایک ممکن سی چیز ہے اور جبکہ قدرت کا تعلق ممکن چیزوں کو وجود دینے سے ہوتا ہے اور جب کوئی رسول کوئی ممکن کام کرتا ہے تو اس میں عاجز کر دینے والی چیز بھیجے گئے رسول کا وہ کام نہ کرنا ہوتا ہے جس کا وہ نبی چیلنج کر رہا ہوتا ہے حالانکہ عام طور پر وہ ممکن ہوتا۔

فرماتے ہیں کہ پھر جب میں ان کو دیکھتا ہوں جو معجزہ کو ایمان کی طرف لے جاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے لئے یہ کام ایمان کی مضبوطی کی وجہ سے تھا تو ان کا معجزہ کو قبول کرنا صرف اس لئے رک جاتا ہے کہ ان کی تصدیق کمزور ہوتی ہے جبکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ معجزہ ظاہر ہونے کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ شروع ہی سے وہ اللہ کے رسول پر ایمان لے آتے ہیں کیونکہ ان کا ایمان مضبوط ہوا کرتا ہے چنانچہ اسی بناء پر وہ روشنیاں حاصل کر لیتے ہیں اور جس میں کچھ بھی ایمان نہیں ہوتا تو وہ نہ معجزات کو مانتا ہے نہ کسی اور چیز کو۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات کیوں مختلف تھے؟:

میں نے پوچھا کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کئی طرح کے کیوں تھے؟ ایک جیسے کیوں نہ تھے جنہیں ہر دور میں کوئی بھی نبی دکھایا کرتا؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ ان کے کئی طرح کے معجزات کا ہونا اس بناء پر تھا کہ ان میں سے ہر ایک کی امت کے حالات کئی طرح کے تھے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم پر غالب ہونے کے لئے وہ معجزہ لائے جو ان کے جادو کو غلط بنا دے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اندھے اور پھلبہری والے کو ٹھیک کرنے کے علاوہ مردہ زندہ کردینے کا معجزہ لائے کیونکہ ان کی قوم یہ کام بہت کرتی تھی اور حضرت محمد ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ہر نبی کا معجزہ دکھانے آئے جبکہ خصوصی طور پر آپ کو فصیح قرآن پڑھنے کا معجزہ ملا تھا تاکہ فصاحت و بلاغت میں اپنی قوم پر فخر جتلا سکیں۔

نبی کا معجزہ ولی کی کرامت:

میں نے پوچھا: کیا لوگوں کا یہ کہنا صحیح بنتا ہے یا نہیں کہ جو کام کسی نبی کے لئے معجزہ ہوتا ہے وہ ولی کی کرامت بن سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے اور تحقیق کرنے والے سب حضرات یہی فرماتے ہیں جبکہ شیخ ابواسحاق اسفرائی[1] نے یہ بات نہیں مانی، انہوں نے یوں کہنے سے روکا ہے جبکہ حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ بھی انہی کے مطابق کہہ گئے ہیں البتہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے اس میں ایک اور شرط لگائی ہے جسے شیخ ابواسحاق نے ذکر نہیں کیا۔ فرماتے ہیں، معجزہ کو کرامت نہ کہنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ولی معجزے کو اپنی کرامت بنا کر نہ دکھائے۔ ہاں! اگر اپنے اس نبی کی تائید بنا کر دکھائے جس کا پیروکار ہے تو منع نہیں بلکہ ایسا ہوتا رہا ہے۔ ہاں! اگر رسول نے کسی خاص وقت یا پوری زندگی بھر کے لئے کفار کو چیلنج کرتے ہوئے روکا ہو تو

ا۔ ابراہیم بن محمد ابراہیم بن مہران، ابواسحاق (۴۱۸ھ/۱۰۲۷ء) فقہ و اصول کے عالم تھے۔ رکن الدین لقب تھا۔ اسفرائین میں پیدا ہوئے اور پھر نیشاپور چلے گئے۔ وہاں ان کے لئے عظیم مدرسہ بنایا گیا جس میں آپ پڑھاتے رہے۔ پھر خراسان پہنچے اور عراق کے کچھ شہروں میں گئے جہاں بہت مشہور ہوئے۔ آپ نے الجامع نام کی ایک کتاب لکھی جو اصولِ فقہ میں تھی۔ اصولِ فقہ کا ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ آپ حدیث کی روایت میں پختہ تھے۔ معتزلی لوگوں سے مناظرے کرتے رہے۔ نیشاپور میں وصال ہوا۔

جائز ہے کہ وہ کام شرط والا دور گزرنے کے بعد کسی اور کے لئے کرامت بن جائے البتہ وہ وقت گزرنے سے پہلے جائز نہیں۔

میں نے عرض کی کہ پھر تو سارے علماء کا کلام اس صورت میں صحیح بنتا ہے جب کوئی رسول اپنے چیلنج کا وقت مقرر نہ کرے اور اس معجزے کا کسی دور کے ہاتھوں سے سرزد اور جائز ہونے کا خیال نہ کرے جبکہ شیخ ابواسحاق کے کلام کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ وہ اپنے چیلنج کے موقع پر اپنے بعد معجزہ نہ دکھائے جانے کا خیال کرے؟

آپ نے فرمایا: ہاں! یہ صحیح ہے اور یہ اس کا دوسرا مطلب بنے گا جسے شریعت کہتے ہیں چنانچہ یوں اس وقت ہوگا جب وہ سچے اور تصدیق کئے گئے اس شخص کی زبان سے نکلے جسے معجزات دیئے گئے جیسے دنیا' برزخ اور آخرت کے احوال گزر چکے ہیں چنانچہ اگر علماء ہمیں برزخ اور آخرت کے وہ احوال نہ بتائیں جو ہماری نظروں میں آتے ہیں تو ہمیں ان کا پتہ نہ چلتا اور نہ ہماری عقلیں انہیں دیکھتے وقت مستقل طور پر معلوم کرتیں کیونکہ موت اور اس کے بعد والے معاملات عقل میں آنے والے نہیں۔

مختلف حالات اور زمانوں میں رسول حضرات دوسرے رسولوں کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں لیکن انہوں نے ان اصولوں میں اختلاف نہیں کیا جو ان سے تعلق رکھتے تھے اور اگر عقلیں اپنی نیک بختی کے معاملات پر پوری اترتیں تو رسولوں کا آنا بے کار ہو جاتا کیونکہ ہر انسان لازمی طور پر اپنی آخرت سے بے خبر ہوتا ہے اور اس سے بھی ان حالات میں وہ کدھر جائے گا' وہ نیک ہے تو اپنی نیکی کا سبب نہیں جانتا اور بدبخت ہے تو بدبختی کی وجہ نہیں جانتا اور یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں اپنے اندر ضروری علم نہیں رکھتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ اس نے اسے کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ چنانچہ اس سلسلے میں لازمی طور پر وہ اللہ کی طرف سے پہچان کرانے کا ویسے ہی محتاج شمار ہوگا جیسے ساری مخلوق اپنے اپنے عملوں کا انجام جانتی ہے' خواہ وہ عمل عبادت ہوں یا گناہ اور یہ عمل وہ نہیں جنہیں رسول حضرات کرتے رہے کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو جن و انس کی پہچان نہ ہوتی کیونکہ معاملہ ایک تھا اور طریقہ بھی ایک۔

میں نے عرض کی کہ کیا کوئی رسول کسی کے نیک بخت ہونے پر اثر انداز بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ نیک ہونے والا اس شرط پر نیک ہوتا ہے کہ "تم اپنی پسند کے شخص کو ہدایت نہیں دے سکو گے لیکن اللہ چاہے تو سب کو ہدایت دے سکتا ہے لہٰذا تم جاہل نہ بنو اور نیک بخت کو نا میرا کام ہے، مخلوق کا نہیں" اور پھر اللہ تعالیٰ نے دل کی تسلی کے لئے اس پر مہربانی فرمائی اور فرمایا کہ بات وہی مانا کرتے ہیں جو اسے سنتے ہیں۔ واللہ اعلم

بلخش

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے لئے رسول تھے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کے بارے میں پوچھا کہ آیا وہ صرف اس امت کے لئے رسول تھے جس کی طرف بھیجے گئے یا وہ روحوں کے ساتھ ساتھ پہلی امتوں کے بھی رسول تھے؟

سارے انبیاء آپ کے نائب تھے:

اس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ ساری روحوں اور پہلی امتوں کے لئے رسول تھے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے بھیجے جانے تک سارے کے سارے رسول ویسے ہی آپ کے نائب تھے جیسے کسی بادشاہی کے وزیر اور لشکروں کے سربراہ ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ کیا اللہ تعالیٰ اس نبی کو اس کی ساری امت کی طرف سے ان کے ایمان لانے کا اجر دے گا خواہ وہ ایمان نہ بھی لائیں یا وہ انہیں صرف ان کی طرف سے اجر دے گا جو ان پر ایمان لائے اور وہ ان کی پیروی کرتے رہے؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اس کی پوری امت کی طرف سے اجر دیتا ہے خواہ وہ اصل پر ایمان نہ بھی لا سکے کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ان کی شریعت پر عمل کرنے سے رہ نہ جائے چنانچہ آرزو رکھنے کی بناء پر اجر میں تو برابر تھے لیکن ان میں سے ہر ایک پیروی میں کمی بیشی کی بناء پر ایک دوسرے سے نمایاں تھا کیونکہ مل کر رہنے کا اجر آرزو سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اسے خوب سمجھ لو چنانچہ آپ نے

فرمایا تھا کہ ”اگر موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کرنا ہی ہوتی۔“[1] چنانچہ پہلے والا ہر نبی اپنے مرتبہ اور گنجائش کے لحاظ سے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی تھوڑی سی شریعت لے کر آیا لہٰذا آپ روحانی و جسمانی طور پر پورے جہان میں بہت بڑے سردار تھے اور جیسے آپ جسموں کے پورے جہان میں بڑے بادشاہ تھے' یونہی روحوں کے جہان میں بھی بادشاہ تھے کیونکہ آپ کی مبارک روح بولنے والی اور خاموش سب روحوں کے لئے مددگار تھی چنانچہ آپ ہر روحانی چیز کے لئے یونہی باپ تھے جیسے حضرت آدم علیہ السلام ہر جسم والی چیز کے باپ تھے اسی سلسلے میں خود آپ ہی نے ہمیں بتلایا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پانی اور مٹی کی شکل میں ہونے کے وقت نبی تھے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ”آگے چل کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے درمیان انصاف کرنے والے حکمران بن کر آئیں گے جو ہم میں رہ کر ہمارے آگے ہوں گے تاہم اپنی شریعت کی بجائے ہماری شریعت پر چلیں گے۔“

میں نے عرض کی کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت محمد ﷺ کی شریعت کو وحی کے ذریعے جانتے تھے یا خاص طور پر اللہ کی طرف سے اس پہچان کے ذریعے جانتے تھے جو اللہ اور ہر انسان کے درمیان ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اترنے پر ان کے ساتھ دونوں ہی صورتیں ہوسکیں گی کیونکہ رسول اپنا علم اپنے بھیجنے والے کے علاوہ کسی اور سے نہیں لیتا چنانچہ کبھی تو ان کے پاس فرشتہ آ کر حضرت محمد ﷺ کی اس شریعت کے بارے میں انہیں بتائے گا جو وہ لوگوں کے لئے لائے اور کبھی انہیں الہام ہوگا چنانچہ وہ حلال وحرام کے بارے میں وہی کچھ بتائیں گے جو رسولِ اکرم ﷺ ہمارے درمیان رہنے کی صورت میں بتاتے۔

میں نے عرض کی کہ کیا ان کے اترنے پر مجتہد حضرات کے سارے مذہب اٹھ جائیں گے یا ان کے دور میں ان سب پر عمل ہوتا رہے گا؟

مجتہد حضرات کا مذہب ظنی ہوتا ہے:

انہوں نے فرمایا: حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ جب آپ زمین پر آ جائیں گے تو مجتہد حضرات کے سارے مذہب ختم کر دیں گے اور ایک ہی مجتہد کا مذہب رہ جائے گا چنانچہ آپ کے دور میں

---

[1] صہ ۹۳ حاشیہ نمبر ۱

ہر کسی سے بچی ہوئی شریعت رہ جائے گی کیونکہ مجتہد حضرات کے سارے مذہب صرف گمان پر چلتے ہیں، یقین پر نہیں چلتے جبکہ اولیاء کے علوم انبیاء کے مقابلے میں تو نہیں لیکن ان سے بڑھ کر ہیں کیونکہ ان کے علوم حق الیقین ہوتے ہیں۔

اس پر میں نے عرض کی کہ کیا وہ اس شریعت پر عمل کرائیں گے جس پر آسمانوں کی طرف اٹھائے جانے سے پہلے عمل کیا کرتے تھے کیونکہ وہ حضرت محمد ﷺ کی باطنی شریعت ہی تو تھی؟

آپ نے فرمایا کہ وہ اس شریعت پر نہیں چلیں گے جو انہی ہی سے تعلق رکھتی تھی خواہ اندرونی طور پر وہ حضرت محمد ﷺ ہی کی شریعت میں سے تھی کیونکہ وہ شریعت ایک خاص گروہ کے لئے تھی جو ظاہری طور پر ان کے آنے سے پہلے گزر چکی ہوگی چنانچہ اس شریعت میں اس امت کے لئے اس کا کوئی بھی حکم باقی نہیں ہوگا صرف وہی رہے گا جسے اس شریعت نے لیا ہوگا۔

آپ نے فرمایا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک لحاظ سے رسول اور دوسرے لحاظ سے پیروکار بنتے ہیں؟

نبوت کا دروازہ کیوں بند ہوا؟:

آپ نے فرمایا: ہاں! اور اسی بناء پر قیامت کے دن ان کا حشر دو مرتبہ ہوگا' پیروکار اور پھر رہنما کیونکہ ہمارے نبی ﷺ شریعت والی نبوت کے خاتم ہیں لہٰذا کسی بھی صورت میں ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہو سکتا بلکہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ کا جسم پاک حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے وجود اور رسالت کے دور تک موجود ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی ساری اولاد دیکھنے میں آپ کی شریعت پر ہوں گے اور آپ کی امت شمار ہوں گے۔

حضرت خضر و الیاس علیہما السلام بھی حضور ﷺ کے امتی بنتے ہیں:

میں نے عرض کی کہ کیا حضرت خضر و الیاس علیہما السلام بھی یونہی ہوں گے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! کیونکہ وہ دونوں حضرات آپ کی ظاہری و باطنی امت میں ہیں اس لئے کہ وہ آپ کے بھیجے جانے سے پہلے ہوئے تھے اور پھر آپ کا زمانہ بھی پایا تھا چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ سے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو آپ سے پہلے نبی ہو چکے تھے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ.

(الانعام: ۹۰)

''یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہی کی راہ چلو۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فَبِهُدَاهُمُ فرما کر ہمیں بتایا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی راہِ ہدایت باطنی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہدایت بنتی ہے جو آپ کی حقیقت سے باطنی طور پر ان تک پہنچی تھی چنانچہ آپ پہلے نبی بھی ہیں اور آخری بھی۔

میں نے عرض کی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی باطنی نبوت کا پتہ کب چلا؟ میثاق (پختہ وعدہ) سے پہلے یا بعد میں؟

انہوں نے فرمایا کہ آپ کو میثاق اور حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکے جانے سے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا چنانچہ اسی وقت سے آپ کا چرچا ہو گیا۔

میں نے عرض کی کہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟

آپ نے فرمایا: اس لئے کہ انسان کی پیدائش عنصروں میں رکھی ہوئی ہے اور ان کے درجے پر روح کو معلوم ہیں چنانچہ اسی بناء پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''قیامت کے دن میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں گا اور اس میں فخر کی کوئی بات نہیں۔''[1] اگر آپ نے اپنے آپ کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا اور اسے آخری حد تک جانتے نہ ہوتے تو یوں نہ فرماتے اور پھر جب رسالت کے دنوں میں اپنے مرتبے کا مشاہدہ کیا تو فرما دیا کہ ''میں تو تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہوں۔''[2] اور اتنا مرتبہ ملنے پر آپ اپنی پیدائش نہ بھولے تھے۔

میں نے عرض کی کہ کیا کوئی اور نبی بھی ایسا ہوا تھا جو آدم علیہ السلام کے پانی اور مٹی میں موجود ہونے کے دوران نبی بنا؟

انہوں نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام نبوت اور رسالت ملنے ہی کے دنوں میں نبی و رسول تھے خواہ اس دوران وہ بچے ہی تھے۔

۱۔ صہ ۹۵ حاشیہ نمبر ا ۲۔ صہ ۹۵ حاشیہ نمبر ۲

میں نے عرض کی کہ کیا واقعی بچپن میں نبی تھے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! بشرطیکہ تم قرآن کو سمجھتے ہو اور جب انہوں نے اس بارے میں مجھے حیران دیکھا تو فرمایا کہ ہم نے اطفالا کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے کہا ہے کیونکہ وہ ماں کے پیٹ میں نبی تھے کیونکہ وہیں آپ نے اپنی ماں سے کہا تھا:

لَا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا۔

(مریم:۲۴)

''غم نہ کھا' بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے نہر بہا دی ہے۔''

پھر آپ نے پنگھوڑے میں فرمایا تھا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔

(مریم:۳۰)

''اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں دینے والا (نبی) بنایا۔''

چنانچہ آپ کی نبوت فطری اور پیدائشی تھی جبکہ دوسرے انبیاء کی نبوت ایسی فطری نہ تھی۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نائب بننا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لئے نقصان نہیں؟:

اس پر میں نے عرض کی کہ کیا انبیاء علیہم السلام کا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نائب بننا نقصان دہ تو نہیں بنتا؟ کیونکہ آپ کی شریعت نے ان کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا تھا؟

انہوں نے فرمایا کہ اس میں ان کا نقصان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں ہمیں منسوخ ہونے کا گواہ بنایا ہے جبکہ ہمارا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ آپ کی وہی شریعت ہے جسے جبریل علیہ السلام لے کر آئے تھے چنانچہ پہلی شریعت کو دوسری نے منسوخ کر دیا لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت آ جانے پر صرف وہی حکم مانا جا سکتا ہے جسے آپ کی شریعت نے بحال رکھا۔

میں نے عرض کی کہ پھر تو ہم پر یہ بات لازم ہے کہ ہم اس شریعت پر عمل کر لیں جسے ہماری شریعت نے لے لیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن اسے اس لحاظ سے اپنانا ہوگا کہ اسے ہمارے نبی ﷺ نے اپنالیا ہے نہ کہ اس طور پر کہ وہ اس نبی کی شریعت ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر آپ نے فرمایا ہے کہ ''مجھے بہت زیادہ معنیٰ رکھنے والے الفاظ دیئے گئے ہیں۔''

شیخ نے مجھے مختصر طور پر یوں بتایا تھا لہٰذا اسے ذہن نشین کرلو۔

جوھر

کیا راہب لوگوں کو ہر لحاظ سے نصاریٰ سمجھا جائے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے ان گرجوں میں الگ تھلگ رہنے والے راہبوں (نصرانیوں کا درویش) کے بارے میں پوچھا کہ کیا انہیں کو مکمل طور پر نصرانی سمجھا جائے یا کچھ لحاظوں سے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جزیہ معاف کر دیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے قتل سے یہ فرما کر روک دیا تھا کہ ''تھوڑے عرصے بعد تمہیں ایسے لوگوں سے ملنا ہوگا جو اپنے آپ کو گرجاؤں میں روکے ہوں گے' تم ان کا پیچھا نہ کرنا اور انہیں ان کے حال پر رہنے دینا؟''

اس پر آپ نے فرمایا: اکثر علماء کے ہاں ان کا معاملہ پورے طور پر نصرانیوں ہی کی طرح ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے قتل سے روکنے کی وجہ اُن سے اسلام لانے کی امید تھی اور انہیں جزیہ معاف کرنے کا حکم بھی اسی بناء پر تھا چنانچہ یہ حکم ان کے بارے میں یونہی جاری رہا اور چاروں خلفائے راشدین نے آپ کے ادب کی بناء پر ان کا پیچھا نہیں کیا کیونکہ ہر دور میں ان راہبوں کی یہ عادت رہی کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو گالیاں نہ دیتے اور مسلمانوں کے مقابلے میں نصرانیوں کی مدد بھی نہ کرتے خواہ اپنے دین والوں کے خلاف مسلمانوں کو غلبہ ہی کیوں نہ ہوتا جبکہ ہر حکمران کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اہم شخص کو قتل کرتا ہے اور پھر دوسرے اہم شخص کو قتل کرتا ہے۔

اہل شطح (دعویٰ کرنے والے صوفیاء) نے رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کو لیا ہے کہ ''راہبوں اور ان سے تعلق والی چیزوں کو ان کے حال پر رہنے دو۔'' اس میں ان سے رعایت کا ایسا ثبوت ہے کیونکہ آپ ہر ایک

کے لئے رسول تھے جیسے اہل کتاب نے دارالاسلام میں رہنے والے نصرانیوں کے ذمہ جزیہ لگا رکھا ہوتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ ایک باریک مسئلہ ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت کے عام ہونے کے لئے واضح ہے' اسے صرف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جو ہماری بتائی ہوئی باریک باتوں پر غور کرتے ہیں' حق وہی ہے جسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ انہیں دین اسلام لانے تک دوسرے نصرانیوں ہی کی طرح سمجھنا چاہئے۔ واللہ اعلم یہ بات ذہن نشین کر لو کیونکہ یہ بڑی نفیس ہے۔

کِبْرِیْتِ اَحْمَرْ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ہر دور میں انبیاء علیہم السلام کی زبانی شریعت کے سارے حکم کیوں لازم ہیں' کیا یہ ایسے گناہوں کا کفارہ ہیں جو آگے چل کر ہم سے ہو جائیں گے یا ہمارے بالغ ہونے سے ہماری روحوں سے ہو چکے ہیں؟

شرعی حکم جنتی درخت سے کھانے کا کفارہ ہیں:

آپ نے فرمایا: وہ تمام شرعی تکلیفیں جنہیں اللہ نے ہر دور میں پوری مخلوق کو کرنے کا حکم فرمایا ہے اصل میں اس لقمہ کی وجہ سے ہیں جسے حضرت آدم علیہ السلام نے درخت سے کھایا تھا چنانچہ قیامت تک آپ کی اولاد کو بھی لقمہ کھانے والا شمار کیا جاتا رہے گا اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اپنے مقام پر حرام ومکروہ یا خلافِ اولیٰ کے طور پر اس درخت سے کھانے والا یوں ہوگا کہ اس نے بھی اس درخت سے کھایا ہے کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں اللہ کے قریبی لوگوں کے لئے گناہ شمار ہوتی ہیں چنانچہ وہ ساری تکلیفیں اس لقمہ کھانے کے مقابلے میں ان کا کفارہ بنتی ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم ملے بغیر بھول کر درخت سے کچھ کھا لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹ میں پیدا ہونے والی چیز یاد کرائی' یہ وہ پیٹ بھرنے والی بدبودار پلیدی تھی جبکہ آپ اس برزخی جنت میں یوں نہ تھے' جسے اللہ نے جبل یاقوت کے سرے پر پیدا کر رکھا ہے۔

یہ بات حضرت مجریطی اور شیخ صفی الدین بن ابوالمنصور وغیرہ نے لکھی ہے لیکن عام علماء اسے نہیں مانتے کیونکہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا پیٹ بھرا تو یاد آنے پر انہوں نے اللہ سے معافی مانگی اور حضرت حوا علیہا السلام

کے ساتھ بھی یونہی ہوا تاہم پیٹ بھرنے کے علاوہ انہیں ہر ماہ حیض کا خون بھی آنا شروع ہو گیا کیونکہ انہوں نے بن سنور کر اور پھل کو سراہتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کی مدد کی تھی' انہوں نے وہ پھل کاٹا تو انہوں نے کھایا تھا اور یہ بات تو ہر ایک ہی جانتا ہے کہ مخالف کام کو اچھا جانتے ہوئے کرنے والا اس شخص سے بڑھ کر گناہ گار اور شرمندہ ہوتا ہے جو اسے برا سمجھ کر کرتا ہے' پھر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ وہ جنت اس پلیدی کا مقام نہیں جو اس کھانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی چنانچہ اسی وجہ سے ان دونوں کو زمین پر اتارا گیا کیونکہ وہ زمین اس برزخی روحانی جنت کے قریب تھی جو ''جنت الکبریٰ'' کی طرح تھی جو اللہ کے علم میں موجود ہے۔

اس پر میں نے عرض کی: علماء فرماتے ہیں کہ جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا وہ آسمانوں پر ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اس بات میں ہمارے ساتھ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جو بھی چیز تمہارے سر کے اوپر ہوتی ہے اسے ویسے ہی سَماء (آسمان) کہہ دیتے ہیں جیسے گھر کی چھت کو عرش کہہ دیتے ہیں اور یہ جنت بھی یونہی ہے۔

اس کے بعد حضرت آدم و حوا علیہما السلام جب زمین پر اترے تو جنت کا پھل کھانے کی وجہ سے پیشاب' پاخانہ' خون' نیند' کسی چیز کو چھونے میں لذت اور ہمبستری جیسی چیزیں پیدا ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ اسی کے اثر سے ان کی اولاد میں ماں باپ سے بڑھ کر دیوانگی' مرض کے بغیر بے ہوشی' تھوک' گندہ بغلی' نماز یا دوسرے مقام پر قہقہہ (کھل کھلا کر ہنسنا)' تبخیر (گیس پیدا ہونا)' تکبر' دھوتی' شلوار' قمیص اور پگڑی لٹکانا' غیبت' چغلی' پھلبہری' کوڑھ' کفر' شرک اور کئی قسم کے گناہوں کے علاوہ ایسے کام پیدا ہوئے جن کا ذکر حدیثوں کے اندر آتا ہے کہ وہ وضو کو توڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ وہ کام ہیں کہ جن کی بناء پر بگاڑ پیدا ہوتا ہے جیسے ہم نے اپنی کتاب ''کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ'' کے باب الاحداث میں بیان کیا ہے اور یہ سب چیزیں کھانے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کیونکہ ہمارے سامنے کھانے کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں ہوا کرتی جو وضو کو توڑ دے کیونکہ جو شخص فرشتوں کی طرح کھاتا ہی نہیں تو اس میں ایسی چیز پیدا ہی نہیں ہوتی جو وضو کو توڑ دے' ان میں سے کچھ کا ذکر ہم کر چکے اور کچھ کا نہیں کیا کیونکہ فرشتے نہ تو پیشاب کرتے ہیں' نہ ان سے خون نکلتا ہے' نہ وہ عورتوں

مردوں کی خواہش رکھتے ہیں، نہ دیوانے بنتے ہیں، نہ ان پر غشی طاری ہوتی ہے، نہ ہی بے فرمانی کرتے اور نہ ہی کفر کرتے ہیں کیونکہ بندہ اگر کھاتا نہیں تو اللہ سے پردے میں نہیں جاتا اور جب پردے میں نہیں ہوتا تو بے فرمانی نہیں کرتا چنانچہ اسی بناء پر حضرت شارع علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں نے ہمیں سادہ پانی سے پاکیزگی کا حکم دیا ہے اور ہر اس چیز سے پاکیزگی کا حکم دیا ہے جو اس کھانے سے پیدا ہوتی ہے بلکہ اس جگہ کو بھی پاک کرنے کا حکم دیا ہے جہاں سے وہ پیشاب، پاخانہ وغیرہ نکلتے ہیں جو وضو وغیرہ نلوں کو چھونے پر بھی نہیں توڑتے ہیں بلکہ ان دو گولیوں کو بھی دھونے کا حکم دیا ہے جو پیشاب اور پاخانہ نکلنے والی جگہ کے ساتھ ہی ہیں بلکہ شلوار وغیرہ کے اس حصے کو بھی دھونے کا حکم دیا جو ان دو جگہوں کے ساتھ ملا ہوتا ہے کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ جب بھی وضو فرماتے تو شلوار پر پانی چھڑکا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھے جبرائیل علیہ السلام نے یوں کرنے کو کہا ہے۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ شلوار اس جگہ کے ساتھ ملی ہوتی ہے جس سے پیشاب اور پاخانہ لگا کرتا ہے۔ یہ کام دل میں سے وسواس کو دور کرنے کے لئے نہیں تھا جیسے کچھ لوگوں نے کہا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام وسواس کرنے سے بچے ہوتے ہیں جبکہ کہا یہ جاتا ہے کہ وسواس بھی ایک طرح کی دیوانگی ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لو۔

یہ بات بھی یاد رکھو کہ مجتہد حضرات کی طرف سے ذکر کئے گئے اقوال ان کی دلیلوں سمیت لکھے ملتے ہیں چنانچہ ان حضرات میں سے کچھ وہ ہیں جو وضو توڑنے والی چیز کے بارے میں نرمی سے کام لیتے ہیں اور کچھ پوری سختی کرتے ہیں اور کچھ نہ نرمی کرتے ہیں نہ سختی اور یہی بات اس پانی کے بارے میں بھی فرماتے ہیں جس سے وضو وغیرہ کیا جاتا ہے جیسے کہ ہم نے یہ بات رسالہ ''اسرار الدین'' میں لکھی ہے چنانچہ ان میں سے کچھ چیزیں وہ ہیں جنہیں سب نے وضو وغیرہ توڑنے والا گنا ہے جیسے پیشاب، پاخانہ اور ہمبستری کرنا اور کچھ وہ ہیں جن کے توڑنے کے بارے میں اختلاف ہے جیسے شرمگاہ کو چھونا، حرام چیزوں کو ہاتھ لگانا، سو جانا، بڑھیا عورت کو ہاتھ لگانا، بدن سے خون نکلنا، زوردار ہنسنا اور چغلی وغیرہ اور یہ بات ہر ایک ہی جانتا ہے کہ جو مضبوط اور احتیاط والا کام کرتا ہے اس کا کام بہتر شمار ہوتا ہے۔

حضرت علی خواص رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حدیث پاک کے مطابق شرمگاہ انسان کا ایک حصہ ہے جس

کی وجہ سے پاکیزگی اس بناء پر ٹوٹتی ہے کہ اس سے وضو توڑنے والی شے نکلتی ہے۔ یہ ذاتی طور پر توڑنے والی نہیں کیونکہ اگر اس کا یوں توڑنا ذاتی ہوتا کہ یہ چیز کھانا کھانے سے پیدا ہوئی ہے تو جسم کے ہر عضو کے بارے میں بھی یونہی ہوتا کیونکہ یہ پورے کا پورا بدن کھانا کھانے ہی کی وجہ سے بنا ہوا ہے۔ اسے ذہن میں رکھو۔

میں نے آپ کو فرماتے سنا تھا کہ شرمگاہ سے نکلنے والی چیز کا وضو توڑنا' علماء' نیک اور بڑے لوگوں سے تعلق رکھتا ہے جبکہ ذلیل اور بھینسیں چرانے والوں سے اس کا تعلق نہیں اور یہی بات ہر اس چیز کے بارے میں کہی جائے گی جس میں حضرت شارع علیہ السلام یا کسی مجتہد نے اجازت دیتے ہوئے سختی سے کام لیا ہے۔

میں نے پوچھا کہ کچھ علماء کے نزدیک کنکر اور لکڑی وغیرہ نکلنے پر وضو کیوں ٹوٹتا ہے جبکہ یہ دونوں کھانے سے تو پیدا نہیں ہوتیں؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ اس کا وضو وغیرہ توڑنا ذاتی طور پر نہیں بلکہ اس بناء پر کہ یہ ان کی طبیعت ہے اور بے وضو ہونے کی اصل وجہ یہی ہے۔

منی نکلنے پر سارا بدن دھونے کی وجہ:

میں نے پوچھا کہ منی نکلنے پر سارا بدن دھونے کی وجہ کیا ہے جبکہ اس کی پلیدی یقینی طور پر پاخانے سے کم درجہ پلید ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ منی نکلنے پر سارا بدن دھونا اس لئے واجب ہے کہ انسانی طبیعت بدلنے میں لذت کا سب سے زیادہ دخل اسی میں ہوتا ہے چنانچہ یہ لذت سب سے بڑا کام ہے اور پھر ہمبستری کرنے والا شخص یہ محسوس کر رہا ہوتا ہے کہ یہ لذت اس کے سارے جسم کو آ رہی ہے چنانچہ اس کے ذریعے اللہ سے غفلت بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قہقہہ وضو توڑتا ہے جیسے پہلے بتا دیا گیا کیونکہ یہ اللہ کے سامنے حاضر رہنے والے دل سے نہیں ہوتا اور یہی حال توڑنے والی ہر چیز کا ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے کیونکہ اللہ کی ذاتِ پاک میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں کیونکہ وہ ادب' حیرانی اور اعضاء کے پگھل جانے کا مقام ہے۔

ماہواری اور نفاس والی عورت پر غسل لازم ہونے کی وجہ:

میں نے پوچھا کہ پھر ماہواری اور نفاس والی عورت پر غسل کیوں لازم ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: ان دونوں کے غسل کی وجہ وہ زیادہ مقدار اور کافی خون کا بہنا ہے جو بدن کی ہر جگہ پر اثر ڈالتا ہے تاہم ماہواری کے بعد والے دنوں میں مشکل پیدا نہیں کرتا جبکہ معمولی بے وضو ہونا یوں نہیں ہوتا' اس میں ہم سے نرمی برتی گئی ہے کہ مشہور اعضاء کو صرف دھولیا کرو کیونکہ رات و دن میں ایسا بار بار ہو جایا کرتا ہے نیز یہ اعضاء عام گناہوں اور مخالف شریعت کام کرنے کا سبب بنتے ہیں چنانچہ جب ہشیار دل والا وضو کرتے ہوئے ان میں سے کسی عضو کو دھوتا ہے تو اسے وہ گناہ یاد آتا ہے جس کی وجہ سے اسے دھونے کا حکم ہوا لہٰذا وہ اپنے رب سے بخشش مانگتا ہے چنانچہ اپنے عضو کو ظاہری اور باطنی طور پر پانی اور توبہ کے ذریعے دھوتا ہے کیونکہ توبہ پہلے والے گناہوں کو صاف کر دیتی ہے جبکہ ساری غلطیاں پانی کے ساتھ ہی نکل جاتی ہیں جس کی وجہ سے بندہ پورے طور پر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے۔

حیوان کی بجائے انسان کے پیشاب پاخانہ پلید ہونے پر زور کیوں؟:

میں نے عرض کی کہ علماء کرام حیوانوں کی بجائے آدمی کے پیشاب و پاخانہ پلید ہونے پر کیوں زور دیتے ہیں جبکہ آدمی ان سے بہتر ہوتا ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ آدمی کے پیشاب' پاخانہ کے پلید ہونے کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص عزت والا ہوتا ہے کیونکہ وہ زمین میں عظیم خلیفہ ہے چنانچہ مناسب یہ ہے کہ وہ ہر میل والی چیز کو دھویا کرے اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جس کا مرتبہ بڑا ہو گا اس کا چھوٹا گناہ بھی بڑا گنا جائے گا اور جب وہ اپنے ربّ سے غافل ہو کر اپنی طبیعت اور خواہش کے مطابق کام کرے گا تو اس کا معاملہ الٹ ہو جائے گا (چھوٹا گناہ بڑا ہو گا) چنانچہ اسی بناء پر اس خواہش کے ساتھ کھانے پینے کی پاک چیزیں ملتی ہیں تو وہ پاک چیزیں پلید بن جاتی ہیں پلیدی بنتی ہیں' پیشاب و پاخانہ' خون' کھنگار اور بدبودار بنتی ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

میں نے عرض کی کہ علماء کرام نے بندے سے نکلنے والی ہر بیکار چیز کو پلید کیوں نہیں کیا؟

انہوں نے فرمایا کہ اس لئے اس سے نکلنے والی چیزیں ذرا سی بری اور پلید ہوتی ہیں چنانچہ اسی بناء پر کھنگار' بغل کو ہاتھ لگانا اور خون سے وضو کا ٹوٹنا صرف بڑے لوگوں سے تعلق رکھتا ہے جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے۔ رہے چھوٹے لوگ تو ان سے اس معاملے میں درگذر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ معاملات ایسے ہیں کہ ان میں کھانے

کا ذائقہ اس کا رنگ اور بونہیں ہوتی جبکہ پیشاب پاخانے میں کھانے پینے کی صورت ہوتی ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرلو۔

میں نے عرض کی کہ وضوتوڑنے والی چیزوں اور اس سے پاکیزگی کا تعلق تو درخت کا پھل کھانے سے ہے لیکن کھانے کے ساتھ نماز کے حکم کا کیا تعلق ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ کھانے کی وجہ سے ہر قسم کی نماز شرعی طور پر لاگو ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ توبہ بنے' استغفار بنے' اللہ کا قرب بنے اور اس سے اللہ ہم پر خوش ہو جائے جبکہ اس سے پہلے وہ ہم پر اس لئے ناراض ہوا کہ ہم پسند کے کھانے کھاتے رہے جس سے پلیدی بنتی رہی چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ نماز کا وقت آجانے پر فرشتے کہتے ہیں کہ ''اے آدم کی اولاد! اس آگ کی طرف بڑھو جسے خود تم نے سلگایا ہے اور اسے بجھا کر رکھ دو۔''

رات دن میں نماز کے کئی مرتبہ آنے کی وجہ:

میں نے عرض کی کہ یہ نماز رات دن میں بار بار کیوں آتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: یہ اس لئے کہ بندے کو اپنے کئے ہوئے وہ گناہ' غفلتیں اور خواہشیں یاد آئیں جو اس نے ایک سے دوسری نماز کے دوران کئے ہوئے ہوں اور وہ توبہ و استغفار کرتے ہوئے اس پانی کے ساتھ پاک ہو جائے جو اس کے اس بدن کو پاک کرے' جو کافی گناہوں کی وجہ سے مر چکا تھا یا کمزور ہوا' ڈھیلا پڑ چکا تھا یا اس پڑھی جانے والی نماز سے غافل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ نماز پڑھے' اللہ اکبر کہے' اللہ کی وہ حمد و ثناء کرے جس کے وہ لائق ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا سہارا لیتے ہوئے اللہ سے ان عبادتوں کے ادا کرنے کے لئے مدد مانگے جو اس دنیا میں اسے کرنے کا حکم ملا ہے۔ علاوہ ازیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق مانگے چنانچہ اگر کسی مومن کی نماز میں حالت کو اسے دکھا دیا جائے تو وہ کھڑے کھڑے اور رکوع کی حالت میں اپنے گناہوں کو دائیں بائیں گرتا دیکھے گا اور سجدہ میں پہنچنے سے پہلے پہلے اپنے پروردگار کے یوں قریب ہو گا کہ اس کا ایک گناہ بھی نہ بچا ہو گا کیونکہ وہ وضو اور نماز کی وجہ سے سارے ہی گر چکے ہوں گے۔

وضو میں کچھ گناہ رہ جاتے ہیں:

رہی یہ بات کہ ہم نے نماز کی حالت میں وضو کے ساتھ کچھ گناہ رہ جانے کے بارے میں کہا ہے تو وہ اس لئے کہ وضو کو خاص قسم کے گناہ ہی برباد کرتے ہیں کیونکہ اگر وہ پورے کے پورے گناہ مٹا دے تو حدیث میں گناہوں کا کفارہ بننے والی دوسری چیزوں کا کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا۔ اسے ذہن میں رکھو۔

اس پر میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر جب بندے کے گناہ زیادہ ہوں گے تو پانی کے ذریعے انہیں دھونے کا زیادہ مطالبہ کیا جائے گا؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحسین:

انہوں نے فرمایا: ہاں! جس کو ایک بھی گناہ کا شبہ ہوگا وہ اگر بہت ستھرے پانی سے وضو کرے گا تو ویسے ہی نور و نور ہوگا جیسے زیادہ گناہوں والا جب استعمال میں نہ آئے پانی سے وضو کرے گا تو اس میں استعمال شدہ پانی کے مقابلے میں اس کے جسم کو زندگی ملے گی اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے غسل اور وضو میں پانی کے ستھرا ہونے پر زور دیا ہے کیونکہ استعمال شدہ پانی کے بارے میں وہ تین طرح کی رائے دیتے ہیں چنانچہ پہلی روایت یہ ہے کہ استعمال شدہ پانی بالکل پلیدی جیسا ہوتا ہے' دوسری یہ ہے کہ وہ مویشیوں کے پیشاب جیسا ہوتا ہے اور تیسری یہ ہے کہ وہ خود تو پاک ہوتا ہے لیکن کسی دوسری شے کو پاک نہیں کرتا۔

میں نے عرض کی کہ اس پہلی روایت (امام اعظم کی پہلے والی روایت) کی وجہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا' لونڈے بازی' شراب خوری اور حرام کام جیسے گناہ وغیرہ کرنے پر انہیں پاک کرتے ہوئے لوگوں کے گرنے والے گناہوں کا دھوون بہت بڑا گناہ شمار ہوتا ہے اور جو انہیں گہری نظر سے دیکھے گا تو اسے یہ کام پیشاب اور پاخانے میں لتھڑنے سے زیادہ پلید دکھائی دیں گے کیونکہ کھالینا بنیادی طور پر تو جائز ہے لیکن ان کاموں کا کرنا یقیناً حرام ہے اور حرام چیز کا اثر جائز چیز کے اثر سے بہت پلید ہوا کرتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ اگر یوں کھانا رشوت' کسی پر حملہ' کسے سے کچھ چھین لینا اور دونوں ہاتھوں سے

کھانے کی طرح ہے تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جیسے لوگوں کی نظر میں اچھا بننے والا ہوتا ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہوتا؟

آپ نے فرمایا کہ ان جیسے لوگوں کی پاکیزگی کا پانی پلیدی سے زیادہ پلید نہیں ہوتا کہ اس سے کھائے بغیر پلید ہونے والے سے اتنے پرہیز کی ضرورت پڑے۔

میں نے عرض کی کہ پاکیزگی حاصل کرنے والا شخص اگر اسلامی دور کے قریب کا ہو اور وہ اس کے بعد گناہ نہ کرے تو اس کا حکم کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کا پانی پلید ہے اور یہ ٹھوس بات ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر استعمال شدہ پانی کے مویشیوں کے پیشاب جیسا ہونے کی وجہ کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ بندوں کے چھوٹے گناہ اور ان کا چھوٹے گناہوں کی بجائے بڑے گناہوں میں پڑنا کم ہی ہوتا ہے اور یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ چھوٹے گناہ' بڑے گناہوں اور مکروہ کام کی ویسی ہی درمیانی حالت ہوتی ہے جیسے مویشیوں کا پیشاب' گھنی پلیدی اور معاف شدہ کام کی درمیانی حالت ہوتی ہے۔

رہی تیسری روایت تو وہ اس لئے کہ اس پانی کے ذریعے چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک نہ ہونا دراصل اللہ کے اس حکم کی بناء پر ہے جس میں مسلمانوں کے متعلق اچھا گمان رکھنے کا حکم ہے جبکہ انہوں نے وہ کام کئے جو دوسرے عملوں کی وجہ سے مٹا دیئے گئے چنانچہ انہوں نے وضو اور غسل کیا تو ان پر کوئی گناہ باقی نہ رہا چنانچہ اللہ ان پر اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر راضی ہو' وہ کتنے باریک نظر اور پرہیزگار تھے وقت کے' علاوہ ازیں باقی مجتہد حضرات پر بھی خوش ہو۔

نفل پڑھنے کا فائدہ:

میں نے عرض کی کہ جب گناہوں سے بچنے کی صورت میں پانچ نمازیں ہی اپنے درمیانی وقت کے گناہوں کو مٹا دیتی ہیں تو رسولِ اکرم ﷺ نے ہمیں عام نفلوں کا حکم کیوں دیا ہے؟ کیا یہ ان بڑے گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں جو آگے چل کر ہو سکتے ہیں یا اس نقصان کو پورا کرتے ہیں جو فرضوں میں رہ جاتا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں! یہ اسی نقصان کو پورا کرتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر روایت ہے کہ قیامت کے دن فرضوں کونفلوں کے ذریعے پورا کر دیا جائے گا۔

اس پر میں نے عرض کی کہ روزے کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے فرض کام اس کے نفلی کاموں سے پورے نہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''روزہ میری خاطر رکھا جاتا ہے تو اس کی جزاء میں ہی دوں گا۔''

انہوں نے فرمایا: روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن نفلوں کے ذریعے فرضوں کی کمی پوری کی جائے گی تاہم یوں معلوم ہوتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے میں مخلوق دو طرح ہی کی ہوتی ہے۔

کچھ نفلوں پر زور کیوں؟:

میں نے پوچھا کہ پھر حضرت شارع علیہ السلام نے کچھ نفلوں کے علاوہ دوسرے نفلوں کی تاکید کیوں فرمائی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ آپ نے یہ کام امت کی گنجائش کے لئے کیا تھا کیونکہ ان میں سے بہت سارے ایسے ہوتے ہیں جنہیں اپنی عبادتوں میں خامیاں نظر آتی ہیں تو نفلوں کے ذریعے وہ کمی یقیناً پوری ہو جاتی ہے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر اللہ کا احسان ہوتا ہے تو ان کی نماز حقیقی طور پر پوری ہو جاتی ہے یا وہ خود پوری دیکھتا ہے لہٰذا ان میں کمی پوری کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر وہ یہ نفل پڑھ لے تو دونوں ہاتھوں سے نیکیاں ہی نیکیاں اکٹھی کرلے گا چنانچہ اس سلسلے میں ہر طرح کے لوگ مل جاتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ پھر سورج گرہن، بارش مانگنے، جنازہ پڑھنے اور دونوں عیدیں وغیرہ پڑھنے کے لئے نفلوں کا حکم کیوں ہے جو کسی سبب سے پڑھے جاتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: نفلوں کا حکم اس بناء پر دیا گیا ہے کہ بندہ کھانے کی وجہ سے اللہ کی ان بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھنے سے رہ جاتا ہے جن کے ذریعے وہ اپنے ان خاص بندوں تک کو ڈر سناتا ہے جو حرام اور شبہ والا کھانا کھا جاتے ہیں چنانچہ ہمیں ڈر سنانے کی ضرورت صرف اس وقت ہوتی ہے جب کھانے کی وجہ سے ہم میں غفلت پیدا ہوتی ہے اور ہمارے سامنے رکاوٹ آ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس اللہ نے ہمارے لئے دعا و

استغفار اور تکبیر سے بھری نمازیں مقرر کر دیں‘ خدا نہ کرے ہم ان واجب چیزوں سے رہ جائیں‘ ہمیں اپنے زندہ اور مردہ مسلمان بھائیوں کے کچھ ایسے حقوق پورے کرنے چاہئیں جنہیں ہم غفلت اور خواہشوں میں گرفتار ہو کر ضائع کر بیٹھے ہوں اور پھر اس سے بڑھ کر اس نے دو عیدیں مقرر کیں جن کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں رواج دینے کا مقصد نفسانی خواہشوں میں گھرنے کی وجہ سے نفرت کرنے والے دلوں کو سکون دینا ہے تا کہ پورے دین کا طریقہ سب کے لئے ایک جیسا ہو سکے کیونکہ یہ نفرت اس طریقے کو کمزور کر دیتی ہے جبکہ یہ دونوں عیدیں خوشی اور خوش دلی کے لئے جمعہ سے بھی بڑھ کر ہوتی ہیں چنانچہ یہ خوشی آدمیوں‘ بچوں‘ عورتوں‘ بچیوں‘ خادموں اور غلاموں تک میں دیکھی جا سکتی ہے لہٰذا جب کوئی بھی ایمان دار عیدیں پڑھ لے تو اس کے دل میں کسی بھی مسلمان کے خلاف نفرت نہیں ہونی چاہئے۔ یہ طریقہ عیدوں کے علاوہ بھی ضروری ہے لیکن عیدوں میں اس کا لازمی حکم ہے خصوصاً اس بڑی عید میں حاجیوں کے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہ اس موقع پر اللہ کی خاص حاضری میں ہوتے ہیں اور ڈر یہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ اللہ کی ناراضگی اور بدبختی کا شکار نہ ہو جائیں‘ اللہ معاف فرمائے۔

میں نے پوچھا کہ پھر ہر قسم کی زکوٰۃ کا‘ کھانے سے کیوں تعلق ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم نے نامناسب کھانا کھا لیا جو شریعت میں ہمارے لئے جائز نہ تھا تو اللہ کی اس بادشاہی میں ہم اللہ کی توحید دیکھنے سے رہ جاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم نفسانی خواہش پر مال کھاتے اور مال و اناج جمع کرتے ہیں تو فقیروں‘ مسکینوں اور ہر قسم کے ضرورت مندوں کی روزی گھٹاتے ہیں اور اس مال کے مالک ہونے کی وجہ سے بادشاہ بننے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اللہ کے اس فرمان کو بھول جاتے ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ.

(حدید: ۷)

”اور اس کی راہ میں کچھ وہ خرچ کرو جس میں تمہیں اوروں کا جانشین کیا۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زکوٰۃ کے ہر مال میں سے ایک مقرر حصہ نکالنے کا حکم فرمایا تا کہ ہمیں اور ہمارے ہر

مال کی اس پلیدی کو دور کردے جس کے روکنے سے ہمارا دل سیاہ ہو جاتا اور مال میں برکت گھٹ جاتی ہے جیسے حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور زیادہ دے لیکن نہ دینے والے کا مال تباہ کردے۔''[1] رہے باقی صدقات میں سے زکوٰۃ کے نفل پڑھنا تو یہ اس نقصان کو پورا کرتے ہیں جو نماز کی طرح فرض زکوٰۃ میں رہ جاتا ہے اور یہی حکم روزے اور حج کے نفلوں کا ہے۔

روزہ میں کھانے کی اجازت کیوں اور اسے ڈھال کیوں کہا گیا؟:

میں نے عرض کی کہ روزے کے ساتھ اس کھانے کا کیا معاملہ ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسان کو پاکیزہ بناتا اور بدن میں وہ طاقت پیدا کرتا ہے جس سے وہ توبہ کرتے وقت اللہ کی طرف توجہ کرسکتا ہے کیونکہ اس کے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے، جسم پگھل جاتا اور شیطان کے وہ راستے بند ہوتے ہیں جو کھانے کی وجہ سے کھل جاتے ہیں اور یوں انسان کا بدن شکاری کے جال کے سوراخوں جیسا ہو جاتا ہے لیکن جب بندہ روزہ رکھتا ہے تو شیطان کو روزہ دار کے بدن میں جانے کی راہ نہیں ملتی کیونکہ راستے تنگ ہوتے ہیں چنانچہ وہ چاہتے ہوئے بھی وسوسہ نہیں ڈال سکتا، اسی بناء پر فرمایا گیا ہے کہ ''روزہ ڈھال کی طرح ہوتا ہے۔'' اسے ذہن نشین کرلو۔

تیس یا انتیس روزے کیوں فرض ہوئے؟:

میں نے پوچھا کہ تیس یا انتیس روزے فرض کیوں ہوئے تھے؟

انہوں نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے درخت سے جو پھل کھایا تھا وہ اتنی ہی مدت تک آپ کے پیٹ میں رہا اور اتنی مدت گزرنے پر آپ وہاں سے نکالے گئے تاہم آپ کی اولاد میں یہ حکم اسی طرح باقی رہا اور اگر آپ نے اسے کھایا نہ ہوتا تو روزہ فرض نہ ہوتا اور جب حضرت شارع علیہ السلام جانتے ہیں کہ ہم روکا ہوا کھانا کھاتے ہی رہتے ہیں تو آپ نے ہمارے لئے جمعرات، پیر اور چاند کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کے دنوں کے روزے وغیرہ کا بھی رواج ڈالا اور پھر ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بدن اس درخت کا پھل کھانے کی وجہ سے سیاہ ہوگیا تھا چنانچہ وہ سیاہی انہی تین روشن

---

[1] صہ ۱۰۱ حاشیہ نمبر ۱

راتوں کے دنوں کی وجہ سے دور ہو سکتی ہے چنانچہ ہر گناہگار کے لئے اس کا رواج ہو گیا۔

میں نے عرض کی کہ حج اور عمرے کا اس کھانے سے کیا تعلق بنتا ہے؟

آپ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کرنا ایسے بڑے گناہوں کو دور کرتا ہے جو صرف اسی سے دور ہو سکتے ہیں جیسا کہ حکم دی گئی ہر چیز سے خاص گناہوں کا تعلق ہے جو وہی کام کرنے سے مٹ سکتے ہیں جیسے دل کی آنکھوں والوں کو معلوم ہے اور اگر ہم نے اللہ کی اجازت کے بغیر من پسند چیزیں نہ کھائی ہوتیں تو ان گناہوں میں نہ گھرتے اور نہ ہی انہیں مٹانے کے لئے کسی چیز کی ضرورت پڑتی۔ یہ بات تو ہمارے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ رہی حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں تو درخت سے کھانے کے علاوہ ان کی کوئی بھی کوتاہی نہ تھی لہذا آپ کا اس میں سے کھانا صرف اس بناء پر بنتا ہے کہ آپ کی اولاد سے یہ کام ہونے کا دروازہ کھل سکے چنانچہ اللہ نے انہیں حج کا حکم اسی کھائے جانے والی چیز کی وجہ سے دیا جو گناہ کی ایک صورت تھی۔ اسے ذہن نشین کر لو اور حج کا یہ سلسلہ گناہ مٹانے والا آخری کام بنتا ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں آنے والے یہ الفاظ حج ہی کے مقام پر آئے تھے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.

(الاعراف: ۲۳)

عمر بھر میں صرف ایک بار حج فرض ہونے کی وجہ:

میں نے پوچھا کہ پوری عمر میں صرف ایک بار حج فرض ہونے کی وجہ کیا ہے اور یہ نماز و روزے کی طرح بار بار لازم کیوں نہیں ہوتی؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہمیں سہولت دی گئی ہے اور ہم پر رحمت بنتی ہے کیونکہ ہم کمزور ہیں جبکہ حج کرنے میں ہمارے لئے مشکل بنتی ہے اور خاص طور پر دور سے آنے والوں کے لئے بڑی مشکل بنتی ہے تاہم حضرت آدم علیہ السلام نے ہند سے ایک ہزار پیدل حج کئے تھے کیونکہ آپ کا پکا ارادہ اپنی اولاد کے بہت سارے لوگوں جتنا بنتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر حضرت شارع علیہ السلام نے حج کے علاوہ عمرہ نہ کرنے کا حکم کیوں فرمایا تھا جیسے

ایک روایت میں آتا ہے کہ ''یہ عمرہ ہمیشہ کے لئے حج میں شامل ہو چکا ہے۔''

آپ نے فرمایا: وہ اس لئے کہ حضرت شارع علیہ السلام نے اسے حج ہی کا ایک حصہ دیکھا تھا کیونکہ اس کے سارے کام حج جیسے ہی ہیں چنانچہ جسے مشکل پیش آئے' اسے حج کر لینا ہی کافی ہے تو یہ ایسے ہوا جیسے غسل کے ساتھ وضو کر لینا یا فرض کے ساتھ سنت کا ادا ہو جانا۔

وقوفِ عرفات حج کا پہلا رکن کیوں ہے؟:

میں نے پوچھا کہ میدانِ عرفات میں وقوف کرنا (ٹھہرنا) حج کا پہلا رکن (حصہ) کیوں مقرر ہوا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ حج کا پہلا رکن وقوفِ عرفات بننے کی وجہ یہ ہے کہ جبل عرفات اللہ کے حرم کا وہ دروازہ بنتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند سے آتے وقت یہیں سے داخل ہوئے تھے چنانچہ ان کی ساری اولاد کو حکم ملا کہ وہ حج کے کام یہیں سے شروع کریں اور باپ کی پیروی کرتے ہوئے یہیں سے داخل ہو کر حج کے سارے کام کیا کریں اور پھر حضرت شارع علیہ السلام نے بھی حرمِ کعبہ میں رہنے والوں پر لازم کر دیا کہ وہ وہاں سے عرفات میں جا کر حج کا وقوف کریں۔

میں نے پوچھا کہ پھر مصر و شام' باب المعلاۃ اور باب شبیہ سے مکہ میں داخل ہونے والوں کو جبل عرفات میں وقوف سے پہلے یہاں داخل ہونے کی اجازت کیوں ہے؟

انہوں نے فرمایا: انہیں اجازت بہت زیادہ شوق کی وجہ سے ہے چنانچہ اس شخص جیسے ہیں جو کسی بادشاہ کے پاس جا کر کچھ عرصہ تک فرمانبرداری و خدمت کے حکم کا انتظار کرتا ہے اور جب وہ اسے لازم کام کے لئے جانے کا حکم کرے تو اٹھ کھڑا ہوتا ہے چنانچہ وقوفِ عرفات سے پہلے مکہ کا حج کرنا' حج کے کاموں کے لئے نہیں ہو گا جبکہ طوافِ قدوم کا حکم ان نفلوں جیسا ہے جو فرضوں سے پہلے صرف اس لئے پڑھے جاتے ہیں کہ بندے کو انس حاصل ہو اور وہ پورے طور پر حج کر سکے۔

سلے کپڑے پہننے سے رکاوٹ کیوں؟:

میں نے پوچھا کہ سلے ہوئے کپڑے پہننے سے روکنے کی وجہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ

وہ غریب بن کر اور نیکیاں برائیاں بھول کر بالکل خالی ہاتھ ہو کر آئے کیونکہ مکہ میں ملنے والی اللہ کی مہربانی کسی کے دل پر اسی وقت اترتی ہے جب وہ ان چیزوں کے بغیر آئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَلَمْ نُمَکِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰی اِلَیْهِ ثَمَرَاتُ کُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا.

(القصص: ۵۷)

''کیا ہم نے انہیں جگہ نہ دی، امان والی حرم میں جس کی طرف ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں ہمارے پاس کی روزی سے۔''

اسے ذہن میں بٹھا لو اور اس میں غور کرو کیونکہ احرام باندھنے والا وہاں جا کر گویا نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے جیسے اس حدیث میں اشارہ ہے: ''جو حج کرتے ہوئے برائی اور بدگوئی نہ کرے تو وہ گناہوں سے یوں بچ جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔''[1]

تاہم جو شخص ذرا گہری نظر سے دیکھے تو اپنی تمام نیکیوں کو اس کامل مقام کی وجہ سے گناہ محسوس کرے گا کیونکہ اکثر مخلوق وہ ہے جو اس جگہ کے آداب بجا نہیں لا سکتی۔

میں نے پوچھا کہ اس مقام پر نیکیوں سے رہ جانے کی جگہ کون سی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس میں کئی طرح کے لوگ ہیں اور میرے خیال میں عوام کے لئے اس کا مقام باب المعلاۃ ہے۔

پھر پوچھا کہ برائیوں سے بچنے کا کون سا مقام ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ وہ بھی یونہی ہے اور میرے خیال میں عام لوگوں کے لئے یہ جبل عرفات کا مقام ہے۔

میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر حرم میں داخل ہونے والے کو بہت سے ادب کرنا ہوں گے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! عمر ختم ہو سکتی ہے لیکن ان کا شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ خاص بارگاہ کے یہ خاص ادب ہیں اور سارے عمل ان کے لئے سیڑھی جیسے ہیں۔

۱۔ صہ ۱۰۳ حاشیہ نمبر ۴

میں نے عرض کی کہ حاجی کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے کون سا لباس اور پوشاک ہوگی؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ چیز حضرت محمد ﷺ کی قبر انور کے پاس ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بارگاہ میں آپ کی امت کو اپنی مہربانی اور نعمتیں دکھا سکے۔

میں نے عرض کی کہ کیا رسولِ اکرم ﷺ کی قبر انور پر حاضری دینے والے کا اللہ کی طرف سے یہی لباس بنے گا؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی مہربانی کا شمار نہیں لیکن مکہ یا مدینہ میں علم وعمل یا دین پر تکبر کرنے والے عام طور پر اللہ کی ناراضگی میں آ سکتے ہیں چنانچہ اللہ کا ولی اسے دیکھتے ہی یہ ناراضگی پہچان لیتا ہے، ہم اللہ سے معافی چاہتے ہیں لہٰذا تکبر کرنے سے بچو اور یہ نہ سمجھو کہ صرف تم نے ہی حج کے سارے کام پورے طور پر کئے ہیں جیسے عام طور پر شریعت کو سمجھنے کا دعویٰ کرنے والے کرتے ہیں۔ اللہ تمہیں ہدایت دے۔

حاجی کے لئے قربانی کے بعد تین دن کے روزے کیوں حرام ہیں؟:

میں نے پوچھا کہ حاجی پر اللہ تعالیٰ نے قربانی کے بعد تین دن کے روزے کیوں حرام کئے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام حاجی وہاں اللہ کی مہمانی میں ہوتے ہیں اور ایک مہمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ گھر والے کے ہاں روزہ رکھے، ہاں! وہ چاہے تو رکھ سکتا ہے جبکہ اللہ نے تو انہیں روزہ نہ رکھنے کا حکم دے رکھا ہے بلکہ اگر وہ ان کے لئے روزہ نہ بھی حرام کرتا تو ان کے لئے ضروری ہوتا کہ اس کے ہاں ہوتے ہوئے اس کے سامنے کھانا پینا نعمت جانتے۔

میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر وہاں کا مہمان خانہ ویسا ہی ہوا جیسے نیک لوگوں کا مہمان خانہ ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! مہمانی کا پہلا مقام میزبان کے گھر کے پہلے دروازے پر ہے، دوسرے پر نہیں کیونکہ جب بندے زیارت کے لئے حق تعالیٰ کی طرف آتے ہیں تو وہ انہیں اس پہلے دروازے پر ٹھہراتا ہے جو جبل عرفات ہے جہاں وہ روتے چلاتے اور کئے ہوئے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اس وقت ہوا جب وہ ہندوستان کی سرزمین سے آئے اور جب ان کی طرف سے گریہ زاری اور گڑگڑاہٹ پوری طرح ہو جاتی ہے تو وہ انہیں دوسرے دروازے پر ٹھہراتا ہے جو مشعر الحرام ہے اور مزدلفہ کے

قریب ہے اور جب وہ خوب گڑگڑا لیتے ہیں تو انہیں منیٰ میں ٹھہرنے کا حکم دیتا ہے تا کہ وہ قربانی کریں، یہ تیسرا دروازہ ہے اور جب وہ قربانی کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے گویا وہ اپنے آپ کو ذبح کرتے ہیں کیونکہ یہ قربانی اللہ کی رحمت سے ان کی جان کا بدلہ بن کر شروع ہوئی تھی۔

میں نے پوچھا کہ کچھ اماموں کے مطابق حاجیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے قربانی کے بعد والے تین دنوں میں روزے رکھنا کیوں حرام ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ حاجیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے ان میں روزے نہ رکھنا حاجیوں کی وجہ سے ہے کیونکہ اصل میں یہ روزے انہی پر حرام ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ پوری زمین میں رہنے والی مخلوق کے دل انہی جگہوں کی طرف کھنچے ہوئے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان حاجیوں جیسے ہو جائیں تو گویا وہ وہاں انہی کی طرح ہوتے ہیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کا پیار ہو گا۔"[1] یہ بات ذہن نشین کرلو۔

میں نے پوچھا کہ اکثر لوگوں کا تعلق کعبے کے پردے سے کیا ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: وہ ایسے ہے جیسے کوئی آدمی ایسے موقع پر اپنے ساتھی کا کپڑا پکڑتا ہے جب اس کے اور اس کے ساتھی کے درمیان کوئی غلط فہمی ہوتا کہ وہ اسے معاف کردے اور درگذر کرے۔

ہم نے "اکثر لوگ" اس بناء پر کہا ہے کہ عارف لوگ یوں نہیں کرتے کیونکہ ایسا کرنے میں بڑوں کے ساتھ پورا ادب نہیں رہتا چنانچہ پوری طرح حج کرنے پر حضرت آدم علیہ السلام کی پوری توبہ ہوگئی اور آپ کی وجہ سے آپ کی اولاد کی توبہ بھی پوری ہو جاتی ہے۔

ہم نے پوری توبہ اس لئے کہا ہے کہ آپ کو اس موقع پر شرمساری ہوئی جب آپ نے درخت کا پھل کھایا تھا چنانچہ لازمی طور پر ہر مومن کے ساتھ یونہی ہوتا ہے کہ گناہ کے بعد وہ شرمسار ہوتا ہے اور یہ شرمساری ہی توبہ کا لازمی حصہ ہے اور جو اس سے بھی بڑھ جائے تو وہ اسی کی وجہ سے ہوگی چنانچہ بتاتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کا حج کیا تو عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بخش دینا۔"

---

[1] صفحہ ۱۰۵ حاشیہ نمبر ا

جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! ہم نے تمہارا گناہ تمہاری شرمساری پر بخش دیا تھا' رہی تمہاری اولاد تو ان میں سے جو شخص شرک نہ کرتے ہوئے میرے پاس آئے گا تو میں اس کے گناہ بخش دوں گا۔ واللہ اعلم

میں نے پوچھا کہ خرید وفروخت کے علاوہ دوسرے معاملات کا کھانے سے کیا تعلق ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کھائے گا تو پردے میں جا کر ڈرے گا اور ظلم کرے گا چنانچہ اس کا ڈر اور ظلم دور کرنے کے لئے خرید وفروخت جائز کی گئی کیونکہ جب وہ خریدے بغیر لوگوں کا مال کھائے گا تو اس کا دل لالچی ہوگا اور دل تاریک ہو جائے گا کیونکہ اس نے لوگوں کا مال غلط طریقے سے کھایا ہوگا اور جب اس کا دل تاریک ہوگا تو وہ ضرورت مند لوگوں کو قرض دیتے وقت سود کمائے گا' لوگوں کا مال چھینے گا' خوراک روک رکھے گا اور لوگوں کے حقوق کا انکار کرے گا چنانچہ اسے حکم دیا گیا کہ ہر حقدار کو اس وقت اس کا حق دیا کرے جب انصاف والے گواہ موجود ہوں تاکہ دنیاداروں کے جھگڑوں میں ان کے پاس جا سکے جبکہ حضرت شارع علیہ السلام نے سَلَم' رہن' عاریت' ودیعت' شرکت' وکالت' شفعہ' حوالہ' ضمان اور قرض دار قرض ادا نہ کر سکے تو کچھ قرض دے کر صلح کرے' مساقات' قراض' اجارہ' لقطہ اور جعالہ جیسے بہت سے کاموں کو رواج دیا تاکہ وہ آپس میں نیکی اور اللہ سے ڈرنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں جبکہ گناہ اور اس زیادتی میں تعاون نہ کریں جو کھانے سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر فرشتے اس سے الگ تھلگ ہیں۔

میں نے پوچھا کہ کسی کو تحفہ وغیرہ دینے کا خرید وفروخت سے کیا تعلق ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی اس سے تعلق کی وجہ خرید وفروخت کے ذریعے حاصل ہونے والی نعمت کا شکر ہے چنانچہ یہ صدقہ کے علاوہ ایک دوسری قسم ہے کیونکہ یہ بہترین خلق ہے اور وراثت کا مال تقسیم کرنے میں بھی یہی بات سامنے آتی ہے کیونکہ اس کھانے کے ذریعے مخلوق پردے میں چلی جاتی ہے اس لئے کہ جب وہ پردے میں چلے جائیں گے تو ان میں سے ہر ایک یہ چاہے گا کہ وراثت والے کا سارا حصہ وہ خود ہی لے' کسی دوسرے وارث کو کچھ بھی نہ دے چنانچہ حضرت شارع علیہ السلام نے لوگوں کے ڈر اور جھگڑا ختم کرنے کے لئے ہر ہر وارث کا ایک حصہ مقرر کر دیا۔ واللہ اعلم

میں نے پوچھا کہ کھانے کے ساتھ نکاح' اس کی حد بندی اور باقی چیزوں کا کیا تعلق ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کی خواہش کھانے پینے ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر وہ حلال کھائے گا تو اسے حلال نکاح ہی کی ضرورت ہوگی لیکن حرام کھائے گا تو زنا کیا کرے گا جیسے زخمی کرنے اور سزاؤں کے بیان میں آئے گا اور اگر یہ نہ کھاتا تو خواہش بھی پیدا نہ ہوتی اور لوگ فرشتوں جیسے ہوتے اور حضرت شارع علیہ السلام نے نکاح کا حکم فرمایا ہوا ہے کہ "تم میں سے شرارتی لوگ شادی کے بغیر رہنے والے لوگ ہیں۔" آپ نے ہم پر شفقت کرتے اور دلیری دیتے ہوئے صرف طبعی کمزوری کا ذکر نہیں فرمایا اور اس لئے بھی کہ ہم اپنے ہر کئے جانے والے کام میں اللہ کا حکم مانا کریں جس کی وجہ سے ہم کو ثواب ملے، ہماری نسل بڑھے اور اولاد بڑھے تاکہ وہ ہمارے لئے بخشش کی دعا کریں اور ان کے کئے ہوئے عمل ہمارے اعمال ناموں میں آجائیں اور اللہ تعالیٰ ان کی وہ دعا قبول کرے جو وہ ہماری بخشش اور ہمارے گناہوں سے درگذر کرنے کے بارے میں کریں اور اسی کی وجہ سے زنا کی خواہش کے دور ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حرام عورتوں سے بھی نکاح نہیں کرے گا جو حرام کھانے اور شبہ والا کھانا کھانے کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے۔

حق مہر لازم ہونے کی وجہ:

رہا حق مہر اور بیویوں میں انصاف سے چلنا تو یہ اس وجہ سے لازم ہوا تاکہ آدمی عورت سے نکاح کا سوال کرے تو دل اس کے جواب کے لئے کھنچ آئیں اور جب کچھ کی طرف ان کا جھکاؤ ہوگا تو گویا اس پر عمل ہوگیا، خوف جاتا رہا اور کھانے کے رکاوٹ سے پیدا ہونے والا ظلم بھی ختم ہوگا، رہا خلع، ایلاء اور ظہار کرنا تو اس کی وجہ بھی کھانا ہی ہوتا ہے۔ خصوصاً جب پیٹ بھر کر کھائے کیونکہ جب وہ پیٹ بھر لے گا تو اکڑے گا تو اس کے اعضاء بھوکے ہوں گے جس کی وجہ سے وہ جھگڑے گا اور گناہ میں پڑے گا، اس سلسلے میں سب سے پہلے اس کی بیوی ہوگی چنانچہ وہ اس سے جھگڑا کرے گا اور سوتنوں کی غیرت دلائے گا جس سے وہ طلاق کا مطالبہ کرے چنانچہ وہ اس سے خلع (علیحدگی) کرے گا یا بن مانگے شروع ہی میں اسے طلاق دے دے گا یا اسے ناپسند کرے گا اور اس سے اچھی بیوی چاہے گا، اس دوران وہ اس سے ہمبستر نہ ہوگا اور ماں بہن کہے گا اور جب دل اس کی طرف توجہ سے پریشان ہوگا تو اس سے دوبارہ ملنا چاہے گا یا نہ چاہے گا اور پھر عدت، استبراء اور رضاع سب نکاح کی وجہ سے ہوتے ہیں جو میاں بیوی کی جدائی، طلاق، بستر چھن جانے یا دودھ پیتے بچے

بچی کی موجودگی کی وجہ سے ہوا کرتے ہیں لہٰذا شریعت نے ان سب کی حدیں مقرر کر رکھی ہیں تا کہ دودھ پلانے والی ماں کے حق سے بخل نہ ہو سکے پھر خرچے دینا بھی نکاح ہی کی وجہ سے ہوتا ہے بشرطیکہ عورت گناہ سے بچے یا حمل موجود ہونے کی رکاوٹ ختم ہو جائے۔ رہا والدین' قریبی رشتہ داروں' غلام اور مویشیوں کا خرچہ تو اس سلسلے میں آپ کا حکم ہمیں اس غفلت کی وجہ سے ہے کہ ہم حرام اور شبہ والا کھانا کھانے کی وجہ سے ان کے حقوق ادا نہیں کر پاتے کیونکہ اگر یہ رکاوٹ نہ ہوتی تو ہمیں اس حکم کی ضرورت ہی نہ پڑتی' اس لئے کہ والدین اور صلہ رحمی کا حق ہی بڑی چیز ہے کہ ہم اسی وجہ سے وجود میں آئے۔ انہوں نے ہماری پریشانیاں اور غم برداشت کئے' صحت و بیماری کے دوران ہماری خدمت کرتے رہے' ہمیں اور ہمارے ساز و سامان کو ان شہروں کی طرف اٹھاتے پھرے جن کی طرف ہمارے ساز و سامان تو کیا ہم خود بھی نہیں جا سکتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ.

(البقرہ: ۲۳۷)

''اور آپس میں ایک دوسرے کے احسان کو بھلا نہ دو۔''

واللہ غفور رحیم

میں نے پوچھا کہ یہ شرعی سزائیں کھانے سے کیا تعلق رکھتی ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ تو ظاہری ہے جسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ انسان جب بھوکا ہوتا ہے تو اس کے اعضاء کی حرکت سست ہو جاتی ہے چنانچہ جب تم اس سے کلام کرتے ہو تو وہ تمہیں جواب نہیں دے سکتا اور جب من پسند کھانے کھا کر سیر ہو یا نہ ہو تو گناہ کرتا اور حدیں پار کرتا ہے چنانچہ ناحق طور پر قتل کرتا' عضو کاٹتا یا زخمی کرتا' چوری کرتا' ڈاکے ڈالتا' شراب پیتا' زنا کرتا' لوگوں پر تہمتیں لگاتا' جھوٹی سچی قسمیں کھاتا اور مال خرچ کرنے میں بخیلی کرتا ہے تو اس صورت میں وہ مصیبت دور ہونے پر اپنے مسلمان بھائی کا نذر کے طور پر لحاظ کرتا ہے' یہ سب کچھ اس کے مال سے پیار کا نتیجہ ہے' پھر وہ جھوٹ وعدے کرتا' لاعلمی میں گواہیاں دیتا اور لاعلمی ہی میں اللہ کے حکموں پر فیصلے کرتا ہے۔ تاہم اگر یہ مال نہ کھاتا یا ضرورت کا مال

حلال بنا کر کھاتا تو ان گذشتہ گناہوں میں گرفتار نہ ہوتا چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ایسے گناہ کرنے والوں کے لئے حکم فرمایا کہ ان کا بدلہ دینے کے لئے تیار رہیں تاکہ ان کو وہ سزائیں دی جاسکیں جو اللہ کی شریعت میں ان پر لاگو ہوتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ دنیا کے اس نظام کو اس خرابی سے بچایا جا سکے جو کھانے کی وجہ سے ہو جایا کرتی ہے۔ رہا یہ کہ کچھ جرموں پر غلام آزاد کرنے' کھانا کھلانے' لباس دینے یا روزے کا حکم ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ جرم کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ غلام آزاد کرنے' اسے مدبر کرنے اور ام ولد عورت کی اولاد کی بیع حرام کرنے کا اس کھانے سے کیا تعلق ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ قرآن میں موجود ہے اور کسی کو مدبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آقا اور غلام میں حرص موجود ہو' غلام کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے لئے غلام رہنا آزاد ہونے سے بہتر ہے اور آقا کا اس بات سے ناواقف ہو کہ مکاتب کا مال نہ لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں میں حرص اور لاعلمی کھانے کے پردے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ام ولد عورتوں کی بیع حرام ہونے اور آقا کے ان کے حقوق بھول جانے میں موجود ہے کیونکہ وہ ان کی بیویاں رہ چکی ہوتی ہیں اور ان پانی (مادہ منویہ) ان کے پانی سے ملتا رہا تھا چنانچہ انہیں آزاد کر دینا اس بھول کا کفارہ ہوتا ہے جس کی وجہ کھانے کا پردہ ہی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

میں نے عرض کی کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور ان کے نائب' امیر' قاضی اور ان کے پیروکاروں کا اس کھانے سے کیا تعلق ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے اور وہ یہ کہ اگر حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور ان کے نائب لوگ نہ ہوتے تو شریعت کا کوئی بھی حکم لاگو نہ ہوتا' لوگوں پر کوئی سزا لاگو نہ ہوتی اور نہ ہی دین اسلام کی کوئی علامت ہوتی' ان سب چیزوں میں خرابی صرف کھانے کے پردے کی وجہ سے ہوئی کیونکہ اگر کھانا نہ ہوتا تو ہم اللہ کی حدوں کو پار نہ کرتے' نہ ہمیں امام مقرر کرنے کی ضرورت پڑتی اور نہ ہی ان کا نائب بنانا پڑتا اور ہم ہر ایک کو اس کا حق اس کے مانگنے سے پہلے دے دیتے جو ہم پر لازم تھا جیسے اولیاء کرام کرتے ہیں اور جب پوری مخلوق یوں نہیں کر سکتی تو ان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ کوئی طاقتور انہیں سنبھالے تاکہ وہ اپنا آپ' اپنا

مال اور اہل وعیال کو بدکار اور سرپھرے لوگوں سے بچا سکیں اور پھر مسلمانوں کے بیت المال کو کچھ دے سکیں لیکن دبدبے والے لوگ اگر نہ ہوتے تو نہ ہمارے معاملات سنبھلتے' نہ جہاد ہوتا' نہ فوجیں اکٹھی کی جاتیں اور نہ ہی وہ بیت المال ہوتا جس میں سے لشکروں پر خرچہ ہوتا ہے اور یوں سارے لوگوں کے کام سنبھل نہ پاتے۔

والحمد للہ رب العالمین

یاقــوت

کیا دانہ کھانے پر حضرت آدم علیہ السلام کا مرتبہ گھٹ گیا تھا؟

میں نے پیر بھائی حضرت افضل الدین رحمہ اللہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے درخت میں سے کھانے کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس نے ان کے مرتبے میں کمی تو نہیں کی تھی؟

انہوں نے فرمایا: ٹھوس عالم اور عارف لوگ مل کر یہ بات کہتے ہیں کہ اس سے ان کے مرتبے میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اس سے ان کا مرتبہ بڑھا اور وہ کمال پر پہنچے کیونکہ انبیاء علیہم السلام ہر وقت ترقی کرتے رہتے ہیں بلکہ وہ ترقی کرتے ہوئے پہلے حال سے اعلیٰ حال میں پہنچ جاتے ہیں چنانچہ حضرت بومدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر میں حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ پر ہوتا تو پورا درخت ہی کھا جاتا کیونکہ اسے کھانے پر برکت حاصل ہوتی ہے (حضرت آدم علیہ السلام کا مرتبہ بڑھنے کی وجہ یہ ہے) کیونکہ ان کی اولاد جسموں کے اس جہان میں جو بھی نیکیاں کرتی ہے' انہیں بھی اتنی نیکیاں مل رہی ہیں جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روحوں کے جہان میں اتنی ہی نیکیاں ملتی جا رہی ہیں کیونکہ وہ تمام روحوں کے باپ ہیں اور ان سب کے گناہوں کا بوجھ ذرہ بھر بھی آپ پر نہیں ہے۔

میں نے کہا کہ حضرت ابومدین رحمہ اللہ کے اس فرمان کا مطلب کیا ہے؟ ''کہ میں پورا درخت کھا جاتا۔''

انہوں نے کہا: اگر میرے مقدر میں لکھا ہوتا کہ سارے لوگوں کے گناہ میرے کھاتے میں جمع ہو جائیں تو میں اس سلسلے میں اللہ سے سوال کرتا جس پر وہ سارے گناہ میرے پیٹ میں آ جاتے اور میں حضرت آدم علیہ السلام کی پوری اولاد کو ان کے ان گناہوں سے دھو دیتا جو وہ مخالفت کی بناء پر کرتے ہیں۔

میں نے ان سے کہا کہ یہ تو ایسی انوکھی بات ہے کہ کہیں سے بھی سننے میں نہیں آئی؟

انہوں نے کہا کہ ہاں! ہر دور میں ہر کامل کے لئے یونہی ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا یہ معاملہ آپ کے بعد وراثت کے طور پر یونہی رہا ہے یا وہ غلطیوں کی وجہ سے کم درجہ ہوتے رہیں گے؟

انہوں نے بتایا کہ آپ کی پوری اولاد کا معاملہ یونہی رہے گا کیونکہ جب اللہ کا کوئی حکم آ جاتا ہے تو قیامت تک ویسے ہی رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہو جانے والا کام ہی بتاتا ہے۔ ہاں! وہ حکم اس بناء پر ہوتا ہے کہ اللہ نے اس دنیا میں اسے کرنا ہوتا ہے۔

میں نے کہا کہ اس میں شرمندگی اور بہت سا استغفار کرنا ہوتا ہے؟

انہوں نے کہا کہ یوں کرنا ہی پڑتا ہے ورنہ یقینی طور پر ان کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے کیونکہ جب وہ دشمن اور شیطان کے بھائی بن گئے تو پتہ چلا کہ خاص مومنوں میں سے کوئی بھی کسی غلطی کی بناء پر عام سوچ کے خلاف اپنے بلند مرتبے سے نہیں گر سکتا اور خاص طور پر غلطی والا جب دیکھتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کا سر جھک گیا ہے تو وہ کسی کے سامنے شرمندگی، عاجزی، وحشت، ذلت اور مسکینی کی وجہ سے اسے اٹھا نہیں سکتا خواہ وہ بیکار ہوتا، تکبر کرتا اور کامل ہو کر دکھاتا ہو لہذا اے بھائی! کسی بھی غلطی پر تم اللہ کی رحمت سے بے امید نہ ہو جانا کیونکہ عبادتوں کی وجہ سے تمہارے دل میں ایک انسان ہوتا ہے جو ہٹ جاتا ہے اور اس کے بعد وحشت ہوتی ہے اور وہ اللہ سے کٹ جاتا ہے کیونکہ تم ایک بنیاد پر بیٹھے ہو تو دیکھو مٹی کا اللہ سے کیا مقابلہ؟ اس سلسلے میں ابن عطائ رحمہ اللہ نے ''الحکم العطائیہ'' میں لکھا ہے: ''وہ گناہ جو ذلیل کرے اور عاجز بنا دے اس عبادت سے بہتر ہوتا ہے جو ابھارے اور تکبر میں ڈال دے۔''

یہاں تکبر والا بننے سے مراد وہ چیز ہے جو عبادت والے کے دل میں کھٹکے کہ وہ فلاں گناہ گار سے بہتر ہے کیونکہ ایسے موقع پر وہ گنہگار اس سے بہتر حال والا ہو جائے گا۔ اسے ذہن نشین کر لو۔

درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام نے ظاہری طور پر (دنیاوی) جنت میں ہونے والے اپنے واقعہ کا دروازہ کھولا تھا کیونکہ آپ نے وہاں یوں ہمبستری کی تھی جیسے دلہنوں سے کی جاتی ہے جبکہ فرشتے شرمندگی سے آپ

کے سامنے نظریں جھکائے کھڑے تھے' انہوں نے آپ پر تحفے چھڑکے اور خوشبوئیں ڈالیں۔ یہ سب کچھ ظہر کے بعد ہوا اور جب عصر کا وقت ہوا تو آپ نے درخت میں سے کھالیا اور پھر ان کے ساتھ ساتھ حضرت حوا علیہما السلام سے پوشاکیں اور تاج اڑ گئے اور دونوں کو آواز دی گئی کہ انکار کرنے والا میرے پاس نہ رہے (آگے پورا واقعہ ہے) جبکہ باطنی طور پر ہر عارف کے لئے یہ ایک سبب تھا کہ اس کے ذریعے اسے جدائی کی تکلیف معلوم ہوسکے تاکہ وہ ملاپ کا مزہ جان سکے اور اپنے رب کو دونوں طریقوں سے پہچان سکے جس سے وہ پورا مرد اور خلیفہ بن جائے کیونکہ صرف ایک راہ دیکھنے والا ناقص' بھینگا اور مایوس ہوا کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بڑ مارتا اور تکبر کرتا ہے چنانچہ تازہ دودھ کو دیکھو کہ اسے بدبودار نمکین ہوا کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتو وہ دودھ خراب ہو جائے گا اور رکھنے اور روکنے کے قابل نہ ہوگا۔ یہ بات ذہن میں سمالو۔

میں نے کہا کہ پھر آپ کی اولاد میں سے کامل شخص وہ ہوگا جس کے جسم اور بدن میں اللہ کے سارے نام اوپر نیچے پھرتے رہیں؟

انہوں نے کہا کہ ہاں! آدمی اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک بہت ناموں کے لئے آسمان نہیں بنتا اور اس سلسلے میں آپ نے کافی گفتگو کی۔

یاقوت

میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے کہہ رہا تھا کہ وہ کتاب لکھو جس میں عملوں کے وزن کا ذکر ہو جس پر میں نے ہاں کر دی۔ اس نے کہا کہ کسی بندے کے لئے یہ مناسب نہیں کہ آنے والے وقت میں اس کا دل اپنی مرضی سے کوئی کام کرنے یا نہ کونے میں لگا رہے' اس کے لئے لازم ہے کہ جو کچھ ہم نے اس کے لئے ظاہر کر دیا ہے اسے دیتا جائے چنانچہ اگر وہ عبادت ہوگی تو ہم اسے سراہیں گے اور اس کی کوتاہی پر پردہ ڈال دیں گے لیکن اگر کوتاہی ہوئی تو ہم اس کی قسمت کے لکھے کو سراہیں گے اور اس کے ایسے کام کو بخش دیں گے جو اس نے ہماری مخالفت میں کئے اور اگر وہ کام غفلت اور بھول کا ہوا تو ہمیں وہ کچھ کرنا ہوگا جو اس کے لائق ہوگا اور ہم نے تمہارے ہاتھوں ہونے والے ہر کام میں سمجھنے کے لئے تمہیں اپنا ادب بتا دیا ہے۔

یکا یک دیکھا تو میرے پیر بھائی افضل الدین مجھے کہہ رہے تھے کہ بھولنے سے پہلے پہلے غائبانہ عظیم

بات لکھ لو۔ اتنے میں میں بیدار ہو گیا۔ اسے خود لکھا اور پھر کافی سارے فقہاء نے بھی لکھ لیا کیونکہ یہ چیز ان کے کئے ہوئے عملوں کے لئے ایک ترازو تھی جن میں سے ایک بھی حکم اس سے باہر نہ تھا اور جو شخص اس ہاتف (غائبانہ خبر) کو سمجھ کر پورے شوق سے دل میں بٹھا لے تو آنے والی کام کرنے نہ کرنے والی تقدیروں میں جھگڑے سے بچ جائے گا کیونکہ بندہ کے لئے اس تقدیر پر کوئی چارہ نہیں ہوتا جو اللہ کی طرف سے ہو چکی ہوتی ہے جیسے بتایا جا چکا ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنے اعضاء کا گویا دروازہ بنے چنانچہ اس کے ہاتھوں کے ذریعے پسندیدہ یا ناپسند کام ہو اور وہ اس کا وہ حق ادا کرے جسے حضرت شارع علیہ السلام نے اس کے لئے بنایا ہے لیکن جو کام دیکھنے میں نہیں آیا تو اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اسے تولا جائے گا کیونکہ اس کی صورت ہی دکھائی نہیں دے سکی ہوتی تو اے بھائی! اگر تم یہ سمجھو کہ شریعت کھلے کام میں نظر آتی ہے تو اپنے دل کی طرف دیکھو، اگر وہ ایسا کام کرتے وقت دھڑکتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ پھر برا ہے لیکن اگر یہ دیکھو کہ وہ مطمئن اور سکون میں ہے تو سمجھ لو کہ وہ اچھا ہے، یہ وہ بات ہے کہ جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی جس کی وجہ یہ ہے کہ دل ہر وقت بارگاہ الٰہی کے سامنے جھکا ہوتا ہے اور جب اس کی طرف وہ شخص آ جائے جو اسے بارگاہِ الٰہی سے ہٹا لے تو پھر اس کے لئے پریشان ہو جاتا ہے۔ اس بات میں غور کر لو۔

اس پر میں نے کہا: کبھی آدمی اس غیبی آواز پر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ذریعے ایسے کام کرنے میں ڈھیل دی جا رہی ہے جو مشورہ اور استخارہ جیسے آئندہ آنے والے دوسرے کاموں کے لئے وسیلہ ہے چنانچہ وہ سوچتا ہے کہ استخارہ اور مشورہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے، وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔ اس میں اسے استخارہ کرنے اور مشورہ لینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں ہم غیبی آواز سے غلط سمجھنے والے کو کہیں گے کہ اے بھائی! یہ بات ذہن میں رکھو کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ استخارہ اور مشورہ ایسے کام ہیں کہ جن کے بارے میں شریعت کا حکم موجود ہے چنانچہ انہیں بھی اسی طرح سمجھا جائے گا جیسے ہمارے ہاتھوں ہونے والے باطنی یا ظاہری کام ہوتے ہیں، اس میں انہیں کرنے اور نہ کرنے والا برابر ہوتا ہے تاہم شریعت نے انہیں جائز کر رکھا ہے چنانچہ اگر یہ ہو جائیں تو اپنے اس کام پر اللہ کا شکر کرو لیکن نہیں ہوتے تو اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے سے بخشش مانگو اور اس عبادت کے نہ ہونے پر اللہ کی حمد و ثناء کرو کیونکہ وہ تمہارے فائدے کی

باتیں تجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ماس

اللہ سے خوف کے باوجود ابلیس بدبخت کیوں ٹھہرا؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے عرض کی کہ ابلیس اللہ کے اس فرمان کے باوجود بدبخت کیوں ٹھہرا کہ وہ اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہے' صرف اس بناء پر کہ وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور اس نے اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ کا کفر کیا کیونکہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ بلاشبہ موحد (اللہ کو ایک ماننے والا) ہوتا ہے اور جو کافر سے کنارہ کر لے وہ یقیناً مومن ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس وقت کی یہ بات دہرائی تھی جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اندرونی طور پر وہ اللہ پر یقین رکھتا ہو کیونکہ منافق لوگ یونہی کیا کرتے ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس موقع پر وہ ایمان لا چکا تھا تو پھر بھی اسے ساتھی نہیں کہا جا سکے گا۔ پھر اے بھائی! تم کیا جانو کہ شاید اس شبہ کی وجہ سے مشرک ہو کر مرے جو اس کی نظر میں اسے پڑا تھا کیونکہ وہ پہلا ایسا شخص ہے جس نے جہان میں کفر اور شرک کر کے دکھایا جس کی وجہ سے سارے دوزخیوں کے بوجھ اسی پر ہیں جو یہی کام کر چکے ہیں۔

کیا ابلیس اسلام لا سکتا ہے؟:

ابلیس کے بارے میں علماء کے درمیان یہ اختلاف چلا آیا ہے کہ وہ اسلام لا سکتا ہے یا نہیں؟ اس اختلاف کی بنیاد حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے اس پر قابو دیا ہے چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔"[1] ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جنہوں نے اَسْلَمُ کے لفظ میں میم پر پیش پڑھی ہے جس کا معنی بنتا ہے کہ میں اس سے بچ گیا ہوں اور کچھ نے اس میم پر زبر پڑھی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

۱۔ صہ ۱۱۰ نمبر ۱

زبرجد

کیا جنوں اور انسانوں کے علاوہ بھی کوئی بد بخت ہو سکتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا فرشتوں، حیوانوں، نباتات اور معدنی چیزوں میں سے بھی کوئی چیز بد بخت ہو سکتی ہے یا ان میں سے ہر شے اللہ کے ہاں نیک بخت شمار ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں جنوں اور انسانوں کے علاوہ ہر شے نیک شمار ہوتی ہے اور اس میں ذرہ بھر بھی بد بختی موجود نہیں ہوتی۔

میں نے عرض کی کہ اس کا سبب کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس لئے کہ انہیں ایسے مقامات پر پیدا کیا گیا ہے جو جہاں سے وہ اِدھر اُدھر نہیں ہوتے اور نہ ہی نیچے اترتے ہیں لیکن بد بختی اس میں آتی ہے جس میں ترقی ممکن ہوتی ہے چنانچہ اسے اللہ کی طرف سے بلایا جاتا ہے تو وہ مانتا ہی نہیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا سلوک کا لفظ صرف بلند مرتبہ کے لئے بولا جاتا ہے یا اس کے ساتھ ساتھ کم مرتبہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ دونوں پر بولا جاتا ہے چنانچہ سلوک والا شخص شریعت کے مطابق کی گئی دعا قبول ہونے پر بلند مقام حاصل کرتا ہے لیکن حکم ملے بغیر اپنے ارادے پر چلنے والا گھٹیا مرتبہ پر ہوتا ہے چنانچہ ان میں سے نیک بخت بھی ہوتے ہیں اور بد بخت بھی۔

میں نے پوچھا: کیا کسی مخلوق کے لئے ممکن ہے کہ اسے اپنے انتہائی کم مرتبہ تک کا علم ہو؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا ہر شے ممکن ہوتی ہے اور کوئی ممکن بھی اپنی ذات کے لئے مقرر مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ یہ کام وہ کر سکتا ہے جو اپنے قدیم علم کی بناء پر اسے نہ پیدا کرنے کی بجائے پیدا کر دیتا ہے کیونکہ معلوم چیز وہ ہوتی ہے جسے وہ اپنا علم دیتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اسے کون سا علم ملے گا؟ کائنات کی زیادہ سے زیادہ پہچان یہ ہے کہ وہ اپنا مرتبہ پہچان سکتا ہے، پورا پورا علم نہیں رکھتا

چنانچہ اسی بناء پر بڑے بزرگ ڈرتے رہتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر یہ ترقی نام کی چیز ہمارے لئے آزمائش اور مصیبت بنے گی، عزت تو نہیں ہو گی؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! بات تو یونہی ہے اس لئے کہ اگر یہ کام عزت ہوتا تو انسانوں اور جنوں میں سے کوئی بھی بد بخت نہ ہوتا بلکہ سارے کے سارے نیک بخت ہوتے تاہم ذاتی طور پر اللہ کی ذات یہ چاہتی ہے کہ جہان میں مصیبت بھی رہے اور امن بھی۔ واللہ اعلم

یاقوت

جس کی باگ ڈور اللہ کے قبضے میں ہو، وہ تکبر نہیں کرتا:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ جو شخص باگ ڈور اللہ کے قبضے میں بتائے اس کے بارے میں تکبر کا سوچا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ عربوں کے نزدیک باگ ڈور کا کسی کے قبضے میں ہونا آدمی کو نیچا کر دکھاتا ہے۔

میں نے کہا: یوں تو پھر جسے یہ پتہ نہ چل سکے کہ اس کی باگ ڈور اللہ کے قبضے میں ہے تو وہ لازمی طور پر تکبر میں ہو گا؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! ابتدائی طور پر تکبر سے صرف انبیاء علیہم السلام ہی بچ سکتے ہیں۔ رہی ان کی امتیں تو وہ نہیں بچ سکتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو دوسروں کے لئے ہنسی کی جگہ بنائے تاہم جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مہربان ہوتا ہے تو دوسری حالت میں اسے توفیق دیتا اور مہربانی کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ لازماً طور پر عبادت کرتا ہے اور پھر پوری اس مخلوق میں شامل ہو جاتا ہے جو تکبر کرنا ہی نہیں جانتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

میں نے یوں فرماتے بھی سنا کہ اللہ قدوس ہر پاکیزہ کام ہی کرتا ہے جس پر میں نے کہا کہ پھر مشرک شخص میں پلیدی کہاں سے آ گئی؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ شرک کی وجہ سے ہوتی ہے جبکہ پیدا ہونے کے موقع پر وہ صحیح راہ پر چلنے والا پیدا ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ انسان کے لئے سب سے بڑی پلیدی کون سی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ شرک اور اس کے بعد دنیا کی محبت بڑی پلیدی ہے۔

میں نے پوچھا کہ آپ نے شرک کے بارے میں یہ کیوں فرمایا ہے کہ یہ بعد میں پیدا ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی حقیقی چیزوں میں اس کا کوئی وجود ہی نہیں ملتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے شریک کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

دن بھر کی روزی ہونے پر سوال کرنا جائز نہیں:

میں نے انہیں فرماتے سنا کہ تمہارے پاس ایک دن کی روزی ہو تو سوال کرنے سے باز رہو کیونکہ یہ بیکار سی بات ہو گی لیکن اگر بن مانگے تمہارے پاس سال بھر کی روزی آ جائے تو لے لو کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مــاس

ہر انسان کا دل، مال والی جگہ پر ہوتا ہے، فرمان عیسیٰ علیہ السلام:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بات کا مطلب پوچھا جو انہوں نے اپنے حواریوں (ساتھیوں) سے کی تھی کہ "ہر انسان کا دل وہاں ہوتا ہے جہاں اس کا مال ہو لہٰذا اپنا مال آسمانوں میں رکھو تاکہ تمہارا دل آسمانوں میں ہو۔"

آپ نے فرمایا کہ ہمیں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کی طرف سے یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے ہم سے فرمایا تھا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے یہ بات انہیں صدقہ کا شوق دلانے کے لئے کہی تھی اور حدیث میں آتا ہے کہ صدقہ اللہ رحمٰن کے ہاتھوں میں جاتا ہے جبکہ وہ عرش پر جلوہ افروز ہے اور قرآن کریم میں ہے:

ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ.

(الملک: ۱۶)

"کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے۔"

یعنی تمہیں ناراضگی ہونے کی صورت میں دھنسا دے لہٰذا اس کی ناراضگی والی راہوں سے بچو' حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''صدقہ اللہ کی ناراضگی کو ختم کر دیتا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کتنی عجیب' باریک اور میٹھی بات کی تھی اور جب سامری کے دل میں وہی بات آئی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ مال و دولت کی محبت دل کی گہرائی میں ہوتی ہے تو بنو اسرائیل کے سامنے اس نے انہی کے زیور سے بچھڑا بنا دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان کے دل مال کی طرف کھنچے ہوئے ہیں لہٰذا جلدی میں انہوں نے اس بچھڑے کی پوجا شروع کر دی جب اس نے انہیں پوجنے کے لئے بلایا۔ ہاں! اگر وہ پتھر کا بنا ہوتا تو یوں جلدی نہ کرتے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔

میں نے عرض کی کہ پھر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ خطاب صرف اس مومن کے لئے بنتا ہے جو مال کو اللہ کے قبضے میں ہونا نہیں جانتا' رہا عارف شخص تو اس کا دل ایسا نہیں ہوتا جو مال کی طرف جھکاؤ کرے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! وہ مومن اسی غلط فہمی میں ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ جب عارف شخص اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے مال کا مالک ہی نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے قبضے میں مال پر زکوٰۃ کیونکر فرض کی ہے کیونکہ کوئی بھی چیز مالک ہونے ہی پر لازم ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ عارف شخص کا معاملہ ہی کچھ اور ہے کیونکہ اس میں ایک چیز ایسی ہوتی ہے جس کے مالک ہونے کا وہ دعویٰ کرتا ہے لیکن کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا دعویٰ نہیں کیا جاتا' چاہو تو یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ ہر عارف مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے چنانچہ وہ مالک ہونے کا دعویٰ کرنے کی صورت میں اللہ کا خلیفہ بنتے ہوئے مال کو اپنے قبضے میں سمجھتا ہے تاکہ وہ اس مال میں سے اللہ کے ضرورت مند بندوں کو دے سکے چنانچہ اس مقام پر وہ شخص وصیت کئے جانے والے اس شخص جیسا ہوگا جسے اس کا مالک اپنے مال میں سے زکوٰۃ دینے کو کہے تو وہ نکال سکے۔ ایسا شخص اگر مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ درست ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے خرچ کرنے کا اختیار دیا ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ.

(حدید: ۷)

"اور اس کی راہ میں کچھ خرچ کرو جس میں تمہیں اوروں کا جانشین کیا۔"

اور رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "تمہارے خون اور مال تم پر حرام ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ.

(تغابن: ۱۵)

"تمہارے مال اور اولاد ایک آزمائش ہیں۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مال کا تعلق بندوں سے جوڑا ہے اور جب مال خرچ کرنے والا ہر ایک سے بڑھ کر مال کے قریب ہوتا ہے تو اس کے مال خرچ کرنے کی وجہ سے اللہ نے اسے ثواب دینا ہوتا ہے' اس لحاظ سے نہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر وہ اس کا مالک ہوتا' اسی سلسلے میں کتاب "المنہاج" میں آتا ہے کہ بظاہر کوئی بندہ اپنے آقا کے مالک بنانے سے مالک نہیں بنا کرتا تو اے بھائی! ہماری اس بتائی ہوئی بات پر غور کرو گے تو پتہ چلے گا کہ اگر بندے کی مال سے محبت نہ ہوتی تو اللہ اس پر زکوٰۃ فرض نہ کرتا چنانچہ وہ شخص ایسا ہوتا ہے جو اپنے محبوب کی کمی محسوس کرتا ہے اور اس کے گم ہو جانے پر صبر کرتا ہے جس کی وجہ سے اسے ثواب اور اجر ملتا ہے چنانچہ یہی وہ وجہ ہے جس کی بناء پر زکوٰۃ فرض ہوئی جبکہ عارف لوگ بہت تھوڑے ہوا کرتے ہیں۔ اسے ذہن میں رکھو۔

جوھر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ زہد کرنا اصل میں' مال کی طرف جھکاؤ میں دیکھا جا سکتا ہے خود مال میں نہیں ہوتا کیونکہ انسان کا نفس مال کا لالچ اس بناء پر کرتا ہے کہ اس میں اس کے لئے خواہش موجود ہوتی ہے لیکن خود مال کا لالچ نہیں کیا کرتا کیونکہ وہ پتھر ہے اور اگر یہ زہد حقیقت میں صرف مال کے اندر ہوتا تو اسے مال ہی نہ کہا جاتا جیسے مٹی اور کوڑا کرکٹ کو مال نہیں کہتے کیونکہ دلوں کا جھکاؤ اس کی طرف نہیں ہوا کرتا اور پھر ہم کہیں گے کہ اگر یہ زہد حقیقی طور پر بعینہٖ مال میں ہوتا تو ہمیں اسے ہاتھ میں لینے سے روک دیا گیا ہوتا' پھر ہم کہیں گے کہ اگر حقیقی طور پر یہ زہد بعینہٖ مال میں ہوتا تو آخرت میں بھی اس کی خواہش یونہی ہوتی اور دنیا کے مقابلے میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور اگر مال کی محبت والا

پردہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس میں ہم سے زہد کا مطالبہ نہ فرماتا جبکہ جنت میں ایسا نہیں، اس میں پردہ نہیں ہے کیونکہ اس کا ہمیں حکم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں دوگنی جزاء دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے حتیٰ کہ نیکی کو دس گنا بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اگر تھوڑا سا بھی پردہ بنتا تو زیادہ اس سے بھی بڑھ کر پردہ بنتا جس کی وجہ سے آخرت میں عظیم نعمتیں نہ مل سکتیں حالانکہ وہاں اللہ کی زیارت اور اسے دیکھنے سے بڑھ کر کوئی نعمت لذیذ اور عظیم نہ ہوگی۔

میں نے کہا کہ یوں تو دنیا میں زیادہ مال کا ملنا عارف لوگوں کے لئے اپنے رب سے رکاوٹ نہیں بن سکے گا؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اگر یہ پردہ نہ بن سکتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام یوں نہ فرماتے کہ اے میرے پروردگار! مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما دے کہ میرے بعد ویسی کسی اور کو نہ مل سکے اور اگر اس میں پردہ بن جانے کی صورت ہوتی تو آپ سوال ہی نہ کرتے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ انبیاء علیہم السلام ایسی چیز کا سوال کریں جو ان کے سامنے اللہ سے پردہ بن سکے چنانچہ عارف لوگوں کے لئے اس کے رکاوٹ نہ بننے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اس دارِ تکلیف (دنیا) میں اپنے اس فرمان کے ذریعے نعمت پوری فرمائی:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

(ص:٣٩)

''یہ ہماری عطاء ہے، اب تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ تجھ پر حساب نہیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک ناموں اَلْمَانِعُ اور اَلْمُعْطِیْ کے ذریعے ان پر سے اعتراض کو اٹھا دیا اور انہیں آزادی سے سب کچھ کرنے دیا اور خصوصی طور پر انہیں دنیا میں جلد ہی جنت دے دی اور عارف شخص بھی یہ دونوں جنتیں یونہی حاصل کیا کرتا ہے۔ واللہ اعلم

مَرجَان

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے اس کے فرمان
وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ.

(البقرہ: ۱۸۷)

''اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا' سیاہی کے ڈورے سے' پوہ پھٹ کر۔''

کے بارے میں پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو رنگوں ہی کا نام کیوں لیا ہے کسی اور رنگ کا نام کیوں نہیں لیا؟

ہر رنگ سفیدی و سیاہی سے بنتا ہے:

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ان کا نام لینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ سب رنگوں میں بنیادی رنگ ہیں اور ان کے علاوہ جو بھی رنگ ہوتے ہیں وہ ان دونوں ہی کے اندر ہوتے ہیں اور سفید و سیاہ رنگوں کے ملنے سے بنا کرتے ہیں جن کی وجہ سے گردوغبار والا' مٹیالا' سرخ اور سبز رنگ دکھائی دیتے ہیں چنانچہ جو سفیدی کے قریب ہوتا ہے تو اس میں سفیدی کی مقدار سیاہی سے زیادہ ہوتی ہے اور جو سیاہی کے قریب ہوتا ہے تو اس کے اندر سفیدی کے مقابلے میں سیاہی زیادہ ہوتی ہے۔

جوھـر

رات میں الٰہی تجلی کی قسمیں:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رات میں اللہ کی تجلی کے بارے پوچھا کہ یہ کیسے ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ رات کے ابتدائی تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ آنکھوں کے لئے تجلی فرماتا ہے' رات کے درمیانی تہائی حصہ میں صاف ستھرے جسموں کے لئے تجلی فرماتا ہے اور رات کے آخری حصہ میں گناہوں سے بھرے جسموں کے لئے تجلی فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عارف لوگ رات کے ہر تہائی حصے سے واقف ہوتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اس میں کیا کرنا چاہئے اور اگر یہ تجلی نہ ہو تو کسی بھی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی صحیح

پہچان نہیں ہوسکتی۔ اسے یاد رکھو کیونکہ یہ بڑے راز کی بات ہے۔

زبرجد

اول وقت میں نماز پڑھنا سب سے بہتر کام ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا: ''اول وقت میں نماز پڑھنا سب سے بہتر عمل ہے۔''[1] کہ اس اول وقت سے کیا مراد ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کا ظاہری مطلب تو ہر ایک جانتا ہے، رہا باطنی معنی تو اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو دل میں یہ پختہ ارادہ رکھے کہ اگر وہ چیزوں کے وجود میں آنے کے ابتدائی دور سے اب تک موجود ہوتا تو نماز پڑھا کرتا تو یہ اس کے لئے ابتدائی وقت شمار ہوگا۔

پھر میں نے انہیں یہ فرماتے بھی سنا تھا کہ ہم تو اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے تو درحقیقت آپ ہی اول وقت میں نماز پڑھنے والے شمار ہوئے چنانچہ ہم اس نمازی اور اس کے اجر کو اس وقت سے لے کر اس نمازی اور اسے اللہ کے حکم ملنے تک کو اچھا سمجھتے ہیں اور جو شرعی طور پر اول وقت میں نماز پڑھے تو دونوں ہاتھوں سے نیکیاں لوٹے گا لہٰذا ہر نمازی کو چاہئے کہ اس راز سے واقف ہو اور نماز پڑھتے وقت اسے ذہن میں رکھے، یہ بات بھولنے نہ پائے۔ واللہ اَعلم

فیروزجہ

پھلنے پھولنے کے لئے دنیا بہتر ہے یا آخرت؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ پھلنے پھولنے کے لحاظ سے دنیا زیادہ بہتر ہے یا آخرت؟

انہوں نے فرمایا کہ دنیا بہترین جگہ ہے۔

میں نے پوچھا کہ وہ کس طرح؟

انہوں نے فرمایا کہ اس لئے کہ یہ دنیا ہر ایک کے الگ الگ دکھائی دینے اور مل جل کر رہنے کی جگہ

---

[1] صفحہ ۱۱۴ حاشیہ نمبر ا

ہے جبکہ آخرت صرف الگ دکھائی دینے کی جگہ ہوگی چنانچہ نیک بخت' بدبختوں سے علیحدہ نظر آئیں گے اور جو کچھ آخرت میں ہوگا وہ اس دنیا میں بھی یقیناً موجود ہے لیکن چونکہ یہ پردہ کی جگہ ہے لہٰذا جس کے سامنے یہ بات کھل جائے وہ اسے جانتا ہوگا لیکن جسے پتہ نہ چل سکے وہ جاہل رہ جاتا ہے۔

اس پر میں نے عرض کی کہ اتنا کامل ہونے کے باوجود یہ بزرگ لوگ دنیا کی برائی کیوں کیا کرتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ بزرگ لوگ تو دنیا کی برائی نہیں کیا کرتے بلکہ کچھ عبادت گزار اور ایسے زاہد کرتے ہیں جنہوں نے کسی شیخ سے بیعت نہیں کی ہوتی۔ ہاں! اگر کوئی بزرگ اس کی برائی کیا کرتا ہے تو وہ رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کیا کرتا ہے کہ "یہ دنیا لعنتی ہے اور اللہ کے ذکر' عالم اور متعلم وغیرہ کو چھوڑ کر اس کی ہر شے لعنتی ہے۔" چنانچہ آپ نے ذاتی طور پر دنیا کو برا نہیں فرمایا بلکہ اس بناء پر کہ اس میں برائیاں پائی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انسان اللہ سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے اور کچھ اولیاء کی کہی ہوئی اس بات کا بھی یہی مطلب لیا جائے گا۔

پھر بہت سی مرتبہ میں نے آپ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ جو بعینہٖ دنیا کو برا جانتا ہے تو وہ گویا ماں کی نافرمانی کر رہا ہے چنانچہ لوگ دنیا کی جتنی بھی بدگوئی اور برائی بیان کرتے ہیں وہ دنیا کی نہیں ہوتی بلکہ اس کی اولاد کی بنتی ہیں کیونکہ برائی اس شخص کی شمار ہوتی ہے جسے شریعت پر چلنے کو کہا جائے' دنیا کی نہیں ہوتی' یہ تو اس کے لئے سواری کا کام دیتی ہے جسے اپنا کر آدمی نیکی کرتا یا برائی کرتا ہے حالانکہ وہ تو یہ چاہتی ہے کہ اس کی اولاد میں سے کوئی بھی بے فرمان نہ ہو کیونکہ وہ ان سے بہت پیار کرتی ہے اور اسے اندیشہ رہتا ہے کہ اچانک کہیں اسے پہلا نقصان نہ ہونے پائے حالانکہ اس نے اسے پیدا نہیں کیا اور نہ ہی اس کی پرورش میں تکلیف اٹھائی ہوئی ہے اور اس کی اولاد کی طرف سے یہ بات اس کی بے فرمانی بنتی ہے کہ وہ سارے اچھے کام آخرت کے لئے شمار کرتے ہیں اور ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ آخرت کی اولاد اور آخرت کے عمل ہیں حالانکہ انہوں نے یہ عمل اسی دنیا ہی میں کئے ہوتے ہیں چنانچہ دنیا کے لئے وہ مصیبت اجر بنتی ہے جو اس کی اولاد میں اور اولاد کی طرف سے ہوتی ہے چنانچہ جو شخص اس کی برائی کرتا ہے وہ اپنی ماں سے واقف نہیں ہوتا اور یہ بات

اس حدیث کے مطابق ہوتی ہے کہ جب بندہ کہتا ہے: ''دنیا پر لعنت ہو تو دنیا کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بے فرمانی کرنے والے گنہگاروں پر لعنت کرتا ہے۔'' واللہ تعالیٰ اعلم

یاقوتہ

کیا حکمران خود بھی محکوم ہو سکتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا حکمران خود بھی ان کاموں میں کسی کے ماتحت ہوتا ہے جن کا وہ حکم دیتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اس حکمران کو خود بھی وہ کام کرنا لازم ہوتے ہیں جن کا وہ دوسروں کو حکم دیتا ہے۔ اس پر بھی وہی حکم چلتا ہے کیونکہ وہ بھی اس مسئلہ میں خود تابع ہوتا ہے جس کا ذاتی طور پر وہ دوسروں کو حکم دیتا ہے چنانچہ جس پر حکم چلتا ہے وہ اس حکم کے ذریعے حاکم پر یوں حاکم بنتا ہے کہ اسے اسی کام کا حکم دے۔ یہ بات علماء کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

بلخشہ

کیا اہل کتاب کے ہر کام کی مخالفت ضروری ہوتی ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا: ''اہل کتاب کی مخالفت کیا کرو'' کہ کیا مخالفت کرنے کا حکم ان کے سارے کاموں میں کرنا لازم ہے یا خاص کاموں میں؟

انہوں نے فرمایا کہ چند خاص کاموں میں مخالفت کا حکم ہے چنانچہ ان کی اس بات میں مخالفت کا حکم ہے کہ وہ کچھ کتاب پر تو ایمان رکھتے ہیں لیکن کچھ پر نہیں رکھتے بلکہ درمیانی راہ نکالنا چاہتے ہیں چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے ہمیں ان کی مخالفت کا حکم خاص خاص کاموں میں دیا ہے ورنہ اگر ان کی ہر طرح سے مخالفت کا حکم ہوتا تو ہر کام میں ان کی مخالفت کرتے لیکن ہمیں حکم ہے کہ اس چیز کی مخالفت کریں جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ اہل کتاب کون لوگ ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ وہ کافر ہیں، مشرک نہیں ہوتے۔

میں نے پوچھا: وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ شرک کا کسی بھی کتاب میں حکم نہیں اور ہر مشرک کافر ہوتا ہے لیکن ہر کافر مشرک نہیں ہوتا رہا اس کا شرک تو وہ ہر ایک کو معلوم ہے کیونکہ وہ اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو شریک بناتا ہے رہا اس کا کافر ہونا تو وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ اسے اس خدا بنانے پر پکڑ کرے گا یا اس لئے کہ وہ توحید کے ماتحت رسالت نہیں مانتا اور اس میں آئے حکموں کا انکار کرتا ہے یا علم کے باوجود حق بات کو اپنی رعایا سے چھپائے رکھے جیسے قیصر روم اور شاہ مصر مقوقس اور ان جیسے لوگوں نے کیا۔ واللہ اعلم

زُمُرّد

''میں پورے بہترین اخلاق سکھانے آیا ہوں'' کا مطلب:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب پوچھا: ''مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ بہترین قسم کے پورے اخلاق بتا دوں۔''[1]

انہوں نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بھیجے جانے کے بعد ردی قسم کے اخلاق نہ رہے کیونکہ آپ نے اپنی شریعت میں حرص، حسد، برائی، بخیلی اور خوف وغیرہ جیسے مقامات بیان فرما دیا ہے چنانچہ جو شخص ان کاموں کو صحیح طریقے کے مطابق کرے گا تو وہ انہیں ردی ہونے سے بچا لے گا اور سب کو بہترین بنا دے گا اور انہیں بدنامی سے بچا لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ.

(آل عمران: ۱۷۵)

''تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔''

اور فرمایا:

۱۔ صہ ۱۱۶ حاشیہ نمبر ۱

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ.

(اسراء:۲۳)

''تو ان سے ہوں نہ کہنا۔''

اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا:

اُفٍّ لَّكُمْ.

''تف تم پر۔''

تو اللہ نے آپ کو سراہا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے صف کے قریب آ کر رکوع کرنے والے سے فرمایا: ''اللہ تمہارا شوق زیادہ فرمائے' دوبارہ یوں نہ کرنا۔''[1]

پھر آپ ہی کا فرمان ہے کہ ''صرف دو ہی باتوں میں حسد ہو سکتا ہے۔''[2]

یہ آیتیں اور حدیثیں اسی سلسلے میں ہیں جن سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن بعض اخلاق سے بچنے کا حکم دیا ہے ان میں ایسے شخص کو روکا ہے جو صحیح مقام پر اخلاق نہیں برتا کرتا اور انہیں خراب کرتا ہے۔ والسلام

جوھرہ

اللہ کے علاوہ دوسروں کے ساتھ محبت سے خلاصی کب ہو سکتی ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ غیر اللہ کے ساتھ محبت سے کب خلاصی ہو سکتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس وقت جب انسان کسی ایسی شے سے محبت کرے جس کے ساتھ اللہ محبت کرتا ہے اور یہ محبت اپنی طرف سے نہ ہو کیونکہ جسے کوئی لالچ یا ڈر وغیرہ ہو تو اسے یہ مقام ذرہ بھر بھی نہیں مل سکتا اور وہ دنیا کے معاملات میں اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

۱۔ صہ ۱۱۶ حاشیہ نمبر ۲ ۲۔ صہ ۱۱۶ حاشیہ نمبر ۳

یاقوت

ولی کامل کون ہوتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کون سا شخص کامل ولی ہوتا ہے جسے اللہ کی کافی مدد ملے اور استدراج اس میں کم سے کم ہو؟ (یعنی کم سے کم بہکا کرے)

انہوں نے فرمایا: کامل شخص وہ ہوتا ہے جو دنیا میں آکر اس میں نیک عمل کرتا ہے لیکن اسے اپنی ذات کے کامل ہونے کی توجہ ہی نہیں ہوتی اور نہ مخلوق میں سے کسی کو اس کا پتہ چل سکے اور اسی دوران وہ دنیا سے چلا جائے، اسے اتنا اجر ملے گا جس میں سے ذرہ بھر بھی نہ گھٹے گا۔

میں نے عرض کی کہ کیا لوگوں کے پہچان لینے کی وجہ سے ولی کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں سنا کہ ''لوگ جسے پہچان لیں، اسے آزمائش میں ڈال دیا جاتا ہے۔''[1] چنانچہ عقیدت مند لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اس وقت تک موجود رہتی ہے جب تک اپنے پورے نیک عملوں کی جزاء نہیں پا لیتا ہے کیونکہ لوگوں کے دلوں میں محبت و پیار اس وقت آتا ہے جب مخلوق کو اس کے کامل ہونے کا پتہ چلتا ہے اور جس کا کمال ہر ایک کو نظر میں آجاتا ہے تو اس کی بہتر حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے پورے پورے نیک عمل کرتے ہوئے دنیا سے خالی ہاتھ چلا جائے۔ والسلام

میں نے پوچھا کہ کیا اللہ کی امداد آنے پر اس میں مکر اور درجہ بدرجہ گمراہی بھی شامل ہو جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہاں اس میں مکر اور درجہ بدرجہ گمراہی شامل ہو جاتی ہے چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنا دروازہ دو طرح سے کھولنے کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک برکت کے لئے اور دوسرا عذاب کے لئے ہے تاکہ عقل مند شخص دروازہ کھلنے ہی پر خوش نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ.

(الاعراف:۹۶)

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔''

ا۔ صہ ۱۱۷ حاشیہ نمبر ا

اور دوسری قوم کے بارے میں فرمایا:

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ.

(مومنون: ۷۷)

''جب ہم نے ان پر کھولا کسی سخت عذاب کا دروازہ۔''

اور پھر حضرت عاد علیہ السلام کی قوم کے اس قول پر نظر ڈالو انہوں نے عام عادت کے مطابق (بادل کو دیکھ کر) کہا تھا کہ ''یہ تو ہم پر بارش برسانے کے لئے آ رہا ہے۔'' جس پر ان سے کہا گیا کہ یہ وہ ہے جسے تم نے جلد آنے کو کہا تھا' یہ وہ ہوا ہے جس میں تکلیف دینے والا عذاب موجود ہے جو اللہ کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دے گی۔

میں نے پوچھا: یہ کیسے پتہ چلے گا کہ ان کے لئے بھلائی کا دروازہ کھولا گیا ہے یا برائی؟

انہوں نے فرمایا: اللہ کی ہر وہ مہربانی جس سے تمہیں ترقی کرتے وقت ادب کرنا آئے اور نفس ذلیل ہو جائے تو یہ مکر نہیں ہوتا بلکہ تمہارے لئے اللہ کی مہربانی ہوتا ہے اور اللہ کا ہر ایسا امر جس کے اندر تم میں حال پیدا ہوں' کشف ہونے لگے اور لوگوں کی تم پر توجہ ہو تو اس سے ڈرتے رہو کیونکہ یہ اس بات کا نتیجہ ہو گا جسے تم نے نامناسب موقع پر جلد مانگا تھا چنانچہ تمہیں آخرت کی طرف یوں گھسیٹا جائے گا کہ تمہارے ہاتھ خالی ہوں گے اور چاہنے کے باوجود تم میں ادب موجود نہ ہو گا کیونکہ جو شخص اس دنیا میں اپنے عملوں اور احوال کا نتیجہ جلد مانگتا ہے تو وہ اس جگہ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جسے وہ حقیقی طور پر نہیں چاہتا۔

میں نے عرض کی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی حفاظت کرے وہ پوری طرح عبادت کرے اور جلد ہی اللہ تعالیٰ اسے کوئی نتیجہ یا کرامت دکھا دے تو کیا ادب یہ ہے اسے لے لے یا پھر رد کر دے؟

انہوں نے فرمایا: اگر وہ نتیجہ نفسانی خواہش سے بچا ہوا ہے تو ادب یہ ہے اسے لے لے۔

میں نے پوچھا: کیا حال والے لوگ اپنی کرامتوں پر نظر رکھتے اور ان پر توجہ دیتے ہیں کیونکہ ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ اس چیز سے گم ہوتے ہیں جس میں یہ پڑے ہوتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ احوال والے دونوں جہان کی کسی بھی چیز پر نظر نہیں رکھتے کیونکہ حق تعالیٰ کے ساتھ

ہوتے ہوئے ان کے دل ہر شے سے غافل ہو چکے ہوتے ہیں بلکہ وہ تو اپنے بدن کا خیال بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے ہاں سردی اور گرمی ایک جیسی ہوتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ ایسے لوگوں سے زیادہ کامل ہوتے ہیں جو معاملات کو دیکھتے ہوئے ان کو الگ الگ جانتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا: وہ اس سے زیادہ قابل نہیں ہوتے جو سارے جہانوں کو مناسب طور پر قبول کر لے، ہر ایک کو اس کا حق بھی پورا کر دے، ہر چیز کو حق کے ساتھ لے اور حق ہی کے ساتھ حق کی طرف لوٹا دے۔

میں نے کہا کہ یہ تو بہت شاندار بات ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جو جس پر چاہے کر دے۔

زبرجدہ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا.

(مریم:۹)

''اور میں نے تو اس سے پہلے تجھے اس وقت بنایا جب تو کچھ بھی نہ تھا۔''

کے بارے میں پوچھا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

اس پر انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ بتلانا چاہتا تھا کہ بندے کا وجود میں آنے سے پہلے اللہ کی عبادت کرنا اس کے وجود میں آ جانے کے بعد عبادت کرنے سے زیادہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ نہ ہونے کی صورت میں وہ مکمل طور پر اللہ کے سامنے جھکا ہوتا ہے، اس جھکاؤ میں نہ تو اس پر کوئی اعتراض ہے اور نہ دنیا کی کسی چیز پر سرداری جتانے کا دعویٰ ہوتا ہے جبکہ بندے کے وجود میں آنے اور تجربہ ہونے کے بعد اس کی یہ حالت نہیں ہوتی اور نہ ہی اس صورت میں ہوتی ہے جب وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو زیادہ ڈر والا دکھانے کا دعویٰ کر رہا ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ یوں تو لوگوں کے بہتر حالات اس موقع پر ہوں گے جب وہ عام لوگوں والی

حیثیت میں ہوں گے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بناء پر فرمایا تھا کہ ''کاش! عمر کی ماں مجھے پیدا ہی نہ کرتی۔'' یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے اپنے آپ کو دیکھا تھا کہ آپ حضرت شارع علیہ السلام کی طرف سے حکم ملے بغیر کچھ کاموں کو دوسروں سے پہلا درجہ دیتے تھے۔ یہ بات ذہن نشین کرلو۔

بلـــخش

شرعی اوراد و وظائف کے علاوہ دوسرے وظائف کی ترتیب کا حکم:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے وظیفوں کے علاوہ دوسرے ان وظیفوں کی ترتیب کے بارے میں پوچھا جو حضرت شیخ شہاب الدین بونی رحمہ اللہ نے بتائے ہیں کہ یہ طریقہ اچھا ہے یا برا؟

انہوں نے فرمایا کہ کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہی ہوتا ہے۔

پھر فرمایا: حضرت سیّدی ابراہیم متبولی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے پروردگار کی قسم! حرفوں کا علم جاننے والے وہ لوگ جو گڑبڑ پیدا کرتے ہیں، بتوں کو پوجنے والوں سے بھی زیادہ بدحال ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کے قرب کو اپنی عزت و آبرو، لوگوں سے مدد اور ان کے اپنے سامنے جھکنے وغیرہ جیسے دنیاوی کاموں کو ذریعہ بنایا ہوتا ہے کیونکہ بت پرستوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ اللہ کا قرب چاہتے ہیں، دنیا کا نہیں چاہتے۔ یہ بات ذہن نشین کرلو اور بھلا یہ کیونکر مناسب ہے کہ جس پاکیزہ حروف کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے اپنی کتاب اور کلام کی بنیاد بنا رکھا ہے، ان گندے کاموں کے لئے استعمال کئے جائیں جنہیں بت پرست بھی پسند نہیں کرتے؟

میں نے عرض کی کہ آپ شریعت سے ثابت وظیفوں کی ترتیب اور مریدوں سے ان پر عمل کا وعدہ لینے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ ایسے کام ہیں کہ جنہیں ہم اچھا نہیں جانتے اور نہ ہی ان پر عمل کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ یہ کیوں؟

انہوں نے فرمایا کہ جن لوگوں سے یہ وعدہ لیا جاتا ہے' ان کے بارے میں اندیشہ رہتا ہے کہ وہ یہ وعدہ پورا نہیں کرسکیں گے اور اس میں خیانت کریں گے جس کی وجہ سے وہ اور گھاٹے میں پڑیں گے چنانچہ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کرنے والی عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا:

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ.

(ممتحنہ:۱۲)

''آپ انہیں بیعت کرلیں اور اللہ سے ان کی بخشش کے لئے دعا کریں۔''

چنانچہ آپ نے بیعت کے بعد ان کے لئے بخشش مانگنے کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ کام ان کے بس میں نہیں ہے۔ اسے ذہن میں رکھو۔

پھر بندہ جب یہ وظیفے ہمیشہ پڑھا کرتا ہے تو ان کا اثر دل پر ہوتا ہے جسے رسولِ اکرم ﷺ چاہتے ہیں تاہم وہ انہیں عادت کے طور پر غافل ہو کر پڑھا کرتا ہے جبکہ اس کا دل کسی اور مقام پر لگا ہوتا ہے لیکن جب وہ کسی ایک وِرد کی بجائے موقع ملنے پر رات یا دن میں کسی بھی وقت اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے تو ہمیشہ ذکر کرنے والوں کے مقابلے میں وہ دل کے اندر ایک مٹھاس محسوس کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حقیقی طور پر وہ اللہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ صوفیاء کرام تو بتاتے ہیں کہ ذکر اور تنہائی کے موقع پر انہیں سانس روکنے میں بڑا اثر دکھائی دیتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ اتنی محنت سے جو کچھ حاصل کرتے ہیں وہ کھجور کی طرح ہوتا ہے جو عام طور پر ملتی ہے جسے جلد ہی تبدیل ہو کر ضائع ہو جانا پڑتا ہے اور وہ رکھنے کے قابل نہیں ہوتی تاہم جو یہ کام ایک جماعت کے ساتھ مل کر کرتا ہے وہ اس شخص جیسا ہوتا ہے جو کیکر کے درخت کو سیب بنانا چاہتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ بندہ ذکر کی بناء پر دوسری امتوں سے کیسے علیحدہ دکھائی دیتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: جب وہ اللہ کا ذکر صرف اس کا حکم مان کر کر رہا ہوتا ہے اور اسے کسی دنیوی اور اخروی چیز کو حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتا۔ واللہ غنی حمید

فیروزجہ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے کچھ لوگوں کی اس بات کا مطلب پوچھا کہ ''گذشتہ دور کی ممکن چیز میں سے کوئی بھی نئی نہیں ہوتی۔'' کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا جواب مختلف ہے اور ایسا کوئی جواب نہیں جو اس بارے میں تسلی بخش ہو؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ معاملہ ایسے واضح ہے جیسے آگ کی پہچان ہو جاتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ وجود میں دو مرتبے ہیں جبکہ حق تعالیٰ پہلے مرتبے میں ہے جو قدیم ہے اور پورا جہان دوسرے مرتبے میں ہے جو ممکن ہے۔ واللہ اَعلم

جوھر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا ایسا شخص عبودیت کے مقام سے نکل جاتا ہے جسے شریعت کے حکم پر کوئی غلام بنا لیتا ہے جیسے لوگوں کی خدمت کے کام کرنا اور کسی نعمت دینے کے بدلے میں اس شخص کا شکریہ ادا کرنا؟

انہوں نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی شے انسان کو اس وقت تک عبودیت سے نہیں نکالتی جب تک وہ ذریعوں کا سہارا نہیں لیتا کیونکہ وہ ایسا واجب کام کر رہا ہوتا ہے جسے اللہ نے اس پر لازم کیا ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم سے ہٹ کر کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو یہ چیز اس کی عبودیت کے خلاف نہیں جاتی خصوصاً وہ لوگ جن کے دل پاک ہوتے ہیں اور اخلاق بہتر ہوتے ہیں اور خوبصورت چیز ان پر اثر کرتی ہے اور دلی طور پر پیار کے ساتھ وہ لوگوں کے حق پورے کرنے کو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے احسان کا بدلہ دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں چہ جائیکہ حق تعالیٰ انہیں اس بات کا حکم دے جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ ''جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہ ہوگا۔''[1] واللہ اَعلم

۱۔ صہ ۱۱۹ حاشیہ نمبر ا

یاقوت

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ.

(المائدہ:۵۴)

''وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔''

کے بارے میں پوچھا کہ بندوں کی اللہ سے محبت کا مطلب کیا ہے حالانکہ بندوں اور اللہ کے درمیان کوئی جوڑ نہیں ہے؟

انہوں نے فرمایا: بندوں کی اللہ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے اس احسان کی وجہ سے اس کی محبت رکھتے ہیں جو وہ ان پر کر رہا ہے کیونکہ بعینہٖ اس کی ذات سے ان کی محبت ممکن نہیں کیونکہ وہ اس کے واقف ہی نہیں چنانچہ اسی بناء پر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ سے اس بناء پر محبت کرو کہ وہ تمہیں نعمتیں کھلاتا رہتا ہے۔''[۱] کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ لوگ اپنے پروردگار سے واقف نہیں اور بعینہٖ اس کی ذات سے محبت نہیں کر سکتے تو ان کی توجہ ایسی ظاہری چیز کی طرف کر دی جو کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ اللہ کی مسلسل نعمتیں ہیں۔

میں نے پوچھا: اللہ کے وہ لوگ کون ہیں کہ ایک روایت کے مطابق وہ ان کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے تو کیا ان کی یہ محبت بعینہٖ اللہ کی ذات سے ہوتی ہے کیونکہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ بعینہٖ ان کے لئے طاقت کا ہر حصہ بنا ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔

میں نے پوچھا: اگرچہ بندہ پوری طرح فدا ہو چکا ہو؟

انہوں نے فرمایا کہ جب وہ پورے طور پر فنا ہو جائے گا تو پھر وہ ایک ہی ہو جائے گا اور جب ایک ہو چکا تو محبت کس سے کرے گا؟ جبکہ محبت تو دو شخصوں میں ہوا کرتی ہے؟ یہ بات ذہن نشین کرلو۔ اگر تم اس کے

۱۔ صہ ۱۲۰ حاشیہ نمبر ۱

نکلنے کی جگہ میں اس کے فنا ہونے کا تصور کرو تو وہ فنا نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان سمعہ' بصرہ' یدہ اور رجلہ میں اسے ھاء لگا کر برقرار رکھا ہوا ہے لیکن جو اس محبوب کو اس کی طاقتوں کے لحاظ سے دیکھتا ہے تو وہ کہے گا کہ یہ روح ہے لیکن جو اس کی صورت کے لحاظ سے دیکھتا ہے وہ کہے گا کہ یہ بندہ ہے۔ چنانچہ دیکھنے میں ان دونوں پہلوؤں سے چھٹکارا نہیں ملتا حالانکہ وہ وجود میں الگ تھلگ ہے کیونکہ بندہ کی شخصیت تو باقی ہے لیکن اس میں موجود خوبیاں دوسرے کی ہیں۔

میں نے عرض کی کیا یہ صفتیں اس شخص کی ہیں جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ اس سے پیار کرتا ہے اور اس کی ساری قوتیں ایسی نشانیاں ہیں جن کی وہ آزمائش میں ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! اس کے لئے ایک نشانی ہے اور وہ یہ کہ وہ اس فنا کے بعد ایسے حال میں تبدیل نہیں ہوسکتا کہ اس کے لئے کوئی یقینی حالت ایسی ہو جو حق کے سوا ہے اور وہ نہ تو دیکھنے کے قابل ہوتا ہے' نہ اسے کشف ہوتا ہے اور نہ آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے حالانکہ وہ مشاہدہ کرتا ہے' اسے کشف بھی ہوسکتا ہے اور آنکھوں سے بھی دیکھ سکتا ہے جس کی نشانی یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو حق ہی کی مدد سے دیکھتا ہے' خود نہیں دیکھتا' اس کے علاوہ یہ نشانی بھی ہے کہ اس کی ہر قوت وہی کچھ کرتی ہے جو دوسری قوتیں کرتی ہیں چنانچہ مثلاً وہ جنت کے لوگوں کی طرح اپنے اندر کی بات سنتا ہے' اپنے میں دیکھتا ہے' اپنے ساتھ کلام کرتا اور ذائقہ والی چیز کو سونگھتا ہے اور اس کے الٹ بھی ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی: کیا ہم کو لازم ہے کہ ہم اللہ کے رازوں کو لوگوں سے چھپائیں یا پھر صحیح لفظوں میں انہیں لوگوں کے سامنے بیان کر دیں اور یہ بات بہتر ہو گی کیونکہ اس میں فائدہ ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہر عقل مند شخص پر لازم ہے کہ اللہ کے ہر اس راز کو چھپائے جسے چھپانے کی صورت میں سننے والا بارگاہِ الٰہی کا ادب نہ کر سکے کیونکہ جاہل شخص جب اللہ تعالیٰ کا ایسا کلام سنے گا کنت سمعہ وبصرہ (الحدیث) یا اس جیسا فرمان سنے گا مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ (میں بیمار ہوا تو تم نے مجھے پوچھا تک نہ تھا) تو یہ بات اسے ایسی روکی ہوئی چیز سننے پر مجبور کر دے گی جیسے اللہ کا کسی چیز میں داخل ہو جانا یا اللہ کا جسم مان لینا وغیرہ اور یہ بات تمہاری ہمت میں نہیں کہ تم کسی جاہل شخص کو علماء کے مقام تک لے جاؤ چنانچہ اسی بناء پر

عالم لوگوں نے ڈھنگ سے اس چیز کو چھپایا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی کے ساتھ اولیاء کے دلوں میں ڈالتا ہے اور وہ لوگوں سے اسے چھپانا ہی بہتر جانتے ہیں اگر چہ انہیں ڈھنگ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے حدیث پاک ''میں بیمار ہوا تو تم نے میری بیمار پرسی نہ کی تھی'' کے ذریعے اپنے بندوں کی خاطر تاویل (ڈھنگ) کرنے کی گنجائش پیدا کر رکھی ہے کیونکہ جب وہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گا کہ الٰہی! میں تیری بیمار پرسی کیونکر کر سکتا تھا جبکہ تو تو جہانوں کا رب ہے تو وہ فرمائے گا کہ دیکھو تو نے میرے فلاں بندے کے بیمار ہونے پر اس کی بیمار پرسی نہیں کی تھی اور اگر تم بیمار پرسی کر لیتے تو دیکھتے کہ میں اس کے پاس ہی ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس طریقے سے عالم بندوں کو وہ طریقہ بتلا دیا ہے جو ان کے ذہن ہی میں نہ تھا اور وہ یہ کہ اس نے اپنے آپ کو بیماروں جیسا بنا لیا اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے آپ کو بیمار کے قریب بتایا اور جب عالم نے عام آدمی سے یہ معاملہ چھپا لیا تو اسے عام آدمی سے یوں کہنا چاہئے کہ بیمار کی حالت ہر وقت یہ ہوتی ہے کہ وہ محتاج و مجبور ہوتا ہے اور اپنی مصیبت دور کرنے کے لئے عام طور پر اللہ کا ذکر کرتا ہے جبکہ اللہ نے فرما رکھا ہے کہ ''میں ایسے شخص کے پاس ہی ہوا کرتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔'' چنانچہ عام آدمی اسی پر صبر کرتا ہے اور دیکھا جائے تو یہ طریقہ بھی صحیح ہے اور علم والا شخص اس معاملے میں اپنے علم پر رہتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جس چیز کو چاہے اپنا سکتا ہے جبکہ کامل شخص وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس اس مرتبے میں رکھے جسے وہ اپنا کہتا ہے اور جس میں اللہ ہونا چاہتا ہے اور اگر وہ اسے خود نہ بتائے تو وہ تو اللہ کے بارے میں وہی کچھ کہے گا جو خود اس نے اپنے بارے میں ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے ہماری بجائے اپنے بارے میں خود ہی بتا رہا ہوگا۔ یہ وہ بات ہے جو پوری طرح اللہ والوں کے علم میں ہوتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ علماء ایسی چیزوں میں کیوں ڈھنگ لگاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قرار دیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ان کا یہ خیال ہے کہ ایسے کام بارگاہِ الٰہی میں ناقص بنتے ہیں، اس قسم کی بات وہ اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہوئے کرتے ہیں جبکہ مشاہدہ کرنے والے کو غائب شخص کی طرح سمجھنا عام لوگوں کی بہت بڑی غلطی شمار ہوتی ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہر اچھی بات جو مخلوق کے لئے برائی بنتی ہے وہ اللہ

کے سامنے اس بناء پر پسندیدہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اپنی کوئی حکمت دکھا رہا ہوتا جیسے فرماتا ہے:

اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ.

(السجدہ:۱۴)

''ہم نے تمہیں چھوڑ دیا۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں وہ کچھ (بھول جانا) فرمایا ہے جو مخلوق میں خامی گنا جاتا ہے چنانچہ عالم وہ ہوتا ہے جو اس کی حکمت بتائے، وہ نہیں ہوتا جو ڈھنگ سے کام لے۔ واللہ اَعلم

زمـــردہ

مرید کی ایک بے ادبی:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے سنا: فرمایا مرید کی یہ بے ادبی ہوتی ہے کہ اپنے شیخ سے یوں کہے: ''مجھے اپنے دل میں بسا لے۔''

میں نے عرض کی کہ اس میں بے ادبی کی کون سی بات ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس میں یوں غلطی بنتی ہے کہ وہ اپنے شیخ کو خادم بنانا چاہتا ہے جو اس کے لئے تہمت ہے کیونکہ وہ اسے گھٹیا چیز کو اعلیٰ کے ساتھ بدلنے کے بارے میں کہہ رہا ہوتا ہے۔

اگر تم سوال کرو کہ عارف شخص تو ہر وقت اللہ کا خیال رکھا کرتا ہے؟

میں نے عرض کی کہ کیا ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یوں عرض نہیں کیا تھا کہ ''میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔''[1]

انہوں نے فرمایا کہ کیا تم نے ایک سائل کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا تھا کہ ''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اکثر نماز پڑھتے رہو'' چنانچہ آپ نے اسے دنیا میں آرام کرنے اور کام کئے بغیر آپ پر بھروسہ کرنے سے روکتے ہوئے دوسرا کام بتا دیا۔

۱۔ صہ۱۲۱ حاشیہ نمبر۱

میں نے عرض کی: عمل کیسا؟ مرید کے لئے تو ضروری ہے کہ ادب اور خدمت کے ذریعے اپنے شیخ کو پیارا لگے اور یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ اس کے شیخ کو اس کی طرف مائل کر دیتی ہیں اور جب شیخ کا دل اللہ کے علاوہ کسی اور طرف لگ جائے تو مرید کو فیض پہنچانا رک جاتا ہے؟

پھر فرمایا کہ مرید کے لئے خدمت کرنا ضروری ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے ولی کے دل کا پتہ ہوتا ہے اور جب وہ اس کے دل میں مرید کی محبت دیکھتا ہے تو اس کی وہ ضرورت پوری کر دیتا ہے جو وہ اپنے شیخ سے مانگ رہا ہوتا ہے۔

درّۃ

کیا لوگوں کو اپنا حال بنانے کی اجازت ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا میں اپنا حال اور گفتگو لوگوں کو بتانے سے گریز کیا کروں؟

انہوں نے فرمایا: اگر اسے ظاہر کرنے میں تمہارا نقصان ہو تو روک لیا کرو ورنہ نہیں۔

پھر فرمایا کہ کامل لوگ اپنا حال اور بات چھپایا نہیں کرتے کیونکہ اسے چھپا لینا نفسانی خواہش کا پتہ دیتا ہے اور اس پوری بات کو اس سے معلوم کر لو گے کہ اللہ کا ولی اس کی جو بھی پہچان کراتا ہے، دو قسم کی ہوتی ہے یا تو وہ خود اس سے تعلق رکھتی ہے یا کسی اور کے ساتھ، اگر وہ اسی سے تعلق رکھتی ہے تو بہتر طریقہ اسے چھپا لینا ہے لیکن اگر اس کا تعلق کسی اور شے کے ساتھ ہے تو اسے اپنے گھر والوں کو بتا دینا چاہئے کیونکہ انہیں یہ چیز اسی کی وجہ سے ملی ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دے رکھا ہے کہ تم اپنی امانتیں امانت رکھنے والوں کے سپرد کر دو اور پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اسی تقسیم کی طرف اشارہ کرتا ہے: ''علم کی تین قسمیں ہیں، ایک ایسا علم ہے جسے اللہ نے مجھے چھپانے کا حکم فرمایا ہے، ایک میں مجھے اجازت دے دی ہے اور ایک وہ ہے جسے مجھے امت تک پہنچا دینے کا حکم فرمایا ہے۔''

یہاں حدیث والے دونوں علموں کو ایک بنایا گیا ہے کیونکہ اس کے نفس کے ساتھ تعلق رکھنے والے علم کو کسی بہتری کے بغیر پھیلایا نہیں گیا اور اس کے ماتحت دو قسمیں ہیں۔ اس میں غور کر لو۔ واللہ اعلم

مرجان

وضو کر کے دو نفل پڑھنے پر گناہوں کی بخشش:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''جو شخص وضو کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے خیال کو اِدھر اُدھر نہ ہونے دے تو اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے''[1] کے بارے میں پوچھا کہ اس کا دل میں چیزوں کی طرف دھیان دینا نقصان تو نہیں دیتا؟

انہوں نے فرمایا کہ بندہ جب نماز میں ہو تو دل کی توجہ دوسری چیزوں کی طرف کرنا نقصان نہیں کرتا کیونکہ یہ بات بندے کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ دل میں آنے والی صورتوں کی طرف توجہ کرنے سے بچاؤ کر سکے جبکہ دل میں بات چیت کرنے سے نقصان ہوتا ہے کیونکہ اس میں وہ اللہ کے علاوہ کسی اور شے میں کھو جاتا ہے حالانکہ رسولِ اکرم ﷺ نے نماز کے دوران جنت' دوزخ اور ان میں موجود چیزوں کو دیکھا تھا اور دوزخ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔ یہ بات آپ نے ہمیں یہی بتانے کے لئے فرمائی تھی کہ یہ چیز نماز کو نہیں توڑتی۔

میں نے عرض کی کہ کیا نماز میں راز و نیاز کی بات ہوتی ہے یا مشاہدہ ہوا کرتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ راز و نیاز ہوتا ہے' مشاہدہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں پردہ ضرور ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا ہر راز و نیاز میں یونہی ہوتا ہے؟

اللہ سے راز و نیاز چار قسم کا ہوتا ہے:

انہوں نے فرمایا: سنو! اللہ سے راز و نیاز چار قسم کا ہوتا ہے۔

ایک راز و نیاز تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ تو تمہیں دیکھ رہا ہے لیکن تم اسے نہیں دیکھتے۔

ایک راز و نیاز اس حیثیت سے ہے کہ تم اسے بالکل نہیں دیکھتے لیکن وہ تمہیں علمی لحاظ سے دیکھ رہا ہے لیکن آنکھوں سے نہیں جیسے کچھ اہل نظر فرقہ والے کہتے ہیں کیونکہ وہ دیکھنے اور علم کے بارے میں فرق سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقی علم والے کہتے ہیں کہ اللہ کا دیکھنا اور جاننا ایک ہی چیز ہیں اور جب نماز میں اللہ کی تجلی ہوتی ہے

1۔ صہ ۱۲۲ حاشیہ نمبر ۲

تو انسان حیران ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے چنانچہ اس وقت میں نمازی نہ تو کلام کر سکتا ہے اور نہ اللہ سے راز و نیاز کر سکتا ہے۔

کیا نماز میں مسکرانا خرابی پیدا کرتا ہے:

میں نے پوچھا کہ کیا نماز میں مسکرانے سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ ایسے مقامات پر تبسم کرتا ہے جہاں حضور ﷺ نے کیا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں جیسے ایک مرتبہ آپ نے نماز میں تبسم کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ نماز کے دوران جبرائیل (علیہ السلام) میرے ہاں سے گزرتے ہوئے مجھے دیکھ کر مسکرائے ہیں لہٰذا میں بھی مسکرا دیا۔

میں نے عرض کی کہ جب نمازی کے دل میں ایسا خیال آ جائے جس پر حق تعالیٰ اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ وہ ہنسے اور خوش ہو؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! جو شخص قرآن کو سمجھتا ہے وہ اس کا علم رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

عقیق

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حضرت سیّدی ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کے اس فرمان ''جو گہرے طریقے سے تصوف کے علوم کو نہیں دیکھتے وہ لاعلمی میں بڑے بڑے گناہوں میں گرفتار ہو کر مریں گے'' کے بارے میں پوچھا کہ انہوں نے شریعت کے علم چھوڑ کر صرف علم تصوف ہی کا ذکر کیوں کیا ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا کہ شریعت کے علوم بھی تو خود تصوف میں داخل ہیں کیونکہ یہ ان کے طریقہ کی بنیاد بنتے ہیں لیکن جب کہ صوفیاء کرام کا طریقہ ہے کہ وہ کسی بھی عمل کو اس کا باطن دیکھ کر کرتے ہیں تو شیخ نے صرف انہی کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ ہمارے اپنے کاموں میں گہری خرابیاں پائی جاتی ہیں لیکن ان کے علاوہ دوسرے حضرات ان چیزوں کا خیال نہیں کرتے جیسے دیکھنے میں آ رہا ہے اور پھر ان کے ہر عمل کی بنیاد گمان بنتا ہے یقین نہیں چنانچہ اکثر ان کے علم میں خرابی ممکن ہے۔

اس کے بعد بتایا: ایک عارف نے فرمایا کہ علم دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ جس کی ضرورت یوں ہوتی ہے

جیسے خوراک ضروری ہے لہٰذا اس میں درمیانہ طریقہ اپنانا چاہئے اور اسے ضرورت کے مطابق حاصل کرنا ہوتا ہے، یہ علم شریعت کے حکم ہیں لہٰذا ایک فقیر کے لئے مناسب یہ ہے کہ وقتی طور پر ضرورت کے مطابق ہی اس کا خیال کرے کیونکہ ان علوم کا تعلق صرف دنیا میں ہونے والے واقعات کے ساتھ ہوتا ہے اور انسان کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے اللہ کے سارے حکموں کو ایک ہی مہینے میں سیکھ لے البتہ اکثر فقیہ لوگ عام طور پر پوری عمر اسی میں کھپا دیتے ہیں جس میں کسی عالم کی روایت پیش کرتے جاتے ہیں لیکن تصوف کا علم سیکھنے کے بارے میں اللہ نے حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس پر عمل کرنے کو فرما رکھا ہے کیونکہ اسے بیان کرنے والا معصوم نہیں ہوسکتا۔ ہاں! سب صوفیاء کا اتفاق ہوتو الگ بات ہے۔

ایک علم وہ ہے جس کے بغیر گذارہ نہیں اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں کہ انسان وہاں رک جائے، یہ علم اللہ اور قیامت کے معاملات سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ان معاملات سے واقف شخص ہر اپنے مناسب کام کو جان سکتا ہے تاکہ قیامت کے دن وہ اللہ کے ہر سوال کا جواب دے سکے چنانچہ یہی وجہ۔ ہے کہ ہم نے اللہ کے علم کے ساتھ قیامت کے معاملات کو بھی ملا کر ذکر کیا ہے لہٰذا یہ بات یاد رکھو۔

درّ

مجھے میرے شیخ رحمہ اللہ نے یہ بات سمجھائی کہ اگر تجھے اللہ کی طرف سے کچھ ملنے پر کوئی شخص جھگڑنے لگے تو اسے کوئی جواب نہ دو اور نہ ہی بات کو دہرایا کرو بلکہ رک جاؤ، خاموش ہو جاؤ اور دیکھو وہ تمہارے سر پر کیوں چڑھ رہا ہے اور اللہ سے اس سلسلے میں مدد مانگو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ جھگڑالو تمہارے ساتھ اس غفلت کی وجہ سے الجھا ہو کہ تمہارے اندر اپنی ذات، اپنے علم یا کسی اور وجہ سے تکبر پیدا ہو گیا ہو اور یہ بات یاد رکھو کہ جب تم اس جھگڑالو کی طرف توجہ کرتے ہوئے اپنی طرف سے اس کا جواب دو گے تو بارگاہِ الٰہی کا ادب نہیں کر سکو گے لہٰذا دل میں اپنے آپ کو عالم سمجھتے ہوئے کسی شخص کو فائدہ پہنچانے کا ذکر کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ اس بناء پر تم اللہ سے دور ہو جاؤ گے اور تمہارا علم جہالت میں تبدیل ہو جائے گا بلکہ دل میں یہ نیت کرو کہ تم مسلمانوں کو علم اور نصیحت دے رہے ہو اور یاد رکھو کہ کسی انسان کو اس وقت برا جانو جب تمہیں پوری شریعت میں اس کے بچنے کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی ہو پھر دل میں اس سے نفرت نہ کرو اور اپنے مقابلے میں اسے

گھٹیا نہ جانو کیونکہ ہر شخص دوسرے ہی کی طرح ہوتا ہے تاہم جب تم اسے نہایت نرمی اور مہربانی سے کہو گے کہ اے بھائی! شریعت نے تمہیں ایسے کاموں سے روک رکھا ہے تو یوں تم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسی بات کو ان کی امت تک پہنچانے کا کام کر رہے ہو گے اور اس کام کو اپنا نہیں سمجھو گے کیونکہ ایک دور کے لوگ اپنے اوپر کسی کی حکومت برداشت نہیں کرتے اور اس میں کسی اور کے علاوہ خود حضرت شارع علیہ السلام کو بھی حیثیت نہیں دیتے۔ واللہ اعلم

زمـــرّدہ

میں نے اپنے بھائی افضل الدین رحمہ اللہ سے پوچھا کہ علماء کرام عام اور خاص کو ایک ہی کیوں جانتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ بات نبی کریم ﷺ کی بات سمجھنے میں کمی رہ جانے کا ثبوت ہے اور جو پورا ادب کرنا چاہتا ہے تو اسے وقت کے مطابق نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا جسے آپ نے عام چیز سمجھا اسے عام سمجھے اور جسے آپ خاص فرمائیں اسے خاص جانے' نہ تو عام کے مقابلے میں خاص کو پہلے جانے اور نہ ہی خاص کو چھوڑ کر عام کو پہلے جانے لیکن اگر دو آیتیں یا خبریں ایک دوسرے کے سامنے آ جائیں تو ان کا ذمہ دار تم نہیں بلکہ اللہ ہے کیونکہ تم تو یوں سمجھو گے کہ اللہ کی طرف سے یہی حکم آیا ہے اور اگر ان دونوں کا مقابلہ کرتے وقت خاص یا عام چیز کو پہلے جانو گے تو دین میں ایک نئی بات پیدا کر رہے ہوں گے اور جو نئی بات پیدا کرے وہ خود رب بن رہا ہوگا اور جو خود رب بننے کی کوشش کرے گا تو اس کوشش کے برابر اپنے بندہ ہونے میں ناقص بنے گا اور جب اس کا بندہ ہونے میں کمی پیدا ہوگی تو اس پر اللہ کی تجلی اتنی ہی کم ہو جائے گی کیونکہ بندہ ہونے کے معاملے اللہ کے معاملوں سے نہیں ملتے اور جب اللہ کے بارے میں اس کا علم کم ہوگا تو اتنا ہی وہ اللہ کو کم پہچانتا ہوگا۔

میں نے کہا کہ عام علماء تو خاص کا معنی وہی لیتے ہیں جو عام کا ہوتا ہے؟

انہوں نے کہا کہ ہر ایک شخص اپنے علم کے مطابق بات کرتا ہے۔ یہ بات یاد رکھو۔

زبرجد

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کشف کیا ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: یہ ایک واضح علم ہے جو کشف کرنے والے میں آتا ہے اور وہ اسے اپنے دل میں محسوس کرتا ہے اور اس کے دل میں کوئی شبہ نہیں پڑتا اور نہ ہی اسے یہ دل سے نکال سکتا ہے چنانچہ دل میں آنے والی بات کے علاوہ اسے کسی قسم کی دلیل بھی نہیں ملتی۔

کبھی یہ کشف، کشف والے کو اللہ کی تجلی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جو صرف رسول حضرات اور اولیاء اللہ سے تعلق رکھتا ہے پھر یہ بھی یاد رکھو کہ صحیح کشف شریعت کے عین مطابق ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ اعتقاد والی چیزوں میں یہ کشف کس طرح پہچانا جا سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کے لئے کوئی مضبوط طریقہ نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ اپنی ہر مخلوق کو ایسی معرفت دیتا ہے جو کسی دوسرے کو نہیں دیتا۔

میں نے پوچھا کہ کیا کامل لوگوں کو بھی اللہ کے بارے میں حیرانی ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ انہیں یہ حیرانی ان لوگوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے جو آنکھوں سے دیکھنے والوں کو ہو سکتی ہے۔

میں نے پوچھا: یہ کیوں؟

انہوں نے فرمایا کہ گہری سوچ والے لوگ دنیا کے بارے میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں لیکن کشف والے نظر اٹھاتے وقت دنیا کو سامنے نہیں رکھتے بلکہ وہ مشاہدہ کرنے والے کو وہی کچھ سمجھتے ہیں جو مشاہدہ میں آنے والے کو جانتے ہیں چنانچہ مختلف تجلیوں کی وجہ سے ان کی حیرانی کئی دلیلوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے اور اولیاء میں سے جو حیران ہو جاتا ہے وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔

ایسا شخص جو اللہ کے بارے میں حیران نہ ہو:

میں نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص ایسا بھی ہے جو اللہ کے بارے میں حیران نہ ہوتا ہو؟

انہوں نے کہا: ہاں! یہ وہ شخص ہوتا ہے کہ ساری دنیا کی بجائے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر ایسی تجلی فرماتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کو اللہ کے بارے میں شک نہیں رہ جاتا۔

میں نے پوچھا: کیا اتنی معرفت حاصل ہونے کے بعد بھی ان کشف والوں کے سامنے کوئی پردہ رہ جاتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: نہیں اس لئے کہ پردہ دور ہو جانے کے بعد دوبارہ نہیں آتا چنانچہ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ کے اس فرمان سے بھی یہی مراد ہے کہ "اگر یہ لوگ اللہ سے مل جائیں تو واپس نہیں آتے" یہاں وہ واپس آنے سے مراد دوبارہ پردہ میں جانا لیتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ لوگوں کے لئے سب سے بڑا کشف کون سا ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا آپ اور اپنے وہ حکم دکھا دے جن پر یقین سے عمل کرسکیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بیان کریں۔

میں نے پوچھا: کیا سارے لوگ اس کشف میں ایک جیسے ہوتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔

میں نے پوچھا کہ کیوں؟

انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ وہ اپنی ذاتی حقیقتوں میں حق تعالیٰ کو دیکھتے ہیں لیکن اگر وہ بعینہٖ حق تعالیٰ کو دیکھیں تو سب کا مرتبہ ایک جیسا ہو جائے۔ واللہ اعلم

جوھر

کامل لوگ درندوں وغیرہ سے کیوں ڈرتے ہیں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کامل لوگ درندوں اور ظالموں وغیرہ سے کیوں ڈرتے ہیں جبکہ حال والے کم مرتبہ ہونے کے باوجود نہیں ڈرتے؟

انہوں نے فرمایا کہ کامل لوگ اپنے اندر کمزوری کی وجہ سے ڈرتے ہیں جبکہ وہ ہمیشہ کے لئے اپنے

آپ کو بندہ سمجھتے ہیں جبکہ حال والے پوری طرح اس کے برخلاف ہوتے ہیں نیز اس لئے بھی کہ کامل لوگ ذاتی طور پر کسی چیز کو ضائع کرنے سے بھاگتے ہیں کہ انہیں قائم رکھنا ان پر لازم ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کی نگرانی میں ہیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا انسانوں میں رہتے ہوئے بے صبری سے کام لینا بنیادی چیز ہے یا عارضی ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ انسانوں میں یہ بنیادی چیز ہے جس کی وجہ سے ہر نفس میں ڈر پیدا کیا گیا ہے کیونکہ نہ ہونے کے بعد موجود ہونے میں پائی جانے والی لذت کا کوئی مقابلہ ہی نہیں اور ذاتی طور پر موجود نہ ہونے کا اثر نفس میں تکلیف پیدا کرتا ہے جس کی قدر و قیمت صرف علماء ہی جانتے ہیں چنانچہ ہر شخص معدوم ہونے یا تقریباً معدوم ہونے پر پریشان ہوتا اور اس پریشانی سے دور بھاگتا ہے اور اپنی ذات کے ختم ہونے سے کانپتا ہے۔ واللہ اعلم

یاقوت

انبیاء علیہم السلام کو ولی کی بجائے رسول وغیرہ کیوں کہا گیا؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ انبیاء علیہم السلام کو ولی کی بجائے رسول، اصلاح اور بندگی کرنے والا کیوں کہا گیا ہے حالانکہ ''ولی'' اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ عبادت میں ان کا مرتبہ و مقام اولیاء سے بڑھ کر ہوتا ہے کیونکہ بندے کے لئے بولا جانے والا سب سے بہتر نام عَبْد ہے اور اس نام کے لئے سب سے بہترین لفظ رسول اور مصلح (اصلاح کرنے والا) ہیں جو اللہ کے بارے میں نہیں بولے جا سکتے جس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے ولی کا لفظ اس کی آزمائش کے لئے الگ کیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کو وہ اللہ کی مہربانی سمجھتا ہے یا اپنا کام جانتا ہے اور اس کے ساتھ ٹھہرتے ہوئے کہ وہ دعویٰ کے حیلہ میں ہوتا ہے اور وہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو فرمان ہے کہ اسے اپنے لئے کام کرنے والا مانیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ اپنی چیزوں میں اپنا کارساز بنے؟

میں نے پوچھا کہ ہمارے لئے ولی کو اصلاح کرنے والا کہنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس صورت میں حرج نہیں جب اسے فاعل کی بجائے مفعول بنایا جائے (یعنی صالح کا معنی درست کیا جانے والا لیا جائے) کیونکہ عقلی اور شرعی طور پر اللہ کے کسی نام رکھنے سے گریز ضروری ہے اور اگر حق تعالیٰ اپنے فرمان میں تلاوت کے طور پر کسی بندے کے لئے یہ لفظ بولے اور ہمارا یقین ہو کہ وہ بندہ اللہ سے ڈرنے والا' آہیں بھرنے والا اور گڑگڑانے والا ہے تو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کا کوئی نام کسی مخلوق پر نہیں بولا جا سکتا بلکہ صرف وہاں بولا جا سکتا ہے جہاں اللہ نے بولا ہے۔

میں نے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں فرمایا ہے:

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ.

(البقرہ: ۱۳۰)

''اور بے شک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخرت میں خاص طور پر قریبی بننے والا کیوں فرمایا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قریبی ہونے کو آخرت کے ساتھ ایسے تین کاموں کی وجہ سے خاص فرمایا ہے جو دنیا میں ان سے ہوئے تھے' ان میں سے ایک یہ کہ انہوں نے اپنی بیوی سارہ علیہا السلام کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''وہ ان کی بہن ہیں۔'' پھر بہانہ بناتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''میں بیمار ہوں'' اور پھر کفار پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''یہ کام (بت توڑنے والا) ان میں سے بڑے بت نے کیا ہے۔'' اور جب قیامت کے دن لوگ انہیں شفاعت کا سلسلہ شروع کرانے کے لئے کہیں گے تو وہ انہی تین چیزوں کا بہانہ بنا کر انکار کر دیں گے۔ ہاں! آپ کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو اسی دنیا میں صالح فرمایا ہے جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

(آل عمران: ۳۹)

''اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

كَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ

(آل عمران:۴٦)

''پکی عمر میں اور خاصوں میں ہوگا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کی تھی:

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

(یوسف:۱۰۱)

''مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قربِ خاص کے لائق ہیں۔''

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی تھی:

وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ

(النمل:۱۹)

''اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرے قربِ خاص کے سزاواروں میں ہیں۔''

چنانچہ ان سب حضرات کو قربِ خاص والا بنایا گیا' کسی کو دنیا میں اور کسی کو آخرت میں اور بتایا گیا کہ وہ قرب والا بننے کی درخواست کرتے تھے۔ واللہ غفور رحیم۔

زمــرّد

ولی اپنے نبی کی برکت سے کرامت دکھاتا ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کی زبانی سنا' وہ فرما رہے تھے: اللہ کا ولی اپنے نبی کی برکت سے کرامت دکھاتا ہے چنانچہ اسی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وارث نہ ہوگا' وہ ہوا میں نہ اڑ سکے گا بلکہ پانی پر چلتا ہوگا۔ میں نے پوچھا کہ جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے تو کیا وہ پانی اور ہوا دونوں پر چل سکتا ہے

کیونکہ آپ کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ہاں! چل سکتا ہے۔

میں نے عرض کی: ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یقین اور بڑھ جاتا تو یقینی طور پر ہوا میں اڑتے' حالانکہ ہر ایک جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام اولیاء سے بڑھ کر یقین والے تھے اور وہ ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں؟

انہوں نے فرمایا: ہم میں سے کوئی بھی ولی ہوا میں اڑتا ہے تو وہ صرف اسی قدر اڑتا ہے جتنا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار ہے اس سے زیادہ نہیں اڑ سکتا۔

جوھر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا کہ بندہ صرف انتہائی ذلیل اور محتاج بن کر اللہ کا قریبی نہیں بنتا بلکہ وہ اس صورت میں قریبی بنتا ہے جب وہ جان لے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور پھر اس کا یہ جان لینا کہ وہ بندہ ہے' بعینہ اس کا بندہ ہونا نہیں بنتا تو اس کا بندہ بننا یقیناً دوری چاہتا ہے جیسے بندہ ہونے کا علم قریبی ہونا چاہتا ہے چنانچہ حضرت ابو یزید رحمہ اللہ نے بتایا تھا کہ اللہ فرماتا ہے: ''ایسی شے کے ذریعے میرا قریبی بن جو مجھ میں موجود نہیں ہے۔'' اس پر انہوں نے عرض کی کہ ایسی کون سی چیز ہے جو تجھ میں موجود نہیں؟ اس نے فرمایا کہ وہ انتہائی عاجزی اور محتاجی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ دونوں چیزیں مجھ میں نہیں ہیں اور اگر وہ انہیں اپنے آپ سے دور نہ کرتا تو یہ اس کی ایسی صفت ہوتیں جو اس کی خوبیوں میں شمار ہوتیں۔ اسے ذہن نشین کر لو۔

ماسہ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو کئی مرتبہ فرماتے سنا تھا کہ ہر ایسا شیخ جس کی مسکینی کے متعلق پوچھا جائے تو وہ سوچ کر جواب دے' اس کا جواب تسلی بخش نہ ہوگا اور وہ اس کی سوچ بچار کا نتیجہ ہوگا جبکہ یہ چیز اللہ والوں کے علم کی شرط نہیں بنتی۔

پھر میں نے یہ بھی فرماتے سنا تھا کہ دنیا میں سے کوئی بھی شخص خواہ کتنے ہی مرتبہ پر کیوں نہ پہنچا ہو' سببوں سے بچ کر نہیں نکلا (وہ کسی سبب ہی سے کام کرتا رہا) اور جو شخص سببوں کا انکار کرے وہ اس بات سے جاہل ہوگا کہ یہ اسباب بندے ہی کے لئے ہوتے ہیں اور سبب کو چھوڑنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ ذرا غور کرو کہ انسان جب بھوکا یا پیاسا ہوتا ہے تو کسی بڑے سبب کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟

زبرجدہ

مجھے میرے شیخ رحمہ اللہ نے ہدایت فرمائی تھی کہ جس حال میں تجھے اللہ رکھے' اس سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ جب تم گہری نظر کرو گے تو تمہیں وہی کام اچھا لگے گا جو اللہ نے تمہارے لئے بہتر جانا ہے۔ ذرا غور تو کرو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل تعظیم کرنے پر جب ان سے بھاگے تو اللہ نے انہیں کیونکر آزمائش میں ڈالا' اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی جانے لگی چنانچہ جس حالت سے آپ بھاگے تھے' اس سے زیادہ سخت حالت میں گھر گئے۔

میں نے عرض کی کہ بندہ اپنے آقا کے ہوتے ہوئے اپنی مرضی کیوں کرتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے صرف اپنے لئے پیدا کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی تسبیح کے لئے پیدا کیا ہوا ہے اور جسے یہ معلوم ہو کہ وہ اللہ کی خاطر پیدا کیا گیا ہے' وہ اللہ کے سامنے سوچ بچار اور مرضی نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنے بندے کو ہر وہ شے دیتا ہے جو اس کے لئے ضروری ہے اور اسی خیال کی وجہ سے بندہ کہتا ہے: ''میرا ارادہ یہ ہے اور میں یوں کرنا چاہتا ہوں۔'' لیکن اگر وہ زیادہ علم رکھتا ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اللہ ہی نے سب کو بنایا ہے' وہ اس سے زیادہ نہیں بن سکتا اور مان جانا اللہ کا پورا ادب ہے۔

والسلام

بلخش

کیا خاص ولی کو بھی نبوت والا علم ہوتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا خاص ولیوں کو کسی واسطے کے بغیر ہی نبی کے علم کی اطلاع

ہوسکتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: ابن قسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اس علم کو دل کی آنکھوں کے ذریعے جانتے ہیں' ذوق کے ذریعے نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اس بارے میں ان کی مدد فرماتا کہ وہ ایسی چیز کو اپنا نہ بنائیں جو ان کے لائق نہیں ہے تو وہ نبی ہونے کا اعلان کر دیتے چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اسی بناء پر فرمایا تھا کہ "اے نبیوں کے گروہ! آپ لوگوں کو نبی کا لفظ ملا ہے لیکن ہمیں وہ کچھ ملا ہے جو آپ لوگوں کو نہیں مل سکا" یعنی ہمیں نبی کہنے سے روکا گیا ہے حالانکہ ہم دل کی آنکھوں سے نبی کا علم جانتے ہیں اور یونہی حضرت ابویزید بسطامی رحمہ اللہ فقیہ لوگوں سے اکثر کہا کرتے تھے کہ "تم لوگوں نے میت سے میت کے ذریعے علم حاصل کیا ہے لیکن ہم نے اسے زندہ سے لیا ہے جو مرنے نہ پائے گا۔"

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ایسے لوگوں کی علامت کیا ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ ان میں علم بہت زیادہ ہوتا ہے' عقل ٹھکانے پر ہوتی ہے' ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور کبھی کبھار کے علاوہ ان کے دل نیند کا نام نہیں جانتے اور نہ ہی سوتے ہیں جبکہ انبیاء علیہم السلام کا علم عام طور پر اس سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ اس علم الٰہی کی نشانی کیا ہوتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے کہ عقلیں سوچ کے باوجود اس تک نہ پہنچ سکیں اور نہ ہی اسے مان سکیں' پھر یہ نشانی بھی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہر کلام پر غالب ہوتا ہے اور علم کی دوسری قسموں پر اثر ڈالتا ہے جبکہ اس پر کسی چیز کا اثر نہیں پڑتا جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی بادشاہی مضبوط ہوتی ہے اور اس عقل پر اس کا اثر ہوتا ہے جو سب سے بڑی طاقت ہے۔ واللہ اعلم

مرجان

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی آزمائش کرتا ہے کہ کیا اسے اس بناء پر چھوڑ دیا جائے کہ ایسے کام سے وہ بے پردہ ہو جاتا ہے یا کیا ایسا کام صرف اس بناء پر کرنا چاہئے کہ انہیں خوش کریں اور ان کا مقام بتائیں؟

انہوں نے فرمایا: ایسا کام صرف کامل لوگوں کو کرنا چاہئے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں تا کہ وہ اپنے مریدوں کو بتا سکیں کہ جن مرتبوں کا وہ اعلان کر رہے ہیں اس میں سچے نہیں ہیں تا کہ وہ اس پر اللہ سے بخشش مانگیں اور اس میں حقیقت تک پہنچ سکیں۔ پھر شیخ اور اس کے مرید کے درمیان پردہ نہیں ہوتا بلکہ مرید جب پردہ کرتا ہے تو وہ اپنی اور شیخ کی طرف سے اللہ و رسول کے ساتھ خیانت کر رہا ہوتا ہے۔ رہا شیخ کامل کے علاوہ کسی کی آزمائش تو ہم اسے ناپسند کرتے ہیں اور اس کو مانتے نہیں ہیں، رہی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آزمائش تو وہ اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعے ہوتی ہے جیسے وہ فرماتا ہے:

فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ

(ممتحنہ: ۱۰)

''تو ان کا امتحان کرو اللہ ان کے ایمان کا حال جانتا ہے۔''

ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی آزمائش کی تھی چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ''حضرت محمد ﷺ کی آل، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی محتاج ہے اور وہ اپنا تمام مال لے کر حاضر ہوئے اور پھر یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمائی لیکن انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی گئی بات نہ بتائی تو وہ اپنا آدھا مال لے کر آئے۔ اسی دوران آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟[1] انہوں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول چھوڑے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو انہوں نے آدھے مال کا ذکر کیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہارے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا تمہاری باتوں میں فرق ہے۔[2] اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے پتہ چل گیا ہے کہ آج کے بعد میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کبھی آگے نہیں نکل سکوں گا۔

پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ اگر رسولِ اکرم ﷺ ان کے مال کا کوئی خاص حصہ مقرر فرما دیتے تو دونوں اس سے کمی بیشی نہ کرتے تاہم آپ نے انہیں اس بات کا پتہ نہ دیا تا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی خوشی کے مطابق خرچ کرے تا کہ اس کے مرتبے کا پتہ چل سکے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے وہی کچھ کرنا تھا

۱۔ صہ ۱۲۹ حاشیہ نمبر ۱ ۲۔ صہ ۱۲۹ حاشیہ نمبر ۲

جوان کے دل میں آ چکا تھا۔

اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے ان کے زبردست ادب کا اندازہ لگایئے کہ "میں اپنے گھر میں اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔" کیونکہ اگر آپ صرف "اللہ" کا نام لیتے تو ان کے لئے حال اور ذوق کے اعتبار سے اس میں سے کچھ لینا اس وقت تک ممکن نہ ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر نہ دیتا اور جب آپ کے ذہن یہ بات آ گئی تو آپ نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا اور اگر فرض کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس میں سے کچھ دے دیتے تو وہ اپنے گھر والوں کے لئے لے لیتے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنے گھر والوں کے لئے عرض کی تھی کہ "اے اللہ! سفر میں تو ہی میرا ساتھی ہے اور گھر والوں کا بھی محافظ ہے۔"[۱] چنانچہ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اپنے مال میں حیثیت وہ تھی جو مال والے کے نائب کی ہوتی ہے تو غور کیجئے کہ یہ کلام کتنی پختہ ہے اور معاملات پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر کتنی گہری ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال میں سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کچھ بھی واپس نہ کیا، جس میں وہاں موجود لوگوں کے لئے یہ اشارہ تھا کہ آپ ان کی سچائی، نرمی اور دین سے واقف ہیں لیکن اگر اس میں سے کچھ واپس کر دیتے تو خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ آپ نے ان پر نرمی فرمائی ہے یا آپ نے ان کو اس نرمی کے لائق سمجھا ہے تو ذوق اور علم میں فرق دیکھو۔ ذوق والا وہ ہوتا ہے جو غور و فکر کئے بغیر ذاتی طور پر دیتا ہے اور جب یوں نہیں کرے گا تو علم رہ جائے گا، ذوق نہیں ہوگا۔ اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ شیخ کو اپنے مریدوں کا یونہی امتحان لینا چاہئے اور یہ امتحان ایسا نہ ہو جس میں اس کی کوتاہیاں دکھائی دینے لگیں۔

فیروزج

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا اللہ سے انس کرنا بھی بندے کا ایک حال ہو سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ کوئی بھی شخص اللہ کی ذات سے انس نہیں کر سکتا بلکہ لوگ اپنے ہی حال سے انس رکھتے ہیں۔

۱۔ صہ ۱۲۹ حاشیہ نمبر ۳

میں نے پوچھا کہ وہ کیونکر؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ انس تو ایک طرح اور ایک جیسے کام کرنے والوں میں ہوا کرتا ہے جبکہ اللہ اور مخلوق کے درمیان کسی بھی صورت میں نہیں ہوسکتا کہ اس سے کوئی انس کر سکے' یہ ایسی چیزوں میں ہوتا ہے جنہیں اللہ نے اپنی پہچان کی نشانی بنا رکھا ہے جس سے پتہ چلا کہ انس کا تعلق جب حق تعالیٰ سے ہو تو وہ ایک خاص وجہ سے ہوتا ہے جو مخلوق سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ کو جب معراج پر لے جایا گیا تو ہر طرف نور و نور ہونے کی وجہ سے آپ نے کسی ایسے شخص کو نہ دیکھا جس سے انس کر سکیں اور اس سے مل سکیں تو اس پہچان کی وجہ سے اپنے آپ کو تنہا دیکھا کیونکہ آپ کو اپنے جیسا دکھائی نہیں دے رہا تھا چنانچہ اسی دوران آپ کو اس وقت سکون محسوس ہوا جب آپ نے وہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی کہ ''ٹھہر جایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں فرما رہا ہے۔''

میں نے عرض کی: زیادہ تر لوگ تو کہا کرتے ہیں کہ بندے کا انس' نماز اور ذکر تو صرف اللہ کی ذات سے ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: یہ انس وغیرہ اللہ کی احدیت (لابشرطِ شے کا مرتبہ یعنی جب اس کے ساتھ کوئی بھی شے موجود نہ تھی) کے مقام میں نہیں ہوتا بلکہ دنیا و آخرت میں واحدیت (جب اللہ کے ساتھ مخلوق کا خیال بھی ہو) کے موقع پر پایا جاتا ہے چنانچہ اسی بناء پر گناہ کرنے اور حالات بدلنے سے یہ ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ حقیقی طور پر اللہ کے ساتھ ہوتا تو کبھی ختم نہ ہوتا کیونکہ اللہ کا یہ معاملہ اور حال جب واقع ہو جاتا ہے تو دنیا و آخرت میں ختم نہیں ہوسکتا۔ خواہ اس کے درجے اور مرتبے بڑھنے گھٹنے سے حالات کتنے ہی کیوں نہ بدل جائیں۔

میں نے پوچھا کہ انس کا تعلق جلال کی تجلی سے ہوتا ہے یا جمال کی تجلی سے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک جلال کی تجلی سے ہوتا ہے جبکہ صوفیاء کے نزدیک یوں نہیں کیونکہ ہر شخص کو فرقان نہیں دیا جاتا۔

میں نے پوچھا کہ کیا یہ جلال وہی خاص قسم کا ہے یا جمال کا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ جمال کا جلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جہان پیدا کرنے کے بعد صرف جلال میں

جلوہ فرما نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ جمال ہی کے جلال میں جلوہ فرماتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا اس جلال میں اللہ کی تجلی ہمیشہ رہے گی؟

انہوں نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کا مقام دنیا' برزخ اور قیامت ہے اور جب پکڑ دھکڑ کا یہ وقت گزر جائے گا تو اہل توحید کے نزدیک جلال کی اس مذکورہ تجلی کا کوئی اثر نہ ہوگا اور یہ اللہ کی طرف سے صرف گنجائش' مہربانی' نرمی' سخاوت اور احسان ہوگا۔

میں نے عرض کی کہ کیا فرشتوں کے لئے بھی جلال کی اس تجلی میں کوئی حصہ ہوگا؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! لیکن اس میں ہیبت' عظمت' ڈر اور جھکنے کی صورت ہوگی اور اللہ وہ چیز پیدا کرسکتا ہے جو تمہارے علم میں نہ ہو۔

مرجان

کیا دنیا سے علیحدگی جائز ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے مخلوق کے بارے میں پوچھا کہ کیا ان سے علیحدہ ہو جانا صحیح ہے یا ان میں گھل مل کر رہنا؟

انہوں نے فرمایا کہ گھل مل کر رہنا ایسے شخص کے لئے بہتر ہے جسے اللہ کی طرف سے سمجھ ملی ہو کیونکہ اس صورت میں اس کا اللہ کے بارے میں علم یوں بڑھے گا جو پہلے اس کے پاس نہ تھا لیکن جسے یہ سمجھ نہ مل سکی تو اس کے لئے تنہا رہنا ہی بہتر ہے۔

جوھر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ شہادت کے مرتبہ کی بنیاد اور حقیقت کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سارے حکموں پر لازمی طور عمل ہو اور دین کے سارے کام حکم الٰہی کے مطابق ہوں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے بعد یہ مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور نائب کو نہیں ملا اور جو ایسا کرے وہ پختہ علم والوں میں گنا جائے گا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکے ہوئے کاموں میں

سے ایسی کوئی راہ نہیں چھوڑی جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چھوڑے رکھا ہو۔ ہاں! انہوں نے آپ کے مقابلے میں پسندیدہ طریقہ اپنایا خواہ انہیں شرعی طور پر اس کا حکم نہ ملا تھا چنانچہ اسی بناء پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو کرنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا قرار دیا تھا کہ فرمایا: ''اگر میری امت میں کوئی محدث موجود ہے تو وہ عمر بن خطاب ہے۔'' اور یہ تحدیث باطنی طور پر اللہ کے بندے سے گفتگو جیسی شمار ہوتی ہے۔ تاہم اس کے باوجود آپ اپنے آپ کو منافق شمار کرتے تھے چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان سے کہا تھا کہ اے حذیفہ! کیا مجھ میں تجھے کوئی منافقت دکھائی دیتی ہے کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تم منافق لوگوں کو پہچان لیا کرتے تھے؟

میں نے عرض کی کہ ایمان کا کون سا درجہ کامل ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: کامل ایمان وہ ہوتا ہے کہ آدمی کے سامنے غیب چیزیوں معلوم ہو جیسے واضح دکھائی دینے والی ہوتی ہے، جس میں شک نہیں ہوتا اور جس سے پورے جہان میں امن پیدا ہو چنانچہ لوگ اپنی جان، مال اور گھر والوں پر یقین رکھتے ہوئے اسے امن دیں اور جہان میں وہ امن تہمت نہ بن جائے۔

میں نے پوچھا کہ ان دونوں میں سے کس سا کامل ہوتا ہے، کیا وہ کہ جس کا ایمان اس کے دل پر اللہ کی تجلی کی وجہ سے ہو یا وہ جسے ایمان پر دلیل کی ضرورت ہو؟

انہوں نے فرمایا کہ کامل وہ ہوتا ہے جسے دلیل کی ضرورت نہ ہو۔

میں نے پوچھا: وہ کیوں؟

انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ اس موقع پر اس کا ایمان رسولوں جیسا ہوتا ہے جبکہ دلیل سے حاصل ہونے والا ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں شبہ پڑ سکتا ہے اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا کہ رسول حضرات کا ایمان دلیل کی بناء پر نہیں ہوتا تو اسی بناء پر انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے ایمان کی حقیقت نہیں پوچھی تھی اور یہ اس بناء پر کہ حقیقی رسالت کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، رسول حضرات حق تعالیٰ کی عام توحید ماننے میں ہماری طرح ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بھی ہماری طرح کے حکم ملتے ہیں چنانچہ وہ اللہ کی بات مان رہے ہوتے ہیں اور ہم ان کے پیچھے ہوتے ہیں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ انسان کی روح نکل جانے کے بعد اس کے ساتھ کیسا ایمان ہوا کرتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس وقت اس کے ساتھ صرف فطرتی ایمان جاتا ہے' اس کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہوتا جیسے جنت میں اس کے ساتھ صرف وہی علم ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے' کسی کا بتایا نہیں ہوتا کیونکہ روح کے نکلنے پر یہ سب کچھ اس سے ہٹ جاتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا انسان کی بری خوابوں کی وجہ سے اس کے کامل ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! اس سے اس کے ایمان میں خامی پیدا ہوتی ہے۔

میں نے پوچھا: کیا ولی اور عارف ہونا صرف ایمان کی بناء پر ہوتا ہے یا اس کے علاوہ چیز ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ولایت اور معرفت کے مرتبے ذاتی طور پر یوں مستقل نہیں ہوتے جیسے ایمان ہوتا ہے کیونکہ یہ یوں محال ہے جیسے نبوت میں رسالت اور عزیمت دو مقام محال ہیں۔

میں نے عرض کی: کیا نبوت کے لئے علوم و معارف کی طرح روح اور بھید کی صفتیں ہوتی ہیں یا نہیں؟

انہوں نے فرمایا: یہ نبوت روح اور بھید کا کام نہیں بلکہ انسان میں ایک اکٹھا مرتبہ ہوتا ہے جو اس کے اعلان کے ساتھ ہی ہوتا ہے جس کی بناء پر وہ اس کی اس علیحدگی سے اس کا بچاؤ کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے وجود میں اس شریعت کے ختم ہو جانے کا فساد پیدا ہوسکتا ہے اور یہ اس لئے کہ ایمان کا مرتبہ حاصل کرنے والا شخص یہ جانتا ہے کہ سارے مرتبے ایمان کے مرتبہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کلّی اور جزئی عددوں کے مرتبہ میں ایک عدد ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک اس کے لئے ایسی بنیاد ہے جس کی وجہ سے اس کی شاخیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ کیا اوپر والی مخلوق اور نیک انسانوں اور جنوں کی روحوں کو نبی یا ولی کہا جا سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: انہیں انبیاء اور اولیاء نہیں کہا جا سکتا۔

میں نے عرض کی: وہ کیوں؟

انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ انبیاء و اولیاء ہوتے تو اللہ کے ناموں سے ناواقف نہ ہوتے۔

میں نے عرض کی کہ ناموں سے ناواقف تو زمین والے فرشتے ہیں جیسے اللہ کے اس فرمان سے پتہ

چلتا ہے۔

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً.

(البقرہ: ۳۰)

''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

کیونکہ آسمانی فرشتوں کو تو فساد اور خون بہانے میں دلچسپی ہی نہیں ہوتی؟

انہوں نے فرمایا کہ ان کی زمین والی جنس آسمانی فرشتوں کی رہنمائی کرتی ہے کیونکہ یہ مقامات کی طرف ترقی نہیں کرتے اور نہ ہی ایسا کر سکتے ہیں جبکہ بشر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ ترقی کر سکتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھو۔

میں نے پوچھا کہ کیا ایمان کو لفظوں سے بیان کیا جا سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایمان ایک ایسی حقیقت ہوتی ہے جو دل ہی میں سماتی ہے لہٰذا اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں! حدیث میں جن الفاظ سے انسان کے مسلمان اور مومن ہونے کا پتہ چلتا ہے ان سے مراد اس کی طرف سے تصدیق اور یقین ہی ہوتا ہے جن کے ذریعے فطری طور پر انسان کے دل میں موجود ایمان کا پتہ چلتا ہے چنانچہ اسی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کی حقیقت نہ پوچھی اور نہ ہی ایمان والوں کے بارے میں کوئی بحث کی بلکہ ان کی ظاہری شکل کو دیکھ کر ان کے اندرونی معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

یہ بات عام لوگوں کے لحاظ سے ہے ورنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ اے حارثہ! آج صبح کیسے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ تھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یقینی طور پر ایمان سے ہوں۔ جس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اے حارثہ! اپنی بات پر غور کرو کیونکہ ہر حق بات کی کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے خاص لوگوں کو اس بات پر خبردار کیا ہے کہ ظاہری صورت بنانے ہی پر بس نہ کر دیں بلکہ دلوں پر توجہ دیں تاکہ ان کا ایمان خالص ہو سکے۔

میں نے عرض کی کہ پھر ایمان تو وہی ثابت ہوا جو شروع سے انسان میں موجود تھا اور جو اللہ نے سب

انسانوں میں کر رکھا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یونہی ہے اور اس کا دارومدار انسان کی موت پر ہے تاہم اس سے پہلے اور اخیر میں دیکھا جائے تو یہ ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے لیکن دارومدار اخیر پر ہے کیونکہ وہ ایمان بعینہٖ پہلے والا ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر ایمان میں کمی بیشی نہ ماننے والے کی مراد فطری ایمان بنے گا جبکہ اس میں کمی بیشی ماننے والے کی مراد وہی پہلا ایمان بنے گا؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یہی مقصد بنتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا کسی شخص کا ایمان کے بغیر فوت ہو جانا ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ موت طاری ہوئے شخص کے بارے میں فرماتا ہے:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ.

(ق:۲۲)

''تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا۔''

انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کی روح اس وقت تک قبض نہیں فرماتا جب تک وہ حدیث میں آنے والی اللہ کی باتوں کو یقینی طور پر دیکھ نہیں لیتا۔ میں موت میں گرفتار اس شخص کا ذکر کر رہا ہوں جو روح نکلنے سے پہلے بیمار ہو، ایسے شخص کا ذکر نہیں کرتا جو اچانک یوں فوت ہو رہا ہو کہ اس کا اندر کا سانس تو نکل آئے لیکن باہر والا اندر داخل نہ ہو اور نہ ہی اس کا ذکر کرتا ہوں جو بایں طور دھوکے سے مارا جائے کہ پیچھے سے غفلت میں اس کی گردن اڑا دی جائے لیکن اسے پتہ بھی نہ چل سکے کیونکہ ایسے دو شخصوں کی روحیں کفر ہی کی حالت میں قبض کی جاتی ہیں۔ رہا وہ جو موت میں گرفتار ہو تو وہ یوں نہیں ہوتا بلکہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے چنانچہ موت سے پہلے فرشتوں کو دیکھتا ہے اور دیکھنے والے کی طرح ایمان لاتا ہے اور اس وقت کی ہر چیز کو مانتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ اسے یہ ایمان فائدہ کیوں نہیں دیتا؟

انہوں نے فرمایا: اسلئے کہ اس نے صحت اور اللہ کے حکموں کے دوران اسے ادا نہیں کیا ہوتا۔

میں نے عرض کی کہ کچھ کشف والوں کا خیال ہے کہ مایوس شخص کا ایمان کارآمد ہوتا ہے' ان کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

وَاَخَذْنَا هُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ.

(زخرف: ۴۸)

''اور ہم نے انہیں مصیبت میں گرفتار کیا کہ وہ باز آئیں۔''

اس کشف والے کا کہنا ہے کہ عذاب اترنے کے دوران واپس آنے والا (ایماندار) اللہ کے ہاں قبول کر لیا جاتا ہے کیونکہ اللہ نے لعلھم یرجعون فرما کر وہ کچھ بتایا جس کی امید تھی یعنی وہ ہماری طرف لوٹ آئے گا تو ہم اسے قبول کر لیں گے؟

آپ نے فرمایا: اگر یہ باطنی بات سچی ہے تو یہ اس شخص کے بارے میں ہوگی جس کا ایمان اس کے سینے میں گڑ چکا ہو اور اسے اس پر یقین ہو لیکن کسی وجہ سے وہ لوگوں میں مشہور نہ ہو۔ مختصر یہ کہ یہ معاملہ انکار کرنے اور ثابت کرنے والے ہر شخص کے سامنے یقینی طور پر کھل جاتا ہے لیکن ادب تو شریعت پر عمل کرنے ہی میں ہے۔ واللہ اَعلم

بلخش

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ایسے شخص کی ولایت کو برا کہنے پر ہم گنہگار تو نہ ہوں گے جس کے وہ عمل دکھائی نہیں دیتے جن کی وجہ سے وہ نمایاں نظر آئے؟

انہوں نے فرمایا: نہیں اور پرہیزگاری چھپی نہیں رہ سکتی کیونکہ بڑے بڑے ولیوں کو برا کہا جاتا ہے وہ پانچ وقتہ نماز کے علاوہ نماز پڑھتے ہی نہیں' نہ ہی مؤکدہ سنتیں پڑھتے ہیں اور نہ ہی کوئی انوکھا کام کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی پہچان ہو' اپنی ضرورتوں کے لئے بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور عام لوگوں جیسی گفتگو کیا کرتے ہیں چنانچہ ایسے لوگوں کی ولایت کا مذاق اڑایا جاتا ہے جو اچھی بات نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ.

(الاسراء:٣٦)

''اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔''

میں نے عرض کی کہ ہمیں ان کی کچھ علامتیں بتائیے تا کہ ان کا ادب کرسکیں؟

انہوں نے فرمایا: ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ پختہ علم والے ہوتے ہیں' اللہ کے بندے بنتے ہیں' وہ ہچکچاتے نہیں کیونکہ پالنہاری کے شہنشاہ نے ان کے دلوں کو اپنے قبضے میں رکھا ہوتا ہے' انہیں ریاست کی خواہش نہیں ہوتی' وہ دیکھنے والوں کے سامنے عادت کے خلاف کام کر لیتے ہیں چنانچہ جہان میں سے کوئی بھی انہیں دینے پر کوئی نہ کوئی سبب اپناتا ہے جس کی وجہ سے اس میں اور ان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا اور صرف وہی جانتے ہیں کہ یہ کام کیسے کرنا ہے' رہے وہ لوگ جو بظاہر عادت کے خلاف کام کرتے ہیں تو وہ اس مرتبہ کی بو بھی نہیں سونگھ سکتے کیونکہ وہ اسباب پر نظر رکھتے ہیں اور یہ اسباب ان سے دور نہیں ہوتے بلکہ انہی سے کام چلتا ہے ہاں! یہ خفیہ ہوتے ہیں اور ایسے موقع پر خلافِ عادت کام کرنے والوں میں حسی حرکت ضرور ہوتی ہے جو بعینہٖ مطلوب شے ہوتی ہے چنانچہ وہ ہوا میں چلو بھرتا یا ہاتھ سے کچھ پکڑ لیتا ہے اور سونے وغیرہ جیسی پکڑی چیز کو کھولتا ہے چنانچہ اور یہ کام اس کے ہاتھ ہلانے اور چیز کو پکڑ لینے کے بغیر نہیں ہوتا' یہ کام سبب کے ذریعے ہوتا ہے لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوا کرتا کیونکہ پکڑ لینا تو عادت میں شامل ہے تاہم اسے یوں حاصل کرنے کا رواج نہیں جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ کام عادت کے خلاف ہے۔

ایسے لوگوں کے واقعات کے بارے میں ہم نے اپنی کتاب ''الانوار القدسية فی مراتب العبودية'' میں تفصیل سے لکھا ہے' یہ نفیس کتاب ہے کہ جس کے آداب اور طور طریقوں سے ہر شخص کو واقف ہونا چاہئے۔

واللہ علیٰ کل شیئ شھید

زبرجد

کیا قوم کا سردار ان کا خادم ہونا چاہئے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا: "قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔" کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

اس پر انہوں نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی طرف بلانے والا ہر رسول، ولی اور عالم ان کا خادم ہونا چاہئے جنہیں وہ اللہ کی طرف بلاتا ہے کیونکہ یہ اس کے لئے ایسا فائدہ مند مال ہے جو آخرت میں اس کے کام آئے گا جیسا کہ ہر رسول نے کہا ہوا ہے کہ "مجھے اللہ ہی اجر دے گا۔" چنانچہ تمام رسول اور ان کے ماننے والے اپنے ساتھیوں کے تابع ہوتے تھے اور دنیا و آخرت میں ان کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں لیکن بات چیت اور اپنے حالات میں وہ ان سے الگ دکھائی نہیں دیتے۔ ہاں! صرف اس بات (نبوت) میں ان سے الگ ہوتے ہیں جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہی کی زبانی انہیں نکھارا ہوتا ہے، اس طریقہ سے ان کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنے قریب لائیں اور ان پر مہربانی کریں۔ چنانچہ رسول اور کامل قسم کے اولیاء کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ ان پر نازل ہونے والی مصیبتیں ان کے ساتھیوں پر نازل نہ ہوں، یہ ان کی اس مہربانی کا نتیجہ ہے جسے اللہ نے ان کے دلوں میں پیدا کر رکھا ہوتا ہے۔ چنانچہ جو شخص اس حدیث کا مفہوم سمجھ لیتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کے ہاتھوں اس کے بھائی کو تکلیف پہنچے، ایسا صرف اس وقت چاہتا ہے جب اس کے بھائی کی اس پر سرداری نظر آ رہی ہو تو گویا وہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ میں اپنے آپ پر تمہیں سردار نہیں بننے دوں گا۔ واللہ اعلم

جوہر

اعوذ باللہ کہنا صرف اللہ ہی کے ساتھ کیوں آتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اعوذ باللہ کے الفاظ صرف لفظ اللہ ہی کے ساتھ کیوں آتے ہیں، "رب" وغیرہ دوسرے ناموں کے ساتھ کیوں نہیں آتے؟

انہوں نے فرمایا: اس بناء پر کہ اعوذ باللہ کہنے والا شخص مثلاً نماز اور تلاوت کے دوران شیطان کی طرف سے دل میں ڈالے جانے والے برے خیالات سے واقف نہیں ہوتا لیکن اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے نام کے علاوہ دوسرے کسی نام سے انہیں دور کرے لہٰذا وہ اللہ جیسا جامع نام بولتا ہے جو ہر ایک نام کا حقیقی نام ہے اور دور کرنے کے لائق خیال کو دور کر دیتا ہے کیونکہ اللہ کا یہ نام ہر نام کا معنیٰ رکھتا ہے جبکہ خاص نام لینا ہر ہر حالت کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ مثلاً گنہگار کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھے بخش دے، بھوکا کہتا ہے کہ اے رب مجھے کھانا دے اور قرض دار کہا کرتا ہے کہ اے اللہ! میرا قرض اتار دے۔ ہر ایک ایسے ہی مناسب الفاظ بولتا ہے البتہ کامل لوگوں کے لئے اپنی ضرورت کے الفاظ تو ڈھکے چھپے نہیں ہوتے لیکن اگر کسی موقع پر کوئی لفظ نہیں ملتا تو پھر وہ اللہ کا نام لے کر پکارتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

(النحل: ۹۸)

''جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو مردود شیطان سے بچاؤ کے لئے اللہ کا نام لیا کرو۔''

چنانچہ اسی بناء پر اللہ کے علاوہ کوئی اور نام نہیں بولا جاتا۔

میں نے سوال کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مطلب کیا بنے گا؟ ''میں تیرے نام کے ذریعے تیری پناہ لیتا ہوں۔''[1]

انہوں نے فرمایا کہ آپ کا یہ فرمان اس موقع پر تھا جب گویا آپ اپنے آپ میں نہ تھے کیونکہ آپ اس وقت اللہ کی بارگاہ میں تھے جو ساری چیزوں میں گنا جاتا ہے اور جب آپ ترقی کر کے جمع الجمع اور فرق الفرق (تصوف کے لفظ میں) کے مقام پر پہنچے تو حکم ملا کہ اعوذ باللہ کہئے۔ یہ بات ذہن نشین کر لو۔

میں نے پوچھا کہ کامل لوگوں کو اعوذ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے:

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ.

(الحجر: ۴۲)

''میرے بندوں پر تجھے قابو حاصل نہیں ہے۔''

۱۔ صہ ۱۳۵ حاشیہ نمبر ۱

انہوں نے فرمایا کہ اللہ کا یہ فرمان حق ہے اور شیطان انہیں بے فرمان کرنے کی ہمت نہیں رکھتا' وہ انہیں صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے اور جب وہ وسوسہ ڈالتا ہے تو انہیں اس کے وسوسے کا پتہ ہی نہیں چلتا جبکہ باقی لوگوں میں سے خاص لوگوں سے ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان کے دلوں میں گناہ اور ایسے شبے پیدا کرتا ہے جو ان کا ایمان خراب کر دیں اور وہ برے کام کریں چنانچہ کچھ لوگ تو اس پر عمل کرتے ہیں لیکن کچھ محفوظ رہتے ہیں البتہ حیرانی اور شک میں رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ فرمایا تھا کہ یہاں ایک نکتہ کی بات ہے اور وہ یہ کہ تمہیں پورے قرآن میں ایسے خاص اور نیک بندہ کے علاوہ بندے نہیں ملیں گے جو خاص طور پر نیک بخت ہوں گے اور ان کا اللہ سے تعلق ہوگا البتہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے اللہ کی طرف نسبت کئے بغیر عباد کا لفظ آیا ہے جیسے اللہ نے فرمایا:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ.

(زمر: ۷)

''وہ اپنے خاص بندوں کا کافر ہونا پسند نہیں کرتا۔''

ان سے اس کی مراد خاص بندے ہیں ورنہ وہ اس کا ارادہ کرتا اور یہ چیز کافروں کے حصے میں لکھ دی ہے۔

میں نے عرض کی کہ رضا تو ارادے کے علاوہ دوسری چیز کا نام ہے؟ (راضی ہونا اور ہوتا ہے اور ارادہ کرنا دوسری چیز ہے)

انہوں نے فرمایا: ہاں! بات یونہی ہے تاہم شطح والے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی معنی دیتے ہیں لیکن انہیں الگ الگ مقام پر بولنا علماء کی طرف سے ہوتا ہے اور پکی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتیں جب ایک دوسرے میں داخل ہوتی ہیں تو وہی کرتی ہیں جو دوسری صفتیں کرتی ہیں۔ واللہ اعلم

عقیق

علماء کرام تاویل سے کام کیوں لیتے ہیں؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ.

(ابراہیم: ۴)

''ہم نے جو رسول بھی بھیجا' اپنی قوم کی بولی والا بھیجا تا کہ وہ ان کے سامنے ہر شے کو واضح کر دے۔''

جب رسولوں نے اپنی قوم کے سامنے اللہ کا ہر حکم رکھ دیا تو پھر علماء کو تاویل (ڈھنگ سے معنی بتانے) کی کیا ضرورت ہے؟

انہوں نے فرمایا: لوگوں کو تاویل کی ضرورت صرف اس لئے پیش آتی ہے کہ وہ حضرت شارع علیہ السلام کی بتائی مشکل باتیں سمجھنے سے عاجز ہوتے ہیں اور یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ ہر امت شروع ہی سے اپنے رسول کی بولی جانتی ہوتی ہے لیکن اس کا تعلق اللہ کے حکموں کی وضاحت سے ہوتا ہے۔ اللہ کا نبی اللہ کی کتاب کے حکموں کی وضاحت کرتا ہے' رہی ان حکموں کی وضاحت جو کتاب میں واضح نہیں ہوتے تو لوگوں میں انہیں سمجھنے کی ہمت نہیں ہوتی بلکہ یہ رسول کا کام ہوتا ہے اور رسول کا یہ مقام ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں موجود حکموں کو اپنی امتوں کے لئے واضح کر دیں اور بات ہی بات کی وضاحت کیا کرتی ہے چنانچہ رسول حضرات ان حکموں کی وضاحت کے لئے اللہ کے نائب ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے واضح نہیں کیا ہوتا۔ اگر جہان میں یہ صورتحال ہمارے اس دور تک نہ چلی آتی ہوتی تو نہ ان کتابوں کی وضاحت ہوتی اور نہ ہی ایک زبان سے دوسری زبان میں ان کے ترجمے کئے جاتے اور نہ ہی ان کے حال کا پتہ چلتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرما رکھا ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ.

(نحل: ۴۴)

''کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا۔''

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ رسول صرف وہی کچھ بتائیں جو ان کی کتاب میں تھا۔

میں نے عرض کی کہ پھر اللہ کی کلام تو صرف وہی ہوئی جو اس نے اتاری ہوئی تھی' رہی رسولوں کی طرف سے اس کی وضاحت تو وہ اللہ کی طرف سے اتاری کی وضاحت بنتی ہے' بعینہٖ اللہ کی اتاری نہیں ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! بات یونہی ہے کیونکہ رسولوں کا بیان تو دوسرے لفظوں میں تھا۔

میں نے عرض کی کہ کیا امت کے کسی عالم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی سمجھ سے لوگوں پر اترے کی وضاحت کرے یا وہی کچھ بتائے جو حضرت شارع علیہ السلام کی طرف سے حدیث میں آ چکا کیونکہ وہ وضاحت سے ناواقف ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس پر لازم ہے کہ لوگوں کو صرف وہی کچھ بتائے جو رسول اللہ ﷺ بتا چکے کیونکہ وہ زیادہ وضاحت کرے گا تو وہ بات لوگوں کے لئے عذاب بن جائے گی جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ.

(توبہ: ۱۱۵)

''اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتا دے کہ کس چیز سے انہیں بچنا ہے۔''

لیکن اللہ و رسول کی وضاحت رحمت بنتی ہے جبکہ ان کے علاوہ دوسروں کی نہیں بنتی اور پھر رسول اللہ ﷺ نے فرما بھی رکھا ہے کہ ''کئی بیان گویا جادو جیسا اثر رکھتے ہیں۔'' جبکہ جادو سیکھنا حرام ہی نہیں بلکہ کفر ہوتا ہے کیونکہ بندے پر جادو کا اثر یہ ہے کہ وہ دلی طور پر اسلام سے باہر ہو جاتا ہے لہٰذا جادوگر کے لئے لازم ہے کہ اسلام سے نکلنے پر اس کی طرف واپس آ جائے چنانچہ اسی بناء پر حضرت شارع علیہ السلام نے اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مخلوق کے لئے ہر موقع کے مطابق واضح بیان کرتا نظر آتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں انہیں برباد کر رہا ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس اللہ کے ہاں بتانے کے لئے کوئی بہانہ نہیں ہو گا جبکہ دو طبقوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو یہ کام کر سکیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا رسولِ اکرم ﷺ قرآن کو معنی کے لحاظ سے پڑھ سکتے تھے کیونکہ ہمیں اس کا مفہوم بتانے والے آپ ہی تو تھے؟

انہوں نے فرمایا کہ آپ کے لئے یوں مناسب نہ تھا لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ آپ نے قرآن کی وضاحت میں دخل دیا تھا تو آپ کا یہ کام اسے سمجھانے کے لئے تھا وہ اللہ کی طرف سے اترے ہوئے کی

صورت نہ تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے:

لِتُبَيِّنَ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ.

لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ قرآن کے عین لفظ اور حرف بدلتے۔

میں نے پوچھا: خواہ یہ فرض کرلیا جائے کہ آپ قرآن کے تمام معنی یوں جانتے تھے کہ ایک معنی بھی آپ سے اوجھل نہ تھا؟

انہوں نے فرمایا: اگر یہ فرض کرلیا جائے اور اللہ کی طرف سے اتارے ہوئے کا مفہوم بدل لیا جائے تو اس کا فائدہ کیا ہوگا جبکہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ایسے تمام کلمات کو کمی کئے بغیر جمع کیا جائے جن کی وجہ سے بدلے ہوئے معنوں کو تبدیل کیا گیا ہو اور سارے انبیاء علیہم السلام ایسا کرنے سے بچے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ اگر کوئی نبی بولے اور لکھے جانے والے حرفوں میں تبدیلی کرے تو اس کے بارے میں کہا جاسکے گا کہ اس نے لوگوں کی طرف اتارے یا نہ اتارے ہوئے کو نہیں پہچانا ہے حالانکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بولا کرتا۔ یہ بات ذہن میں رکھو۔

میں نے عرض کی کہ پھر اللہ تعالیٰ نے

مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ.

کیوں فرمایا ہے اور یہ کیوں نہیں فرمایا کہ جو کچھ ان کے لئے آپ کی طرف اتارا گیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: یہاں آپ کو درمیان سے نکالنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی شریعت آپ کے بعد اللہ کی طرف سے اترنے والے الہاموں کی وضاحت بنتی رہے اور اس الہام پر عمل اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک اسے شریعت کے مطابق پرکھا نہ جائے اور اگر وہ فرما دیتا:

مَا نُزِّلَ اِلَيْكَ.

''جو آپ کی طرف اتارا گیا۔''

تو اس سے مراد صرف وہی فرمان ہوتا جو صرف آپ کی طرف اتارا گیا ہوتا' وہ مراد نہ ہوتے جو آپ کی امت پر اتارے گئے لہٰذا یہ بات پلے باندھ لو۔

زمرد

کیا کسی شے کا سایہ بھی سجدہ کیا کرتا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے فرمان

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ.

(رعد: ۱۵)

''اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں' خوشی سے یا مجبوری سے اور ان کی پرچھائیاں ہر صبح وشام۔''

کے بارے میں پوچھا کہ کیا سائے کو بھی اتنی سوجھ بوجھ ہوتی ہے کہ اپنی مرضی سے اللہ کو سجدہ کرے؟

انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جہان میں ہر شے کے سائے کو صرف اس لئے سجدہ کرنے والا بنایا ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کو سجدہ کرتی رہے' بشرطیکہ وہ ماننے والی ہو لیکن اگر وہ خود اللہ کو نہ مانے تو اس کا سایہ اس کی جگہ عبادت اور سجدہ کر سکے چنانچہ یہ سائے ان چیزوں کے قدموں میں ہوتے ہوئے سجدہ کر رہے ہوتے ہیں جن کے یہ سائے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا یہ سجدہ ہر مخلوق کی طرف سے ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ایسا سجدہ انسانوں کو چھوڑ کر ہر شے کرتی ہے کیونکہ ان میں سے عام طور پر یہ سجدہ صرف اللہ کے لئے کرتے ہیں چنانچہ کچھ تو اللہ سے ڈر کر اور کچھ دکھلاوے اور سنانے کے لئے کرتے ہیں اور کچھ ان میں سے اس خیال کی بناء پر اللہ کے علاوہ دوسروں کو کرتے ہیں کہ اللہ کے قریب ہو سکیں حالانکہ اس پر ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا اور پھر یہ اللہ کی کھلم کھلا رحمت ہے کہ وہ فرشتوں کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کی وجہ سے بت پرستوں کو مہلت دیتا ہے جبکہ اپنے بندوں کو بیت المقدس اور کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے کچھ بندے اللہ کے حکم کے بغیر مخلوق چیزوں کی طرف سجدہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قیامت کے دن ان سے سوال ہوگا کہ ''تمہیں کس نے یہ حکم

دیا کہ میرے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرو؟'' یہ نہیں کہا جائے گا کہ ''میرے علاوہ یہ کس نے جائز کیا کہ تم میرے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرو؟'' کیونکہ اگر ان سے یوں سوال ہوگا تو وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! تو نے حکم دیا تھا۔'' اور اگر وہ پوچھے گا کہ یہ بات کس کتاب میں ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم نے اس سجدے پر قیاس کیا ہے جس کا تو نے عظیم مخلوقات کو حکم دیا ہوا ہے جیسے دوسرے دین والوں نے کچھ حکموں کو دوسرے حکموں پر قیاس کیا ہے اور اسے دین سمجھتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تمہیں سجدہ کرنا تمہارا کام تھا اور قیاس کرنا میرا معاملہ ہے جو ان ہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن تمہارے ساتھ نہیں چنانچہ اسی بناء پر اللہ ان پر قابو پالے گا اور انہیں جہنم میں داخل کردے گا۔

میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر مخلوق میں سے عام طور پر سجدہ کرنے والے' انسان کس مقابلے میں کامل ہوں کیونکہ عام طور پر یہ سجدہ نہیں کرتے؟

انہوں نے فرمایا کہ انسان سے کسی شے کا مرتبہ بڑھ کر نہیں ہوتا۔

میں نے عرض کی کہ انسان کا کمال کس وجہ سے پردے میں ہوتا ہے کہ اکثر لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا: اس میں حکمت یہ ہے کہ ہم اس سلسلے میں یوں ہیں کہ کچھ بندے عبادت کی بجائے مجبور بن کر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندے کو دلاسہ دینے کی وجہ سے نسبت عطا کرتا ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ.

(حج: ۱۸)

''کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس میں سورج' چاند' ستاروں' پہاڑوں' درختوں اور چوپایوں جیسی بنیادی اور پیدا کرنے والی چیزوں کا ذکر کر دیا ہے اور کسی بھی مخلوق کو نہیں چھوڑا اور جب تفصیل کرتے ہوئے لوگوں کے ذکر تک پہنچا تو فرمایا:

وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ.

(الحج: ١٨)

''اور بہت سارے لوگ۔''

یہاں سارے لوگوں کا نام نہیں لیا چنانچہ اسی بناء پر اس کے نیک بندے کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ زمین و آسمان کی ہر شے اس سے پیار کرتی ہے اور بہت سے لوگ بھی پیار کرتے ہیں لیکن بہت سے اس کا انکار کرتے اور اسے بے دین بناتے' گالیاں دیتے اور جھوٹا جانتے ہیں چنانچہ (ایک حدیث قدسی میں) رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام کی اولاد نے مجھے جھوٹا سمجھا حالانکہ یہ اس کے لئے مناسب نہیں تھا' مجھے گالیاں دیں جو اس کے لئے مناسب نہ تھیں۔'' الحدیث

میں نے عرض کی: ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص سے محبت کرنا چاہتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ ''میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں۔'' جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام اور آسمانوں کے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر زمین میں یہ اعلان کر دیا جاتا ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام کے قتل کا کیا مطلب اور یہ آواز سن کر اولیاء سے دشمنی کا کیا مطلب ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ولی سے محبت صرف وہی کرتا ہے جو یہ آواز سنتا ہے اور نبیوں کے قاتل نہیں سنتے چنانچہ ولی سے پیار کا اعلان وہاں تک پہنچتا ہے جہاں زمین پر فرشتے کی آواز پہنچتی ہے' اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ ابدال میں سے ایک کی سانپ سے ملاقات ہوئی جو ''ق'' پہاڑ کے اردگرد گھوم رہا تھا' اس نے آپ سے مغرب میں رہنے والے حضرت ابومدین رحمہ اللہ کا حال پوچھا؟ آپ نے کہا کہ خیریت سے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ اس شہر کے رہنے والوں کا ان سے برتاؤ کیسا ہے؟ آپ نے کہا کہ وہ اسے بے دین کہتے ہوئے پریشان کرتے ہیں۔ اس پر سانپ نے کہا کہ مجھے آدم کی اولاد پر تعجب ہے۔ خدا کی قسم! میرا یہ خیال نہیں تھا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پیارا سمجھے تو وہ اسے ناپسند کرے۔ انہوں نے سانپ سے کہا: تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟ اس نے کہا کہ سبحان اللہ! کیا روئے زمین پر کوئی ایسا بھی ہے جو اس سے ناواقف ہو۔ اللہ کی قسم! وہ تو ایسی شخصیت ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنا لیا ہے اور ان کا پیار اپنے مومن بندوں کے دلوں میں

ڈال رکھا ہے۔ اس کے بعد اس سانپ نے ابدال کے ذریعے ابو مدین کو سلام کہلا بھیجا۔

میں نے پوچھا کہ ان حضرت ابو مدین رحمہ اللہ کا مرتبہ کیا ہے؟

حضرت ابو مدین دو اماموں میں سے ایک تھے:

انہوں نے فرمایا: حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دو میں سے ایک امام شخص تھے کیونکہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں سے میری سورت تبارك الذی بیده الملك ہے اور یہ سورت دو اماموں میں سے ایک امام کی ہے۔

میں نے کہا: کیا سجدہ کرنے والا یہ سایہ اس عدم کا ہے جسے نور مبین کہا جاتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ تاریکی کی قسم ہے جس کی وجہ سے اس میں سکون ملتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ ذاتی طور پر یہ سارے سائے چھپے چھپے کیوں ہوتے ہیں؟

انہوں نے بتایا: اس لئے کہ نور انہیں کہیں بے نام ونشان نہ کر دے کیونکہ یوں ان کا وجود ہی باقی نہیں رہے گا' انوار جس چیز کو گھیر لیتے ہیں تو اس کا سایہ بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے اور اسی میں گم ہو جاتا ہے۔

میں نے پوچھا کہ یوں تو پھر ہر شے کے دو سائے ہوئے' ایک وہ سایہ جو اس شخص سے نکلے اور اس کے ساتھ ہی ہو جس کی ابتداء اس کے وجود سے ہو اور ایک وہ سایہ جو اس شخص کے اندر ہی ہو اور اس سائے کے مقابلے میں ہو جو اس سے نکل رہا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یونہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا.

(فرقان: ۴۵)

''اے محبوب! کیا تم نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ کیسا پھیلایا سایہ اور اگر چاہتا تو اسے ٹھہرایا ہوا کر دیتا' پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل کیا۔''

یعنی اس پھیلے ہوئے سایہ کی دلیل بنے اور پھر ہم نے اسے تھوڑا سا اپنے قبضے میں لیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان ''ہماری طرف'' کہہ کر اس شخص کو عزت دی جس سے سایہ نکلتا ہے لہٰذا اس پر غور کرو کہ تمہارا

فائدہ ہوگا اور اپنے رب کے پاس میرا ذکر کرو کیونکہ میں تمہارے لئے وہ چیز واضح کر رہا ہوں جس کے بارے میں اللہ نے اس آیت میں تمہیں یوں خبردار کیا ہے جیسے اس نے اللہ کا ذکر کیا ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھو کہ اگر تم سایہ کی طرف پیٹھ پھیر لو تو وہ تمہیں دکھائی نہیں دے گا اور تم نور حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھو گے لیکن اسے اس وقت حاصل نہ کر سکو گے جب اس کی طرف بڑھو گے اور سورج کی طرف سے منہ پھیر لو گے جبکہ سورج سے منہ پھیرنے میں تمہیں کھلا گھاٹا پڑے گا۔

میں نے کہا کہ پھر کامل شخص وہ ہوگا جو اللہ کے ساتھ یوں ہوگا جیسے سایہ' سایہ والے کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس سے الگ نہیں ہوتا اور نہ ہی سامنے آتا ہے کیونکہ سایہ کو جب تم کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر پھیلاؤ گے تو لمبا ہوگا اور ریشم کے بستر پر پھیلاؤ گے تو بھی پھیل جائے گا چنانچہ وہ کامل شخص نہ اس سے خوش ہوتا ہے' نہ اس سے اور نہ ہی ٹھہر جانے والی چیز کے ٹھہرے بغیر ٹھہرتا ہے اور نہ اس کی کسی خاص حرکت کے بغیر حرکت کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہاں! جسے اللہ کے ساتھ اس طرح کی حالت نصیب ہو جاتی ہے تو وہی اللہ کا خاص بندہ ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا یہ سایہ نور (کا بیٹا یعنی نور) سے حاصل ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! وہ نور اور بھاری جسم کا گویا بیٹا ہوتا ہے جسے جسم اتارتا ہے۔

میں نے عرض کی: یوں تو پھر گویا ماں کا حق سایہ ہی جانتا ہوگا اور باپ کے ساتھ اس طرح کا کوئی ادب والا بنتا نہ ہوگا؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! کیونکہ وہ عاجزی اور زاری کے بغیر موجود ہی نہیں ہوتا۔ ہاں! اس وقت ہوتا ہے جب کسی دیوار کے مقابلے میں آئے چنانچہ اسے وہی دیوار وجود میں لاتی ہے جو اس کے علاوہ ہوتا ہے بعینہٖ وہ نہیں ہوتا۔ واللہ اَعلم

زبرجد

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ.

(نساء:۱۳۶)

''اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر۔''

کے بارے میں پوچھا کہ اس میں پہلے ایمان سے کیا مراد ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ پہلے لفظ اٰمَنُوْا کے ذریعے اللہ تعالیٰ پہلی کتابوں پر ایمان چاہتا ہے جبکہ دوسرے لفظ اٰمِنُوْا سے حضرت محمد ﷺ پر ایمان چاہتا ہے یعنی وہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو اور اس کے بعد حضرت محمد ﷺ کے فرمان پر ایمان لاؤ' نہ اس علم کی بناء پر جو تمہیں اس بارے میں پہلے سے تھا اور نہ ہی اس ایمان کے سہارے جو تمہیں اپنے پہلے نبی پر پہلے ہی سے تھا جس کا مقصد یہ ہے کہ تم دو ایمانوں والے بن جاؤ اور تمہیں دوہرا اجر مل سکے اور ایسا ہو بھی چکا ہے کہ شیطان نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے کہنے پر نہیں بلکہ اپنی طرف سے لا الٰہ الا اللہ کہوں گا جس پر وہ شیطان ذلیل ہو کر چلا گیا۔ آپ نے اس کی اس بات کا انکار اس بناء پر کیا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس کا مقصد مخلوق کو اللہ کے حکم سے جاہل رکھنا تھا اور یہ جتانا تھا کہ وہ یہ بات اس سے حاصل کر رہی۔

میں نے ان سے پوچھا کہ شیطان ان کے پاس ظاہر طور پر کیوں آیا تھا' باطنی طور پر کیوں نہیں آیا تھا؟

آپ نے فرمایا: اس لئے کہ اسے اس بات کا علم تھا کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ ان کے دلوں پر شیطان کا اثر ہو ہی نہیں سکتا' ان کا تعلق تو اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور روحوں سے ہوتا ہے۔

آج اہل کتاب کو محمدی فرمان پر لا الٰہ الا اللہ کہنا ہوگا:

یہاں تک ہمارے بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی شے کا علم اور اس پر ایمان ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور ایمان میں نیک بختی کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ بندہ وہی کچھ کہے اور کرے جو رسولِ اکرم ﷺ کا

فرمان ہے' اپنے علم کی بناء پر نہ کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل کتاب کو آج کل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان پر لا الہ الا اللہ کہنا فائدہ نہیں دے گا بلکہ ان کا فائدہ اس میں ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے فرمان پر ایسا کہیں۔

بلخش

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے فرمان

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا.

(یوسف:۲۴)

''بے شک عورت (زلیخا) نے اس (حضرت یوسف علیہ السلام) کا ارادہ کیا اور وہ بھی ارادہ کرتا۔''

کے بارے میں پوچھا کہ اس هَمَّ (ارادہ) سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے بارے میں اس کی وضاحت نہیں فرمائی جس کی وجہ سے لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے حق میں مناسب نہیں ہیں؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔

میں نے عرض کی کہ حضرت محی الدین رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ زبان سے یہ لفظ بولنا بتاتا ہے کہ ان کا معنی تو ایک ہی ہے لیکن یہ بات اکثر طور پر تو ہوسکتی ہے مگر کلی طور پر نہیں ہے چنانچہ حق بات یہ ہے کہ عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اس بناء پر ایسا ارادہ کرلیا تھا کہ ان کے متعلق اپنے ارادے پر غالب آسکے لیکن آپ کا ارادہ اس بارے میں تھا کہ آپ اپنے بارے میں اس کا ارادہ ٹال دیں چنانچہ اس لفظ کے ذریعے ان کا اور عورت کا ارادہ غالب آنے میں ایک جیسا سمجھ آتا ہے لیکن دونوں ارادوں میں فرق ہے لہٰذا اسی بناء پر اس خاتون نے کہہ دیا تھا کہ خود میں نے اس شخص کا دل بہلایا ہے جبکہ سورت میں یہ موجود نہیں کہ آپ نے اس کا دل بہلایا ہو۔

میں نے پوچھا تو پھر اللہ کے فرمان:

لَوْ لَا اَنْ رَّاٰیٰ بُرْهَانَ رَبِّہٖ.

(یوسف:۲۴)

''اگر اپنے ربّ کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔''

کا کیا مطلب بنا اور برھان سے مراد کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس دلیل سے مراد آپ کی وہ رائے تھی کہ آپ نہایت نرم گفتگو کے ذریعے اسے اپنے آپ سے ہٹا دیں بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ اس کے اس ارادہ پر اسے جھڑکیں نہیں بلکہ نرمی سے پیش آئیں کیونکہ وہ بہرحال نرم دل عورت تھیں چنانچہ دل میں آئی بات ہی برھان بنا تھا۔

میں نے آپ سے پوچھا کہ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں کیوں کہا تھا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ.

(یوسف:۳۳)

''اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس بات سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔''

لیکن آپ نے ساتھ لے جانے والے کی بات نہیں مانی تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں اگر ان کی جگہ ہوتا تو اس لے جانے والے کی بات مان لیتا۔'' تو کیا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو سراہا جا رہا ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بجائے ہم لوگ شک میں زیادہ پڑ سکتے ہیں۔''[1] یا اس سے مراد کچھ اور ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوبی بنتی ہے تو گویا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''اگر میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام والی آزمائش میں پڑتا تو بلانے والے کی بات مان لیتا اور ان کی طرح قید خانے میں نہ ٹھہرا رہتا۔''[2]

۱۔ صہ ۱۴۱ حاشیہ نمبر ۱ ۲۔ صہ ۱۴۱ حاشیہ نمبر ۲

آپ نے یہ بات ایک نبی بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی عاجزی دکھانے کے لئے کی تھی جس میں انہیں حقیر بنانے کا ارادہ نہ تھا کیونکہ ایک رسول ہو کر یہ کام نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے پاس نہ جانے کا ارادہ اس بناء پر کیا تھا کہ آپ کے وہاں نہ ہوتے ہوئے لگا ہوا الزام دور ہو سکے گا اس لئے کہ بادشاہ کے پاس نہ ہوتے ہوئے آپ سے الزام دور ہو جانا زیادہ بہتر تھا۔

اس دوران حضرت یوسف علیہ السلام کے نبی ہوتے ہوئے آپ کی دو حالتیں تھیں۔ ایک قید خانے میں ہونے کی اور ایک یہ کہ آپ پر الزام لگ چکا تھا جبکہ رسول کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی قوم کے ذہنوں میں ایسی بات ڈالے جس سے وہ اپنے دعوے جھوٹے مان جائیں چنانچہ وہ قوم کی طرف سے لگے ہوئے الزام کو دور کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ لوگ ان باتوں پر ایمان لا سکیں جو وہ نبی ان کی طرف لے کر آئے تھے چنانچہ وہ خود ایسی محفل میں نہیں گئے کیونکہ اگر وہ وہاں چلے جاتے تو وہاں موجود لوگوں کے دلوں میں شبہ پڑ سکتا تھا تو گویا بادشاہ کے بلانے کے بعد ان کے دل میں کھٹکا رہتا۔

میں نے عرض کی کہ اللہ کا فرمان

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ.

حضرت یوسف علیہ السلام کی کلام تھا یا عورت (زلیخا) نے بولا تھا؟

آپ نے فرمایا کہ شاہ عزیز مصر کے دربار میں یہ بات اس عورت نے کہی تھی اور حقیقت واضح ہو جانے پر اس نے اپنے آپ کو گرا کر یوں کہا تھا کہ یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام نے نہیں کہی تھی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو علم ہوتا ہے کہ ذاتی طور پر ان کے دل میں ایسی بات آ ہی نہیں سکتی۔ ہاں! کسی ثبوت کے ہوتے ہوئے ایسا ہو سکتا ہے اور وہ بھی نفس کے مجبور ہونے پر جبکہ نفس اپنی اصل حالت پر نہ ہو۔

میں نے کہا: ہاں! میں جانتا ہوں کہ نفس برائی کا ارادہ تو کر سکتا ہے لیکن برائی کرنے کو نہیں کہتا کیونکہ اسے اللہ کے قانونوں کے مطابق پیدا کیا گیا ہوتا ہے؟

اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ اچھا اعتقاد ہے۔

میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول بتا کر اس کے کہنے والے کو اس پر ثابت کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بیان بالکل صحیح ہے لیکن کیا یہ نسبت صحیح ہے یا غلط' تو یہ بات دوسری ہے جسے بیان نہیں کیا گیا لہٰذا قرآن کی تلاوت کے موقع پر اپنے دل کو سنبھالو کہ تمہارا پروردگار اپنی طرف سے تمہیں کیا کہہ رہا ہے اور جہان کے بارے میں کیا بتا رہا ہے؟ اور دونوں کا فرق سمجھو جس کی بناء پر تم ادب والے اور عالم بن سکو گے۔

میں نے عرض کی کہ جو کچھ اللہ نے اپنی طرف سے فرمایا ہے اس کی ایک مثال تو دیجئے؟

انہوں نے اللہ کا یہ فرمان پڑھا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا

(المعارج: ۱۹)

''بے شک آدمی بنایا گیا ہے بڑا بے صبرا' حریص' جب اسے برائی پہنچے تو سخت گھبرانے والا اور جب بھلائی پہنچے تو روک رکھنے والا۔''

اور پھر یہ فرمان بھی ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ

(العادیات: ٦)

''بے شک آدمی اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔''

یہ اللہ کا فرمان ہے جو حق ہے اور دیکھنے میں آتا رہتا ہے جبکہ اس کے اس فرمان میں یوں نہیں:

اِنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ

(الغافر: ۴۳)

''بے جا خرچ کرنے والے ہی دوزخ میں جائیں گے۔''

اور اس کے علاوہ عزیز مصر کی بیوی کا وہ قول ہے جس کا ذکر ہو چکا کیونکہ ایسے قول کے ثبوت کے لئے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی تائید کر سکے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی کہی ہوئی کوئی بات بتاتا ہے تو وہ وصیت ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ معاملات اور حقیقتوں کی انتہاء تک نہیں جایا کرتا۔ اس میں غور کرلو۔

زمرّد

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ کے اس فرمان

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ.

(ھود:۴۶)

''اس بات کے بارے میں کبھی نہ پوچھو جس کے متعلق تمہیں علم ہی نہیں ہے۔''

کے بارے میں پوچھا کہ انسان وہ چیز مانگ سکتا ہے جس کے بارے میں اسے علم نہ ہو؟

انہوں نے فرمایا: اس سے مراد ان وہ چیزیں پوچھنے سے رکاوٹ ہے جن کی حکمت وحقیقت پہچاننا انسان کی طاقت ہی میں نہیں ہے جیسے ذاتِ الٰہی اور اس تقدیر کا بھید جاننا جو پوری مخلوق اور ان کے اپنے بیٹے کے اندر موجود ہے جس نے اچھے کام نہیں کیے یونہی اس سوال سے بھی رکاوٹ ہے جو امت کے لئے زیادہ حکم مانگنے کے بارے میں ہو کیونکہ کسی بھی رسول کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ہاں! اس علم کا سوال جائز ہے جو اللہ کے اتارے الگ حکموں کے بارے میں وضاحت کرتا ہو۔ اسے ذہن نشین کر لو۔

پھر یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ذریعے حضرت نوح علیہ السلام پر کس حد تک نرمی برتی ہے کہ

اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ.

(ھود:۴۶)

''میں تمہیں نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے نرمی کا برتاؤ اس بناء پر کیا کہ آپ بوڑھے اور گھنی عمر والے تھے۔ اب یہاں اس خطاب کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونے والے خطاب کا جائزہ لو تو فرق معلوم ہو جائے گا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ.

(الانعام:۳۵)

"تو اے سننے والے! تو نادان نہ بن۔"

ایک طرف تو زبردست حکم ہے اور دوسری طرف نرمی ہے۔ یہ معاملہ تو صرف رسولِ اکرم ﷺ سے ہو رہا ہے کیونکہ وہ بزرگ اور قرب والی ہستی تھے کہ جن پر اس کلام کا اثر نہیں ہو سکتا تھا جس میں ظلم موجود ہو اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت نوح علیہ السلام میں بڑھاپا اور سختی تھی کیونکہ اس موقع پر رسولِ اکرم ﷺ کی عمر مبارک پچاس برس جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کی خطاب کے وقت پانچ سو برس تھی تو دیکھو کہ پچاس اور پانچ سو میں کتنا فرق ہے؟

دیکھئے اس خطاب میں حضرت نوح علیہ السلام پر اللہ کی مذکورہ مہربانی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی کامل عالم سے جب کوئی بات پوچھی جائے جس میں سوال کرنے والے کی طرف سے کمی محسوس کرے تو بزرگوں کے طریقے پر اسے اس کی سوجھ بوجھ کے مطابق جواب دے، خاموش نہ ہو جائے اور اسے کہہ دے کہ تمہیں ایسا سوال کرنا نہیں جچتا کیونکہ ہر سوال کرنے والا جواب دینے اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے پوچھنے کے موقع پر اس بات کا خیال ہی ممکن نہ ہوگا جس کی بناء پر جواب کا تعلق صرف اسی سے ہوگا چنانچہ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ.

(الضحیٰ: ۱۰)

"اور سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کرو۔"

یہ فرمان ہمارے لئے راہنمائی ہے اور ہمیں اپنے آپ پر نظر ڈالنے کا حکم ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا تھا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى.

(الضحیٰ: ۷)

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔"

اس میں ہمیں سائل کو سوال کرنے کے لائق نہ سمجھنے سے روکا گیا ہے لہٰذا عالم کے لئے ضروری ہے کہ

ہر سوال کرنے والے کے سوال میں غور کرے اور اسے اس کی حیثیت کے مطابق جواب دے اور ایسی باتیں اس سے نہ کرے جو وہ سمجھ ہی نہ سکے کیونکہ جواب دینے والے کے پاس کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا جب تم اسے ایسا جواب دو گے جو اس کی سمجھ میں نہ آ سکے تو یہی سمجھ آئے گا کہ اس سوال کا جواب تم سے نہیں بن سکا۔ چنانچہ ایسی صورت میں اسے برا کہنے کی بجائے اپنے آپ کو برا جانو۔

میں نے عرض کی کہ شاید یہ جواب اجنبی لوگوں سے تعلق رکھتا ہے، رہا مرید شخص تو شیخ پر لازم ہے کہ اسے کوئی جواب نہ دے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اس میں اس کی حوصلہ افزائی ہو گی اور یہ مطلب نہیں کہ وہ جواب ہی نہ دے سکتا تھا۔ واللہ واسع علیم

فیروزج

حضرت لوط علیہ السلام نے کمزوری کیوں دکھائی تھی؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حضرت لوط علیہ السلام کی اس بات کا مطلب پوچھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ کاش مجھ میں تمہارے مقابلے کی ہمت ہوتی کہ اس ہمت سے کیا مراد ہے؟ اور پھر ایک رسول ہونے کے باوجود انہوں نے یہ کمزوری کیوں دکھائی حالانکہ ایک ولی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر دونوں جہاں مل کر بھی مجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو میں ایک پھونک سے انہیں ہوا میں ذروں کی طرح اڑا دوں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد خاص نبیوں والی ہمت تھی۔ چنانچہ آپ نے تنگی کے موقع پر وہ ہمت مانگی جس کے ذریعے وہ مخالفت کا مقابلہ کر سکیں چنانچہ اسی بناء پر رسولوں کو چالیس سال کے بعد رسول بنایا گیا کیونکہ اس موقع پر بندے میں خامی اور عاجزی کو پرکھنے کا تجربہ ہو جاتا ہے اور وہ امت کے جھٹلانے والوں کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن اگر وہ اللہ کی طرف سے جوانی اور طاقت کے دنوں میں بھیجے جائیں تو ممکن ہے کہ وہ جھٹلانے والوں کی پکڑ کر لیں جس کی وجہ سے وہ برباد ہو جائیں۔

میں نے پوچھا کہ پھر وہ مرتبہ میں کمی کا ارادہ کیونکر کر سکتے ہیں جبکہ کامل لوگوں کا کمال ہی یہ ہوتا ہے

کہ ان کے پاس ایسی ہمت نہیں ہوتی جو کسی غیر پر اثر انداز ہو؟

اس پر انہوں نے صرف اتنا کہا کہ وہ نچلے درجے میں آ گئے تھے' اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔

میں نے عرض کی کہ اگر انبیاء علیہم السلام بشریت کے مقام پر بھی اتر آئیں تو پھر بھی اولیاء کے مقابلے میں کامل ہوتے ہیں جبکہ بڑے بڑے اولیاء کے ہاں اِدھر اُدھر ہونا نقص شمار ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ نقص نہیں ہوتا۔ ہاں! اس وقت نقص بنتا ہے جب انہیں اس بارے میں حکم نہ ہوا ہو اور جب حکم ہو تو پھر یہ کمال شمار ہوتا ہے چنانچہ نقص کا ہونا مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ہوتا ہے جس کی بناء پہ انبیاء علیہم السلام نے عموماً استغفار کیا ہے جو کسی لازم شے سے نہیں ہوا کرتا۔

میں نے عرض کی کہ پھر ان کے معصوم ہونے کا مطلب کیا ہو گا؟

انہوں نے فرمایا: اللہ کے حکم سے بچا نہیں جا سکتا لیکن اس کے باوجود بندے کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہوتا کہ اپنے آپ پر بھروسہ کرے اگرچہ اس کے مشاہدے میں کمی آ جائے اور معصوم ہونے کی بات امت کے انبیاء نہیں بلکہ امت کے پیروکار کرتے ہیں کیونکہ ان کی عبادت انہیں ایسا کام کرنے سے روکتی ہے حالانکہ جس قدر مرتبہ بلند ہوتا ہے اسی قدر اِدھر اُدھر ہونے میں کمی آ جاتی ہے۔

میں نے عرض کی کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: اس بناء پر کہ وہ اپنے مخلوق ہونے کو دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ.

(روم: ۵۴)

''اللہ ہے جس نے تمہیں ابتداء میں کمزور بنایا۔''

اور اس لئے بھی کہ اِدھر اُدھر ہونے والا اکیلا اور دیکھنے میں کام کر رہا ہوتا ہے لہٰذا انہیں کوئی ایسا نہیں ملتا کہ یہ لوگ اپنی قاتل ہمت اس کی طرف بھیجیں چنانچہ وہ ہمت کسی کامل شخص کے لئے نہیں ہوتی بلکہ ناقص لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا یہ ہمت کسی کو چھوئے بغیر بھی قتل کر سکتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں!

میں نے عرض کی کہ وہ کیسے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہمت والا اپنی ہمت کو اکٹھا کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس شخص پر حاضر کرتا ہے جس پر اسے حقیر سمجھتے ہوئے اپنی ہمت کو لگاتا ہے لہٰذا مقتول کو حقیر بناتے ہوئے اسے قتل کرتا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ شخص اپنی ہمت کو جہان کے جسموں کے ساتھ ساتھ سارے روحوں میں سے کسی شے کو بدلنے پر خرچ کرتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ اوپر والے جہان کا نچلے جہان سے تعلق بناتا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ بندے کی ہمت اس شخص پر اثر نہیں کرتی جسے وہ کبھی بھی اپنے آپ سے کامل اور برابر نہیں جانتا۔

میں نے عرض کی کہ کیا ہمت خرچ کرنے والے کے لئے ایماندار ہونا ضروری ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ شرط نہیں ہوتا کیونکہ یہودیوں کے رہبان بھی کئی قسم کے کام کر لیتے ہیں جن کی وجہ سے کئی قسم کے اثرات دیکھنے میں آتے ہیں اور خاص طور پر یہودی کافر ہیں کیونکہ وہ دنیا میں عجیب قسم کے کام کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ پاکیزہ قسم کے لوگ ہیں۔

میں نے عرض کی کہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس دنیا میں دعوے کرتے پھرنا ایک خامی ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! کیونکہ جب اس جہان میں شریعت پر چلنا ہوتا ہے تو بندے کے لئے دعویٰ کرنے کی فرصت کہاں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہر لمحہ اور ہر سانس میں اسے تلاش کرتے ہیں (کہ ان پر عمل کرے) اور ایسا آدمی بہت کم ملے گا کہ اللہ تعالیٰ جس کی سرداری ختم کر کے تو اس میں تکبر وغیرہ پیدا کر دے چنانچہ اسی بناء پر کسی صوفی نے کہا ہے کہ اپنے بستر پر بیٹھے رہو زیادہ آزاد نہ ہو جاؤ' مطلب یہ کہ اپنی عبادت کرتے چلے جاؤ اور جب تک شریعت پر چل رہے ہو' دعوے سے گریز کرو البتہ جب اللہ تعالیٰ حفاظت فرما رہا ہو تو اسے سردار بننے میں حرج نہیں کیونکہ ایسی صورت میں وہ اپنے طور پر تو بندہ ہو گا لیکن دیکھنے والوں کے لئے سردار دکھائی دے گا چنانچہ جب حضرت بایزید رحمہ اللہ کو ایسی سرداری ملی تو لوگ آپ کی گودڑی کو تبرک سمجھنے لگے جس پر کسی نے انہیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس عطاء کو تبرک بناتے ہیں لیکن مجھے نہیں بناتے اور پھر کسی فقیر نے ''قرافہ مصر'' میں دفن حضرت شیخ عبداللہ بن حمزہ رحمہ

اللہ کو کرسی پر بیٹھے دیکھا کہ وہ سبز پوشاک پہنے ہوئے ہیں اور سارے انبیاء علیہم السلام ان کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ اس پر وہ مشکل میں پڑ گئے چنانچہ انہوں نے یہ بات ایک عارف کو بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا کھڑا ہونا لباس دینے والے کا ادب بنتا ہے پہننے والے کا نہیں بنتا۔

میں نے عرض کی: ہمیں پتہ چلا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے بھرے مجمع میں فرمایا تھا کہ میں بسم اللہ کا نقطہ ہوں، میں اس اللہ کا پہلو ہوں جس میں تم کمی بتاتے ہو، میں قلم ہوں، لوحِ محفوظ ہوں، عرش ہوں، کرسی ہوں اور ساتوں آسمان و زمین ہوں لیکن جب ہوش سنبھالا اور اس حالت سے باہر آئے تو خطبہ کے دوران ہی اللہ کی تجلی ہوئی جس پر آپ نے معذرت کی اور اپنے کمزور بندہ ہونے کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کے حکموں کے سامنے خوفزدہ ہو گئے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا اعترافِ نقص:

آپ نے فرمایا: ہاں! ہاں اور ہمیں بھی پتہ چلا ہے کہ جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا وصال ہو رہا تھا تو انہوں نے اپنا رخسار زمین پر رکھتے ہوئے کہا تھا کہ یہی سچ ہے لیکن میں دعویٰ کے پردے میں گھرا رہا چنانچہ آپ نے اپنے بارے میں اعلان کر دیا تھا کہ ان میں موجود دعووں کی عادت، موت کے قریب دکھائی دینے والی حالت کے مقابلے میں یقیناً ایک خامی تھی۔

میں نے عرض کی کہ اس سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کے کئی قسم کے کام اور دعوے صحیح نہیں تھے جیسا کہ ان سے خلافت کا جبہ لینے والوں میں مشہور ہے؟

انہوں نے فرمایا: یہ درست ہے اور اگر انہیں اس معاملے میں اللہ کی طرف سے حکم ہوتا تو وہ شرمسار نہ ہوتے لیکن آپ کی سچائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا حال پورا کر دیا چنانچہ آپ کامل ہو کر فوت ہوئے۔

حضرت ابوالسعود بن شبلی کا حال شیخ جیلی سے بڑھ کر تھا:

اس کے بعد آپ نے بتایا کہ ان کے ایک شاگرد حضرت ابوالسعود بن شبلی رحمہ اللہ کا حال حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ سے بڑھ کر تھا کیونکہ وہ دعووں اور مرضی کے کام کرنے سے بچے رہے اور آخری دم تک ہر لمحہ عبادت میں لگے رہے۔

میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر بزرگوں کی یہ بات سچی بنتی ہے کہ ''ابتدائی طور پر شاگرد میں سچائی ہو تو یہ پیر کا آخری مرتبہ بنتا ہے۔''

اس پر فرمایا کہ ہاں! یہ بات بالکل درست ہے۔

میں نے عرض کی کہ ہمارے اس دور کے کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے مشائخ کے خلیفہ ہیں حالانکہ وہ جاہلوں کے گروہ میں شامل ہیں؟

انہوں نے فرمایا: کسی مرید کے لئے یہ مناسب نہیں ہوتا کہ اپنے شیخ والی عزت اپنائے بلکہ مناسب یہ ہوتا ہے کہ شیخ اس کی عزت اپنائے لیکن جو جاہل ہو کر یہ کہے کہ وہ کسی ولی کا خلیفہ ہے' وہ شان گھٹا رہا ہوگا کیونکہ صوفیاء کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے فوت ہو جانے والے شیخ سے نہ ملا ہو تو وہ اس کے شاگردوں کے پاس جائے اور اپنے شیخ کا پورا علم حاصل کرے جبکہ قابل غور بات یہ ہے کہ ولی بننا خلافت لینے دینے سے ممکن نہیں ہوتا چنانچہ حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ نے کسی فقیر سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں حضرت شبلی رحمہ اللہ کا ایک صاحب ہوں جس پر انہوں نے اسے غصہ بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہا کہ اپنے آپ کو ان کا خادم کہو (صاحب نہ کہو) کیونکہ صاحب ہونے کا مرتبہ بہت بڑا ہوتا ہے اور پھر سیّدی احمد بن رفاعی رحمہ اللہ نے بھی کسی دن اپنے اصحاب (مریدوں) سے فرمایا تھا کہ تم میں سے جو بھی مجھ میں کوئی برائی دیکھے تو ضرور مجھے بتائے چنانچہ یعقوب نامی ان کے ایک بڑے مرید ان کی طرف گئے اور کہنے لگے کہ اے شیخ! آپ میں صرف ایک خامی موجود ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کون سی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم جیسوں کا آپ کا مرید ہونا ہے اس پر وہ غش کھا گئے۔

مرجانہ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو کہتے سنا کہ جو کوئی تمہیں سراہے تو جس چیز کے ذریعے سراہے گا تو وہ اچھائی برائی ہوتے ہوئے اس میں رنگا جائے گا اور تمہارے مقابلے میں خود اچھا برا ہوگا جبکہ وہ خوبی خود تمہارے اندر موجود ہوگی یا نہ ہو سکے گی اور اگر اس میں پیدا نہ ہوگی تو اسے تمہیں سراہنے کی راہ نہ ملے گی۔ یہ بات علم والے ہی جانتے ہیں۔

جوہر

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو فرماتے سنا تھا کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی طرف سے مخلوق پر مہربانی ہیں جن کا لحاظ رکھنا اللہ کے بارے میں غیرت کھانے سے ضروری ہے۔

میں نے عرض کی کہ ایسا کیونکر ہے؟

انہوں نے فرمایا: کیونکہ نبوت کی حقیقتوں میں اس غیرت کی کوئی بنیاد نہیں اس لئے کہ یہ غیر کے لفظ سے بنا ہے اور یہاں غیر ہونے کی بات نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا.

(الانفال:٦١)

''اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو۔''

تو اللہ تعالیٰ نے دین کے دشمنوں کے بارے میں جزیہ دینا اور صلح کرنا لازم قرار دیا تاکہ انہیں عزت ملے اور جو شخص معاف کئے بغیر اپنا حق لے لیتا ہے اس کے حق میں قصاص لینا برائی قرار دیا چنانچہ فرمایا:

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا.

(الشوریٰ:٤٠)

''اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر برائی ہے۔''

اور ایسی بات اس بناء پر کی کہ معافی کا طریقہ سکھائے حالانکہ شریعت میں قصاص (قتل کا بدلہ) جائز ہوتا ہے۔ اسے ذہن نشین کرلو۔

میں نے عرض کی: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا قصاص ان پر مہربانی کا پتہ دیتا ہے جو انہیں ادب سکھاتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! اور تمہیں اس کا راز علاج معالجہ کرنے میں سمجھ آئے گا کیونکہ اگر گلی سڑی جگہ کو کاٹا نہ جائے تو ایسا شخص مر جائے گا۔ واللہ اعلم

یاقــوت

میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین رحمہ اللہ سے قرآن میں موجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کے بارے میں پوچھا:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ

(الاعراف:۱۴۳)

''اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔''

کہ آپ نے دنیا میں دیکھنے کا سوال کیوں کیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی کیوں نہ ہو، مرنے تک اپنے پرودگار کو نہیں دیکھ سکے گا۔'' تو کیا رسول ہونے میں کوئی ایسا مقام ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں دیکھنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اور جب نہیں چاہتے تو کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ''اپنے پرورد گار کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکے گا'' عام طور پر انکار پایا جاتا ہے یا خاص طور پر؟

آپ نے فرمایا کہ حضرت محی الدین رحمہ اللہ سے بھی ایسا ہی سوال کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس سے کوئی بھی رسول ناواقف نہیں ہوتا۔ اب یہ بتانا باقی ہے کہ رسالت کے مقام میں کوئی ایسا مرحلہ بھی آتا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کو دیکھنا چاہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں عام طور پر نفی پائی جاتی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پرودگار کو دیکھا تک نہیں تھا بلکہ بیہوش ہو کر گرتے ہوئے فوت ہو گئے تھے اور اسی بیہوشی میں اسے دیکھا تھا۔

میں نے پوچھا کہ وہ فوت ہو گئے تھے؟

انہوں نے بتایا کہ فوت ہو گئے تھے جیسے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے روحانی طور پر ملاقات کی تھی، انہیں روحانی طور پر دل کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

میں نے کہا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے معاملے میں شک گزرا تھا چنانچہ فرمایا تھا کہ میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کے لئے زمین پھٹ جائے گی، میں یکا یک دیکھوں گا تو موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے کے ساتھ چمٹے ہوں گے، اب یہ معلوم نہیں کہ انہیں طور کی بے ہوشی کا صلہ ملا تھا اور اسی بناء پر آپ کو صور پھونکے

جانے کے موقع پر بیہوشی نہ ہوئی یا آپ کو بیہوشی سے بچا لیا گیا تھا؟

اس پر آپ نے فرمایا: آپ کی طرف سے یہ فرمان اللہ کے بتانے سے پہلے ہوا تھا اور پھر اللہ نے بتا دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بیہوشی کا بدلہ ملا تھا جس کی بناء پر انہوں نے فوت ہونے تک اللہ کو نہیں دیکھا تھا' اس کے بعد آپ نے ہوش سنبھالا تو اس کا علم ہوا جسے دیکھا تھا۔ چنانچہ آپ کا زیارت کرنا' ہمیشہ یاد رکھا جائے گا چنانچہ اسی بناء پر انہوں نے عرض کی تھی کہ میں تیری طرف توجہ رکھتا ہوں کیونکہ آپ نے اللہ ہی کی طرف توجہ کر لی تھی اور اس دیکھنے سے پہلے اسے دیکھا تھا لیکن یہ علم نہ تھا کہ وہ وہی ہے اور جگہ بدلنے پر دیکھا تو دیکھے جانے والے کا علم ہوا چنانچہ یہ وہ بات ہے جو صرف آپ کے لئے تھی ورنہ آپ کے علاوہ بھی کسی نے اسے دیکھا تھا اور اسے علم نہ تھا کہ وہ اللہ وہی ہے چنانچہ جب تمہارے دل میں کسی شخص سے ملنے کا خیال ہو اور تم بعینہ اسے نہ جانتے ہو تو اسی دوران وہ تم سے مل کر تمہیں سلام کہے' تم اسے پہچان نہ سکو تو دیکھ کر بھی اسے نہ دیکھا ہو گا۔

میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس زیارت میں موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ کی طرف متوجہ کیا اور اپنے بارے میں بتایا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی بجائے پہاڑ کے لئے تجلی فرمائی تھی؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ تجلی انہی کے لئے تھی لیکن اس تجلی کے سامنے کوئی بھی شے ٹھہر نہ سکی جس کی وجہ سے حالت کا تبدیل ہو جانا لازمی تھا اور پہاڑ کو جھٹکا یوں لگا تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیہوشی ہوئی تھی چنانچہ جس نے پہاڑ کو جھٹکا لگایا اسی نے انہیں بیہوش کیا تھا۔

پہاڑ تو نہ سنبھلا لیکن موسیٰ علیہ السلام کیوں سنبھل گئے؟

میں نے پوچھا کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اصلی صورت پر کیوں آ گئے تھے جبکہ پہاڑ اس جھٹکے کے بعد اپنی صورت پر کیوں نہ آ سکا تھا؟

آپ نے فرمایا کہ پہاڑ کا وجود تو روح نہ ہونے کی وجہ سے بل گیا تھا لیکن اس کے برعکس موسیٰ علیہ السلام کی صورت اور وجود گر جانے کے باوجود تبدیل نہ ہو سکا تھا کیونکہ آپ میں روح موجود تھی جس نے آپ کی صورت کو پہلے کی طرح سنبھالے رکھا جبکہ وہ پہاڑ جھٹکے کے بعد پہلی حالت پر نہ آ سکا کیونکہ اس میں روح نہ تھی جو

اس کی صورت کو سنبھال سکتی۔

دیکھنے اور مشاہدے میں فرق:

میں نے پوچھا کہ جس مشاہدے کا ذکر صوفیاء کرتے ہیں، کیا وہ یہی دیکھنا ہوتا ہے یا کوئی اور چیز ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ مشاہدہ اور دیکھنا، الگ الگ چیزیں ہیں جبکہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ دیکھنے سے پہلے دیکھی جانے والی چیز کا علم نہیں ہوتا جبکہ مشاہدے سے پہلے مشاہدہ میں آنے والی چیز کا علم ہوا کرتا ہے چنانچہ اسی کو ''عقائد'' کہتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے آخرت کی تجلی کے مشاہدے میں اقرار بھی ہوگا اور انکار بھی جبکہ دیکھنے میں صرف اقرار ہی ہوگا اور مشاہدہ کرنے والے کو صرف اسی بناء پر مشاہدہ کرنے والا کہا جاتا ہے کیونکہ جس چیز کو وہ دیکھ رہا ہوتا ہے وہ اس کے اعتقاد کو صحیح قرار دیتی ہے۔

میں نے عرض کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی کلام کس ذریعے سے سنی تھی؟

انہوں نے فرمایا کہ کانوں سے۔

میں نے عرض کی کہ وہاں آپ کے کان کہاں تھے؟

انہوں نے فرمایا کہ اسے دل کی آنکھوں والے سارے لوگ جانتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ پھر آپ کی خصوصیت کیا تھی؟

انہوں نے فرمایا کہ اس میں ان کا ایک ذوق تھا جسے ذوق والا ہی جانتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا ہر ذوق والا ایسا ہی ہوتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! تاہم مرتبہ کے لحاظ سے ہر ایک کے ذوق میں فرق ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معراج کی رات واپسی پر صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات ہوئی کیونکہ وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بنی اسرائیل کی نمازوں میں دلچسپی رکھتے تھے کیونکہ ایک جیسا کام وہیں ہوتا ہے جہاں برابر کی دلچسپی ہو جس سے معلوم ہوا کہ دلچسپی بھی فائدہ مند ہوتی ہے۔

میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہتر اجر دے کیونکہ انہوں نے ہماری خاطر نمازیں کم کرانے کی بہت کوشش کی تھی؟

انہوں نے فرمایا کہ کوئی شخص جب کسی اور کے لئے کوشش کرتا ہے تو درحقیقت وہ کوشش اپنے ہی لئے کر رہا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں انبیاء علیہم السلام دوسروں کی بجائے زیادہ کوشش کیا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہر ایک کو اس کا حق دیا کرتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ معتزلہ فرقہ کے بڑے بڑے لوگ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے دنیا و آخرت میں اللہ کی زیارت کا انکار کرتے ہیں؟

معتزلہ کے نزدیک دنیا و آخرت میں اللہ کی زیارت کا انکار صحیح ہے:

انہوں نے فرمایا کہ ان کا یہ انکار صحیح ہے کیونکہ کوئی بھی شخص حق تعالیٰ کو کبریائی کے پردے کی پچھلی طرف ہی سے دیکھ سکتا ہے جیسے جنت عدن میں اللہ کی تجلی کے متعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اس اللہ کے چہرے پر صرف کبریائی کی چادر (پردہ) موجود ہے اور کسی چیز کا چہرہ خود اس کی ذات ہوتی ہے۔'' چنانچہ یہ چادر ہمیشہ کے لئے اس کے اور تمہارے درمیان ایسا پردہ بنتی ہے کہ نظر وہاں تک پہنچ نہیں پاتی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح فرمایا ہے کہ ''تم مجھے کبھی نہ دیکھ سکو گے'' کیونکہ آنکھیں اس چادر تک نہیں پہنچ پائیں تو یہ ہے معتزلہ فرقہ کے بڑے لوگوں کا مقصد۔ رہے ان کے عام لوگ جو پیروکار ہیں تو انہوں نے ظاہری معاملے کو دیکھا اور ''دیکھنے'' سے مکمل انکار کر دیا جس کی وجہ سے انہوں نے شریعت کا مقابلہ کیا اور غلطی کی۔

کیا حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مستقل رسول تھے؟:

میں نے آپ سے عرض کی کہ کیا حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مستقل رسول تھے یا باطنی طور پر ان کے تابع تھے؟ کیونکہ مصر کے علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے اور ۹۳۷ھ میں یہ اختلاف بہت شدید تھا؟

آپ نے فرمایا: رہے حضرت ہارون علیہ السلام اصولی طور پر تو نبی تھے لیکن ان کا رسول ہونا ان کے تابع ہو کر تھا کیونکہ انہوں نے یہ رسالت اپنے بھائی کے اللہ سے اس سوال پر لی تھی کہ ''اے میرے معاملے میں میرا ساتھی بنا دے۔'' چنانچہ ان کے فرمان ''میرے معاملے میں'' غور کرو اور سوچو تو پتہ چلے گا یہ ان کے لئے

دعا ہے اور ان کے لئے یہ دعا آپ کی طرف سے دخل ہے کیونکہ اجتماعی طور پر رسالت محنت سے نہیں لی جاسکتی اور جو کہتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام مستقل رسول تھے، وہ غلطی پر ہے اور جو رسول ہونے کا بالکل انکار کرتا ہے وہ بھی غلطی پر ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی جاتی تھی جبکہ تورات کی شریعت کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام پر عبادت گزاری لازم تھی۔

میں نے عرض کی کہ پھر حضرت ہارون علیہ السلام نے نبی ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں کیوں کہا کہ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دو اور یوں انہوں نے ان دشمنوں کے لئے ایک حد مقرر کر دی تھی جبکہ اس امت کے کچھ عارف لوگوں نے یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ ان کا اپنا وجود نہیں رہ جاتا چنانچہ وہ صرف اللہ ہی کو دیکھتے ہیں حالانکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں کم مرتبہ ہوتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ عارف لوگوں کی طرف سے وجود نہ ہونے کی بات ان کی نظر میں سچی ہے کیونکہ وہ اپنے ذوق سے آگے نہیں بڑھتے لیکن یہ دیکھو کہ ایک عالم سے وہ چیز دور ہو جاتی ہے جو ان کے ہاں نہیں ہوتی؟

میں نے عرض کی کہ نہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ واقعی طور پر ان میں علم کی کمی اتنی ہی ہوتی ہے جتنا وہ جہان کا نہ ہونا دیکھتے ہیں اور حق تعالیٰ کے بارے میں ان کا علم اتنا ہی کم ہوتا ہے جتنا ان سے یہ جہان پردے میں ہوتا ہے جبکہ کامل وہ شخص ہوتا ہے جو پورے وجود کا اقرار کرے اور اللہ تعالیٰ کو ہر لحاظ سے پہچان لے۔ واللہ اَعلم

ماس

اللہ تعالیٰ نے خود تورات لکھی تو یہودیوں نے اس میں تبدیلی کیسے کی؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''اللہ نے تورات کو اپنے ہی ہاتھ سے لکھا تھا'' کے بارے میں پوچھا کہ پھر یہودیوں نے اس میں ردوبدل کیسے کرلیا؟

انہوں نے فرمایا کہ ذاتی طور پر تورات میں تبدیلی نہیں ہوئی تھی البتہ انہوں نے اسے لکھا اور پڑھا تو

اس میں تبدیلی آگئی اور یوں ان کی طرف سے یہ تبدیلی اللہ کے ذمے لگا دی گئی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ.

(البقرہ: ۷۵)

''پھر سمجھنے کے بعد اسے دانستہ طور پر بدل دیتے۔''

چنانچہ وہ جانتے تھے کہ اللہ کی کلام انہیں سمجھ میں آنے والی ہے لیکن انہوں نے اسے بیان کرتے ہوئے اپنی طرف سے وہ کلام گھڑی جو ان کے ہاں ان کے دلوں اور ان پر اتارے گئے صحیفوں کے خلاف تھی چنانچہ انہوں نے یہ تبدیلی تختیوں پر لکھی اصل تورات کو لکھتے وقت کی تھی جبکہ اصل کتاب ویسے ہی باقی رہی تاکہ ان کے ساتھ ان کے علماء کے علم میں رہے۔

میں نے پوچھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ نے اپنے قدرتی ہاتھ سے بنایا لیکن مخالفت اور بھول جانے سے ان کا بچاؤ نہیں کیا تو پھر دو ہاتھوں کے مقابلے میں ایک ہاتھ کی حیثیت کیا ہوئی؟

انہوں نے بتایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ کام اپنی طبیعت اور پیدائشی حیثیت سے کئے کیونکہ یہی وہ راہ تھی کہ جس کی وجہ سے ان کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا' رہی اللہ کی کلام تو وہ محفوظ ہوتی ہے کیونکہ وہ حکم ہوتی ہے جو محفوظ ہوتا ہے اور یہ بات علماء جانتے ہیں جبکہ آدم علیہ السلام اللہ کا حکم نہ تھے لہٰذا یہ لازم نہیں کہ وہ اللہ کی تقدیر سے بچ سکیں بلکہ تقدیر کا سب سے زیادہ دخل تو انہی پر تھا۔

میں نے عرض کی کہ حضرت آدم علیہ السلام ذاتی طور پر نہیں بلکہ اللہ کی بات بتانے میں معصوم تھے؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اور سارے انبیاء علیہم السلام یونہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

زمرّد

اللہ تعالیٰ کو صرف آنکھوں سے دیکھنے کا انکار کیوں ہے؟

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ.

(الانعام: ۱۰۳)

''آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں۔''

کے بارے میں پوچھا کہ حق تعالیٰ نے انسان کے آنکھوں سے دیکھنے ہی انکار کیوں کیا ہے جبکہ اس میں سننے، سمجھنے، سونگھنے، چھونے اور چکھنے جیسی طاقتیں بھی تو موجود ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس نے اس دنیا میں صرف آنکھوں سے دیکھنے کا انکار ایک ایسے مقصد کے لئے کیا ہے کہ جسے صرف وہی شخص سمجھتا ہے جسے اس نے جہان کی پیدائش کے بارے میں بتا رکھا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی بناء پر اپنا نام باطن رکھا ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ ہم اسے دیکھ کر نہیں بلکہ غائب رہ کر جان سکتے ہیں، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں فرمایا تھا چنانچہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادہ معلوم ہو تو یہاں اسے ذہن میں رکھے۔ واللہ اعلم

عقیق

حرکت اور سکون میں سے افضل کون سی چیز ہے؟

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حرکت اور سکون میں سے کون سی چیز بڑھ کر ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ ان میں سے ''سکون'' کا مرتبہ زیادہ ہے۔

میں نے پوچھا کہ وہ کیوں؟

انہوں نے فرمایا کہ چیز کے نہ ہونے کو عدم کہتے ہیں جس میں کوئی دعویٰ نہیں ہوتا اور جب اللہ والے جانتے ہیں کہ حرکت اور سکون کے موقع پر ان کا ہر عمل اللہ کی مرضی پر ہوتا ہے کیونکہ جب وہ دکھائی نہ دینے والی حرکت کی بجائے ظاہری حرکت دیتا ہے تو وہ رک کر لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ وہ شرافت میں ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ ''لاحول ولاقوۃ'' کہنے والے صرف یہی کیوں بتائے گئے ہیں کوئی اور کیوں نہیں؟

انہوں نے فرمایا: وہ اس بناء پر کہ ان میں فخر پیدا نہ ہو سکے اور جب وہ فخر کریں تو ان سے کہا جائے کہ یہ فخر سوار کی نہیں بلکہ سواری کی حقیقت ہوتی ہے کیونکہ سواری وہ شخص بنتا ہے جو تمہیں جنگلوں اور بیابانوں

میں لے گزرتا ہے چنانچہ اسی بناء پر وہ الحمد للہ کہہ کر برکت نہیں لیتے کہ یہ ذکر وصول الی اللہ سے تعلق رکھتا ہے' نہ سبحان اللہ سے کہ اس کا تعلق اللہ کی تجلی سے ہے' نہ لا الہ الا اللہ سے لیتے ہیں کہ اس کا دعویٰ سے تعلق ہے اور نہ ہی اللہ اکبر سے لیتے ہیں کہ اس کا تعلق آپس میں بڑھ جانے کے ساتھ ہے لہٰذا ان کے پاس لاحول ولاقوۃ ہی کہنے کو رہ گیا کیونکہ اس کا تعلق فعلوں اور کاموں سے ہے خواہ وہ فعل ہوں' قوم ہوں اور پھر ظاہری ہوں یا باطنی اور ان کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور اس کے ساتھ سبحان اللہ کہتے ہیں جن کا تعلق سارے فعلوں اور اقوال سے ہے۔ واللہ اعلم

جوھر

صوفیاء کے فرمان ''عدمِ محض'' کی حقیقت کیا ہے؟:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ وہ ''عدمِ محض'' حقیقی طور پر کیا ہوتا ہے جس کے بارے میں صوفیہ بتایا کرتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ ''عدمِ محض'' ایسی چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں قدیم علم نہ ہو اور ایسا ممکن نہیں تاہم یہ لوگ اسے فرضی طور پر بولتے ہیں اور پھر خاتمہ میں گزر چکا ہے کہ امر حق اور مخلوق ہے جبکہ محض وجود نہ تو کبھی پہلے عدم تھا اور نہ ہی آئندہ ہو سکے گا اور محض عدم نہ پہلے موجود تھا اور نہ ہی آئندہ ہو سکے گا البتہ ممکن ہونا ایک وجہ سے وجود والا ہے اور ایک وجہ سے نہیں چنانچہ محض وجود تو صرف اللہ ہی ہے جبکہ محض عدم محال ہے اور ممکن ہونا جہان سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ ممکن ہونا' محض وجود اور محض عدم کی درمیانی حالت کا نام ہے تو جس چیز کے ذریعے عدم پر نظر پڑے وہ عدم ہونا مانے گا اور جس کے ذریعے وجود کو دیکھا جائے' وہ وجود قبول کرے گا۔ ہاں! رب' رب ہی رہے گا اور ممکن' اس کی طرف سے پالا ہوا ہوگا خواہ وہ عدم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ رب ہوتے ہوئے اپنا رب نہیں ہو سکتا۔

اس سے پہلے بھی ہم کتاب میں بتا چکے ہیں کہ اللہ کے علم میں اعیانِ ثابتہ (موجودات) ازلی طور پر محتاج بن کر اللہ کی طرف دیکھتے ہیں تاکہ ان کا وجود مان لیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ان پر رحمت کی نظر

کئے ہوئے ہے چنانچہ وہ ہمارے نہ ہونے اور ہونے کے موقع پر رب ہی ہے کیونکہ ان کا ممکن ہونا ایسے ہے جیسے اللہ کا وجود ضروری ہے۔

یہ بہت مشکل بات ہے لہٰذا اس میں غور کرلو اور ہاں فلسفیوں کی طرح علم الٰہی میں جہان کے قدیم ہونے کو اللہ کے برابر جاننے سے گریز کرو کیونکہ ہماری گفتگو اس میں ہے کہ اللہ کے علم کا اس سے تعلق ہے' اس میں نہیں کہ اس جہان کا وجود حق تعالیٰ کے برابر ہے۔ یہ بات سمجھ لو ورنہ رب تعالیٰ کا اس جہان سے جاہل ہونا ثابت ہوگا۔ واللہ اَعلم

زمـــرّد

اللہ تعالیٰ کے دو طرح کے نام:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا تھا کہ نام دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ جو جہان کو چاہتے ہیں اور دوسرے وہ جو اسے نہیں چاہتے لیکن یہ بات ان سے نکلتی نہیں' رہے وہ نام جن سے جہان کا پتہ چلتا ہے تو وہ ربّ 'قادر' خالق' نافع' ضار' محی' ممیت' قاھر' معزّ' مذلّ وغیرہ ہیں کیونکہ رب ہونا مثلاً ایک ایسی خوبی ہے جو کسی دوسری شے کو چاہتی ہے (جو مربوب یعنی پالی ہوئی بنے) اور ایک جیسی دو چیزوں میں سے صرف ایک ہی میں نہیں پائی جاتی کیونکہ یہ دو ہی میں رکی ہوتی ہے خواہ وہ دونوں الگ الگ قسم کی ہوں چنانچہ رب کا لفظ مربوب (جس کو پالا جائے) کے سوا نہ تو موجود ہوتا ہے اور نہ ہی مقدر ہوتا ہے۔ یونہی مالک کا لفظ مملوک (جس کا مالک ہو) کے علاوہ نہ تو وجود رکھتا ہے اور نہ ہی ذہن میں آتا ہوتا ہے چنانچہ ساری قسم کے ایک جیسے دو لفظوں کا حال ایک جیسا ہوتا ہے دیکھئے اللہ کے کچھ ناموں سے جو کچھ پتہ چلتا ہے اس کی طرف جہان کا تعلق ویسے ہوتا ہے جیسے جہان کی دو چیزوں کا ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک' ایک نام کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور یونہی اللہ کے ان ناموں کا بھی اس سے تعلق ہوتا ہے۔

رہے وہ نام جن کے لئے جہان کا ہونا ضروری نہیں تو وہ یہ ہیں الغنی' العزیز اور القدوس وغیرہ۔
میں نے عرض کی کہ یوں تو پھر اللہ کے ایسے نام کبھی بھی نہیں مل سکیں گے جو ذاتِ الٰہی کے علاوہ کوئی

اور بات ذہن میں رکھے بغیر ذاتِ الٰہی کا پتہ دے سکیں۔

انہوں نے فرمایا کہ بات یونہی ہے کیونکہ اس مقام پر وہ نام دو چیزوں میں سے ایک کا پتہ دے گا' یا تو اس سے کام کا پتہ ملے گا اور یہ لازمی طور پر جہان کو چاہے گا یا پھر اللہ کی پاکی بتائے گا چنانچہ یہ نام ایسا ہوگا کہ جس سے دنیوی خامی کا پتہ چلے گا جس سے اللہ محفوظ ہے اور یہ وہ ہوگی جو اللہ نے ہمیں نہ دی۔

(اس سلسلے میں) حضرت ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ کا کوئی ایسا اسم نہیں جس میں علم ہونے کے علاوہ کوئی اور معنی ہو۔ ہاں! اگر یہ بات اللہ کے علم میں ہوتی تو غائبانہ طور پر اس میں اس کا اثر دکھائی دیتا اور یہ بات ایک خوبی ہے۔

میں نے عرض کی: سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے ''اللہ'' والا نام اس کی ذات اور وجود پر بولا جاتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے کہ یہ علم (ذاتی نام) ہے لیکن اس علم سے ہماری مراد ایسی چیز ہے جس کے ذریعے مسمّٰی (جس کا نام) میں کوئی خوبی بیان نہ ہو۔ رہا اللہ وغیرہ نام تو یہ وہ نام ہیں جو ایسے معنی رکھتے ہیں جو ان کے بارے میں بتاتے ہیں اور پھر یہ معنی وہی ہیں جن کے ذریعے اللہ کی خوبی بیان ہوتی ہے جیسے اَلْعَالِمُ اور اَلْقَادِرُ وغیرہ تو ان میں اللہ کی خوبی بھی پائی جاتی ہے جن سے اس کے اللہ ہونے کا پتہ چلتا ہے' اس کے علم اور قدرت کا پتہ چلتا ہے۔ واللہ اعلم

ماس

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حضرت جنید رحمہ اللہ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا: ''آدمی درجۃ الحقیقۃ (حقیقت کی تہ) کا مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کے بارے میں ہزار صدیق (سچے ساتھی) یہ گواہی نہ دے دیں کہ وہ زندیق (بے دین) ہے'' کہ اس ''درجۃ الحقیقۃ'' کا مطلب کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد دیکھنے میں اس وجود کا ختم ہو جانا ہے کیونکہ جب وہ اس مقام تک پہنچ جائے گا تو اسے اللہ کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دے گا اور جب وہ اللہ کے بغیر کوئی اور چیز نہ دیکھے گا تو اسے پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ ہی اس کی کلام کسی بھی دین وملت کی شمار ہوگی لہٰذا کسی صدیق کی

طرف سے یہی سنا جائے گا کہ وہ زندیق ہے کیونکہ اسے حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر غیرت آ رہی ہوگی چنانچہ صدیق سے مراد وہ شخص ہے جو پوری طرح شریعت پر چلتا ہو اور اس لئے شریعت پر غیرت کھانے کی وجہ سے اس پورے اہل وحدت شخص کے اس بارے میں وہ بلند دعوے صحیح ہوں گے جن کے بارے میں وہ دعوے کرتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ کیا کوئی شخص تصوف کے میدان میں ترقی کرتے وقت اپنے اعتقاد اور مشاہدے میں دعویٰ کرنے سے بچ سکتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ہر سالک (تصوف پر چلنے والا) کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہی کام کرے جو (منصور) حلاج نے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بچا لیتا ہے اور جب وہ کمال حاصل کر لیتا ہے تو دعووں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور شریعت کا پابند ہو جاتا ہے تاکہ اس کے بعد آنے والے اس کے طریقے پر چلیں جیسا کہ اس کی وضاحت اسی کتاب میں کئی بار گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

یاقوت

ابن عربی کے ایک فرمان کی وضاحت:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حضرت ابن عربی رحمہ اللہ کے اس فرمان ''میرے دل نے میرے پروردگار کی طرف سے حدیث بتائی'' کے بارے میں پوچھا؟

انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد مشاہدہ کرتے وقت ایسا علم آ جانا ہے جس کے ذریعے باطن، روح اور نفس پر فیضان ہوتا ہے چنانچہ ایسی حدیث باطن ہی سے تعلق رکھتی ہے جبکہ کلام کا تعلق رسولوں میں سے ''کلیم'' کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے ''مجھے حدیث بتائی'' اور ''مجھ سے کلام کی'' کہنے والوں میں فرق بتایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اگر میری امت میں سے کوئی حدیث والا ہوتا تو عمر ہوتے'' اور حضرت سیدی عبدالقادر جیلی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا: ''میرے پروردگار (دل) نے میرے پروردگار کی طرف سے مجھے حدیث بتائی''، یعنی اپنی طرف سے یوں بتائی کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا اور حضرت حلاج رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ

''میرے پروردگار نے مجھے اپنی طرف سے حدیث بتائی۔'' چنانچہ صوفیہ کے ہاں یہ بات سب سے اعلیٰ شمار ہوتی ہے۔ واللہ اَعلم

جوھــــر

حضرت نفری رحمہ اللہ کے ایک فرمان کی وضاحت:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے حضرت نفری رحمہ اللہ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا جسے انہوں نے باطنی مقامات کے بارے میں بتایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے ٹھہرایا اور مجھ سے فلاں بات کی'' کہ اس سے مراد کسی مکان میں ٹھہرنا ہے یا کسی زمانے میں کیونکہ انسان تو ہمیشہ سیر کرتا رہتا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد زمانے میں ٹھہرنا ہے کیونکہ ہر منزل' ہر حال اور ہر مقام میں چیزوں کے درمیان برزخ (رکاوٹ) ہوتا ہے جس میں سالک کو ٹھہرایا جاتا ہے' اسے ''موقف السواء'' کہتے ہیں اور جب سالک کو حق تعالیٰ ایک اعلیٰ مقام تک لے جا رہا ہو تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے اسے برزخ میں ٹھہرائے اور تھوڑی دیر کے لئے اسے اس مقام کے طور طریقے بتائے جہاں جا رہا ہوتا ہے تاکہ وہ ہشیار رہے۔ واللہ اَعلم

میں نے انہیں اس حدیث ''جب تک زمین میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی شخص موجود ہے' تب تک قیامت نہیں آئے گی'' کا مفہوم بتاتے سنا تھا کہ اس سے مراد ہر دور میں صرف ایک کامل انسان ہوتا ہے جس کے بارے میں لکھا ہوتا ہے کہ سارا جہان اللہ کے ذکر سے غافل ہو چکا ہے تو اس کامل کا ذکر کرنا سب لوگوں کے قائم مقام ہے۔

میں نے عرض کی کہ حدیث میں اللہ کا نام مبارک دو بار کیوں آیا ہے' صرف ایک بار کیوں نہیں آیا؟

انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس بناء پر اسے دوہرا ذکر کیا ہے تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ اللہ کا یہ نام اکیلا اکیلا پڑھا ہے اور آپ نے اس کے ساتھ کوئی خوبی ذکر نہیں کی اور یہاں ''حرف ھا'' پر جزم ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس نام کی وضاحت بنتا ہے:

اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا.

(الاحزاب: ۴۱)

''کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔''

یعنی اس کا نام بار بار لیتے جاؤ' اس کی مثال کے لئے اللہ کا یہ فرمان موجود ہے:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ.

(العنکبوت: ۴۵)

''یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔''

یعنی تمہاری طرف سے اللہ کا ذکر ان سب ناموں سے بڑا ہے جو اس نام کے بعد آتے ہیں اور کسی دوسری چیز کو چاہتے ہیں جیسے الرحمٰن' الغفور اور الرزاق وغیرہ چنانچہ کسی ذکر میں سب سے زیادہ فائدہ اللہ ہی کا نام لینے سے ہوتا ہے کیونکہ یہ نام ساری حقیقتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس دنیا کے اندر موجود دوسری چیزوں کو نہیں چاہتا اور اگر ہم اس جہان کی حفاظت کے لئے اللہ تا اللہ نہ کہنے تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ بتاتے کہ اللہ کا ذکر چھوڑنے سے جہان ختم ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کامل قسم کے عارف لوگوں نے اللہ کا ورد لازمی کرنا ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی اور ذکر ان کی زبان پر نہیں آیا کرتا کیونکہ وہ سارے ناموں میں سے ایسا کوئی نام نہیں دیکھتے جو ان کے دلوں میں بگاڑ پیدا نہ کر سکے۔

میں نے پوچھا کہ کیا ہم ھُو ھُو کے علاوہ ذا' اور کا' کا اشارہ کرتے ہوئے کوئی ذکر نہیں کر سکتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں! ایسا کر سکتے ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں دل کی پوری توجہ موجود ہو تاہم امام غزالی رحمہ اللہ[1] ھُو کے علاوہ دوسرے ذکروں کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ذا اور کا حد مقرر

۱۔ محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی ابوحامد ''حجۃ الاسلام'' فلسفی اور صوفی تھے۔ دو سو کے قریب کتابیں لکھیں' طابران کے مقام پر پیدا ہوئے اور فوت ہوئے۔ نیشاپور چلے گئے' جہاں سے بغداد' پھر حجاز' پھر شام اور وہاں سے مصر پہنچے۔ احیاء العلوم الدین' تہافۃ الفلاسفۃ' الاقتصاد فی الاعتقاد اور محک النظر جیسی کتابیں تصنیف کیں۔

کرنے کے لئے ہوتے ہیں جبکہ حضرت حلاج رحمہ اللہ[1] کہتے ہیں کہ اس سے ان لوگوں کو روکا گیا ہے جنہیں راہِ تصوف کا شوق ہی نہیں کیونکہ ہر عقلمند حد بندی کر جاتا ہے۔ (انتہٰی) چنانچہ میزان کی وضاحت کے موقع پر حضرت حلاج رحمہ اللہ کے فرمان کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

یاقــــوت

مرنے کے وقت لا الٰہ الا اللہ کا علم ہونا جنتی ہونے کی نشانی ہے:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا کہ ''جو لا الٰہ الا اللہ کا علم رکھتے ہوئے فوت ہو، جنتی ہوگا'' کہ آپ نے اس کا علم رکھنے ہی کی صورت میں اس کا جنتی ہونا کیوں بتایا ہے یہ کیوں نہ فرمایا کہ جو مرتے وقت ایمان لائے یا یہ الفاظ کہے؟

انہوں نے فرمایا: آپ نے ایمان اور یہ کلمہ پڑھنے کی بجائے صرف اسے جاننے کے بارے میں اس لئے فرمایا تھا کیونکہ ایمان کا دارومدار اللہ کی طرف سے رسول کی خبر دینے سے تعلق رکھتا ہے جبکہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی تھے جو کسی نبی سے خالی دور میں ہوئے تاہم وہ ایمان لانے کی بجائے اللہ کو صرف جاننے کی بناء پر توحید پرست ہوئے جیسے حضرت قس بن ساعدہ رضی اللہ عنہ وغیرہ (جیسے اسی مقدمہ میں واضح کر دیا گیا ہے) اور پھر یہ بھی ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے خدا کی طرف دعوت عام نہ تھی کہ زمانے میں موجود ہر ایک ہی ایمان لاتا لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صرف جان لینے کا حکم فرمایا تا کہ اللہ اور اس کی توحید جاننے والے سارے لوگ اس میں ایک جیسے ہوسکیں خواہ وہ ایمان کے ذریعے جانیں یا توحید پرست کے دل میں تجلی کے ذریعے لا الٰہ الا اللہ کا علم آ جائے۔

۱۔ ابومغیث حسین بن منصور حلاج (۳۰۹ھ ؍ ۹۲۲ء) فلسفی تھے۔ فارس کے بیضا مقام سے تعلق تھا پھر عراق کے شہر واسط یا تستر میں پرورش پائی، پھر بصرہ چلے گئے، حج کیا اور بغداد پہنچے اور پھر تستر واپس آئے جہاں کچھ لوگوں نے ان کا توحید و ایمان کا طریقہ اپنایا۔ اس کے بعد انہیں قید کر دیا گیا، تکلیفیں دی گئیں اور مارا پیٹا گیا لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا اور آہ تک نہیں کی اور نہ ہی کسی سے امداد مانگی، ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے، سر الگ کر دیا گیا، جسم جلا دیا گیا اور سر کو بغداد کے ایک پل پر پھینک دیا گیا۔ تصنیفات میں یہ کتابیں شامل ہیں۔ طاسین الازل، الجواہر الاکبر، الشجرہ النوریہ، الظن المحدود، الماء المسکوب اور الحیوۃ الباقیر وغیرہ۔

اسے ہم مزید واضح طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایمان صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب رسول آجائے لیکن اس کے آئے بغیر بھی اس کلمہ کا علم ہو سکتا ہے جیسے رسول اکرم ﷺ نے حضرت قس بن ساعدہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''وہ نیک شخص تھا' وہ اکیلا ہی ایک امت بن کر اٹھایا جائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو اس کی بنائی چیزوں میں غور وفکر کر کے جان لیا تھا۔'' اور آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے کہ وہ اکیلا امت بن کر اٹھایا جائے گا تو وہ صرف اس بناء پر کہ وہ توحید ماننے میں نہ تو کسی کے پیچھے چلا اور نہ ہی کوئی اوراس کے پیچھے چلا کیونکہ کسی کے پیچھے چلنے والا مومن ہوتا ہے جبکہ جس کی پیروی کی جائے وہ رسول ہوتا ہے جبکہ حضرت قس ان دونوں میں سے کچھ بھی نہ تھے۔

اسے اور بھی پیچیدہ بنا کر ہمیں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک کی بجائے کئی لوگ ایمان لائے بغیر مر جاتے ہیں تو پھر بھی جنت میں جائیں گے جیسے نبی سے خالی دور میں حضرت قس وغیرہ اور اس کتاب میں نبی سے خالی دور میں موجود لوگوں کی دس قسمیں بتائی جا چکی ہیں لہٰذا انہیں سامنے رکھو۔

یہودی اور نصرانی لا الٰہ الا اللہ کہہ کر بھی نیک بخت کیوں نہیں ہو سکے؟:

میں نے عرض کی: ہم نے یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں سن رکھا ہے کہ وہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں تو پھر وہ نیک بخت کیوں نہ ہو سکے؟

انہوں نے فرمایا: وہ اس بناء پر نیک بخت نہیں ہوئے کہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت ان کے سامنے تھی جو قیامت تک رہے گی لیکن وہ اس وقت تک نیک بخت نہیں ہوسکیں گے جب تک وہ آپ کے فرمانے پر لا الٰہ الا اللہ نہیں کہتے چنانچہ جب انہوں نے آپ کے حکم پر یوں نہ کہا تو بدبخت بنے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اس وقت تک رسول نہیں ہوتا جب تک ایک عقل مند دیکھنے والا نہ جان لے کہ کوئی خدا موجود ہے جو ایک ہی ہے اور پھر یہ لوگ اللہ کے رسول کے حکم پر لا الٰہ الا اللہ کہنے پر ہی مومن ہوں گے کیونکہ رسول انہیں یہ کلمہ کہنے پر زور دیتا ہے حالانکہ یہ توحید پرست دل پر اللہ کی تجلی کے ذریعے خود اسے جانتا ہوتا ہے اور اسے اختیار بھی ہوتا ہے کہ زبان سے اسے کہہ لے یا نہ کہے۔

میں نے عرض کی کہ پھر تو توحید پرست ہر صورت میں نیک بخت ہوگا؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں!

میں نے پوچھا کہ آپ نے اس حدیث میں محمد رسول اللہ کہنے کا حکم کیوں نہ دیا؟

آپ نے فرمایا: اس بناء پر کہ اللہ کے بارے میں توحید کا اقرار کرنے ہی میں رسول ماننے کا اقرار شامل ہوتا ہے کیونکہ اسے کہہ کر کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ آپ کے اس حکم پر یوں نہ کہے لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ جیسے ابھی بتا دیا گیا ہے اور جب وہ آپ کے حکم پر یوں کہے گا تو یہی رسالت پر ایمان بنے گا اور یہی بات دوسری حدیثوں میں بھی ملتی ہے۔

میں نے پوچھا کہ پھر رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان میں کافروں کے مال و جان ہی کے بچاؤ کے بارے کیوں فرمایا گیا ہے: ''مجھے حکم ملا ہے کہ کافروں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہیں کہتے اور جب وہ یوں کہہ دیں گے تو اپنا مال و جان مجھ سے بچا لیں گے۔'' الحدیث

اس پر آپ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے انہیں لا الہ الا اللہ کا علم رکھنے کے باوجود اسے زبانی کہنے کا حکم اس لئے فرمایا ہے کہ اس کے کئی درجے ہیں، سب سے پہلے زبان سے کہنا، پھر خیال میں لانا، پھر جاننا اور پھر اس کا یقین کر لینا۔ واللہ اَعلم

آپ نے یہ بھی بتایا: مجھے کسی اہل کتاب نے کہا کہ ہم نے تو اللہ کے ساتھ ساتھ صرف ایک خدا مانا ہے لیکن تم لوگوں نے بے شمار خدا بنا لئے ہیں جس پر میں نے پوچھا تھا کہ وہ کون سے ہیں؟ اس پر اس نے کہا کہ ''تم ہر سبب کو خدا مانتے ہو۔'' میں نے کہا تھا کہ ''یہ ہم پر الزام ہے، یہ بات تو وہی کہے گا جو درست راہ سے ہٹ چکا ہو۔'' اس پر اس نے کہا کہ انصاف کرو تو ہم تمہارے مقابلے میں صرف ایک ہی کو شریک بناتے ہیں۔ انتہٰی

تو اے میرے بھائی! پہلے اور پچھلے کامل علماء کی پیروی کرتے ہوئے حد سے بڑھ جانے والے من گھڑت صوفیوں کی بات نہ مانو، اللہ تمہیں ہدایت دے۔

زمـــرّد

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَّاحِدٌ کیوں فرمایا اور اِلَّا اللّٰهُ

اَحَدٌ کیوں نہیں فرمایا؟

اس پر انہوں نے فرمایا: اس لئے کہ واحد ہونا ایک خوبی ہے جبکہ احد ایک ذات ہوتی ہے اور واحد ہونا چاہتا ہے کہ جن میں سے وہ واحد ہے وہ موجود ہوں جبکہ احدیت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اللہ کا ایک ذاتی مقام ہے جس میں کسی دوسرے کی ضرورت نہیں۔ ہاں! ایک اور مرتبہ بھی ہے جس میں وہ لوگوں کی سمجھ کے مطابق ہوتا ہے اور اگر وہ اس مرتبہ میں نہ ہو تو وہ اس کے حکم اور روک کو نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی اسے پہچان سکتے ہیں کیونکہ اس کی طرح کا کوئی ہے ہی نہیں لہٰذا اے بھائی! اصل حقیقتوں کو ایک جیسا نہ بناؤ اور اس کے بندوں اور باقی چیزوں کا انکار کرتے ہوئے یہ نہ کہو کہ صرف اللہ ہی موجود ہے کیونکہ یوں تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے کیونکہ سمجھ میں آنے والے درجے ہر چیز کے تعلق کو واضح کر دیتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر اللہ کا موجود ہونا دوسری بات ہے تو اے بھائی! یونہی یہ بات ذہن میں رکھو کہ اگر تم اللہ کو جاننے والوں میں شامل ہونا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ وہاں ایسے موقع پر جب اس نے سب کو بنایا تو ہر وقت پروردگار اور اس کا بندہ ہی رہے گا۔

ماس

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ جب نعمتیں عطا کرنے والا (اللہ) انہیں لینے والوں کو شکر کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ اپنی طرف سے بارگاہِ الٰہی میں کوشش کرتا ہے کیونکہ وہ جب کسی کو کچھ دیتا اور شکر کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کا مقصد ان کے لئے انعام بڑھانا ہوتا ہے چنانچہ وہ انہیں ایسی راہ دکھا رہا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ زیادہ سے زیادہ نعمتیں لے سکے اور یہ حق تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا احسان ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی کہ حقیقی طور پر عطا کرنا یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز دینے والے کے پاس نہ رہ جائے اور یہ بات اللہ کے بارے میں ناممکن ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو جو کچھ بھی دیتا ہے تو باطنی طور پر وہ ایک آزمائش اور دقت ہوتی ہے جس کا مقصد انہیں آزمانا ہوتا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں، آیا وہ انہیں اپنی بنا لیتے ہیں یا اپنے مولا کی ملکیت سمجھتے ہیں چنانچہ جو شخص یہ نہیں سمجھتا کہ وہ نعمتیں اس کے مالک کی مہربانی ہیں تو اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور وہ اوندھے منہ گرتا ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر اندرونی طور پر ان میں آزمائش اور دشواری نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے اس خلیفہ کو یہ نہ فرماتا وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی (ص:۲۶) ''خواہش کے مطابق نہ چلو۔'' بلکہ اسے یہ حق دیتا کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے اور اس کیلئے کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرتا کیونکہ یہ رکاوٹ بلاشبہ آزمائش گنی جاتی ہے چنانچہ اسی بناء پر یہ خلیفہ (انسان) انصاف والا اور ظلم کرنے والا بنتا ہے اور اگر اس کا خلیفۂ الٰہی ہونا صرف ایک عزت ہوتی تو انہیں ایسا نہ کہا جا سکتا اور جہان میں حکم چلانے کیلئے کوئی بدبخت اور ظالم زور نہ لگاتا۔ اسے ذہن میں رکھو۔

کبریتِ احمر

مذکر کا درجہ پہلے ہے یا مؤنث کا؟

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جہان میں بنیادی چیز مذکر ہونا ہے یا مؤنث ہونا؟

انہوں نے فرمایا: اس بارے میں صوفیہ فرماتے ہیں کہ اس میں اصل مؤنث ہونا ہے چنانچہ یہ سارے جہان میں پھیلی ہوئی ہے جبکہ عورتوں میں زیادہ دکھائی دیتی ہے جس کی وجہ سے یہ بڑے بڑے لوگوں کو پسند ہے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک نے بھی بیوی کیلئے دس سال تک مزدوری کی تھی۔

ہیجڑا کیسے بنا؟

میں نے عرض کی کہ پھر ہیجڑا پن کہاں سے آ گیا؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ عورت و مرد کا پانی (منی) برابر ہونے کا نتیجہ ہے کیونکہ دو پانیوں میں سے جو زیادہ ہوتا ہے، وہی نام پاتا ہے اور جب دونوں برابر ہوں تو بچہ اللہ کے حکم سے ہیجڑا ہوتا ہے۔

درس

فقیر کون ہوتا ہے؟

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے کسی کی اس بات کا مطلب پوچھا جس نے کہا تھا: فقیر وہ ہوتا ہے جو اپنے وجود میں ہر چیز کا محتاج ہوتا ہے اور کوئی بھی چیز اس کی محتاج نہیں ہوتی۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ فقیر جب اللہ ہی کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر چیز کا سبب بتاتا ہے جس کی طرف وہ اللہ کی مدد سے توجہ کرتا ہے اور پھر اپنی عبادت اور حاضری کے لئے اسے سامنے رکھتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اسے کسی شے کی ضرورت نہیں تو یہ بات ذہن میں رکھو کہ جب چیزیں اپنے وجود میں اللہ سے تعلق رکھتی ہیں تو تم اسے دیکھو گے کہ وہ اللہ کا محتاج ہے اور اسی سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا تمہیں ان چیزوں کا اس سے تعلق دکھائی نہ دے گا اور وہ اس سے دور ہوں گی اور جب وہ اس سے الگ ہیں تو ان کا اس سے تعلق نہ رہا کیونکہ انسان صرف اسی کا محتاج ہوتا ہے جس سے فائدہ ممکن ہو اور جب تک اللہ سے تعلق رکھا ہے، ان چیزوں سے فائدہ ممکن نہیں ہے۔ یہ بات ذہن نشین رکھو۔

ماس

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہونے کا مطلب:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مطلب پوچھا: ''ہر بچہ فطرت کے مطابق پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی بناتے ہیں۔'' (الحدیث) میں نے عرض کی کہ وہ پہلا بچہ کس بناء پر کافر ہوگا جس کا باپ نہ ہو؟

انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے اس مزاج کی بناء پر کافر بنتا ہے جس سے وہ بنا تھا لہٰذا اسے کافر ہی ہونا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

درّ

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا کسی مرید کیلئے کوئی کام کرنے سے پہلے یہ بہتر ہوتا ہے کہ وہ ہر کام کرنے کا سبب پوچھے یا پھر حضرت شارع علیہ السلام یا علماء کا حکم سنتے ہی اسے وہ کام کر لینا چاہیے؟

آپ نے فرمایا: بہتر تو یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کا سبب جانے بغیر اس پر عمل کرنے لگے کیونکہ جب کسی کام کا سبب سامنے ہو تو عام طور پر اس کام کیلئے اسے وہ سبب ہی تیار کرتا ہے۔

میں نے عرض کی: حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمہ اللہ تو یوں فرماتے ہیں کہ ہم نہ تو کوئی سبب

دیکھتے ہیں اور نہ ہی اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ہر کام کا یا تو حکم ہوتا ہے چنانچہ وہ ویسے ہی کیا جاتا ہے، یا پھر اس کے بارے میں خاموشی ہوتی ہے چنانچہ اسے جائز کہہ دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جوھر

کسی سوال کے جواب کیلئے مناسب موقع دیکھا کرو:

تمہارے جواب سے کسی کو تکلیف پہنچے تو خاموش رہو:

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جب کوئی مجھ سے ایسے موقع پر سوال کرے جب موجود لوگوں میں سے اسے نہ سمجھنے کی بناء پر کسی کا دل تنگ ہو تو کیا کروں؟

انہوں نے فرمایا: اگر بات یونہی ہے جیسے تم نے کہا ہے تو چپ رہو اور سوال کرنے والے سے کہہ دو کہ کسی اور وقت کا انتظار کرے کیونکہ اگر تم نے اسے اس کی پسند کا جواب دیدیا تو اس کے اس ساتھی کو تکلیف ہوگی جسے اس سے دلچسپی نہیں خصوصاً جب وہ جھگڑالو ہوگا لیکن اگر تم اسے ایسا جواب دو گے جو اللہ سے دور کے مزاج کے مطابق ہو تو پھر وہ اس کے لئے تسلی بخش نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے اس کا دل خوش ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی کلام کی ہمت دی ہے کہ جس کے ذریعے تمہاری بات خاص و عام سب کو پسند آئے تو پھر جواب دیدو۔ واللہ واسع علیم۔

آزمائشی سوال کے موقع پر کیا کرے؟

میں نے عرض کی کہ جب مجھے یہ پتہ چل جائے کہ وہ شخص میرا امتحان لے رہا ہے تو کیا کروں؟

انہوں نے فرمایا کہ اسے جواب نہ دو بلکہ تم جواب دینا بھی چاہو گے تو نہیں دے سکو گے کیونکہ یہ آزمائش جواب کی راہ بند کر دیتی ہے اور اگر کسی عالم کے دل میں اس کا جواب موجود بھی ہو تو وہ اسے بتا نہیں سکے گا کیونکہ آزمائش کرنے والا وہ شخص بے ادب ہوتا ہے۔ واللہ غفور رحیم۔

فیروزج

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا آپ کی جلد وفات کے بعد میں کسی سے بیعت کر سکتا ہوں؟

انہوں نے فرمایا کہ اس دسویں صدی ہجری کے دوسرے آدھے حصے میں ان ظاہری مشائخ کا مرید ہونے پر مجھے تو کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن ان میں سے ہر ایک کیلئے اپنے مرید کا حق پورا کرنا مشکل لگتا ہے البتہ کبھی کبھار ان کی زیارت کرنے میں حرج نہیں۔

میں نے عرض کی کہ کیا آپ کے بعد میں آپ کے ہر مرید کو یہ بات بتا دوں؟

انہوں نے فرمایا: کہ میری طرف سے ان پر کوئی پابندی نہیں کیونکہ ہر دور میں اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے پسندیدہ کسی بھی شخص کے ہاتھوں ترقی کر جاتے ہیں کیونکہ اب طریقت ایک رواج کی بجائے صرف نام کی رہ گئی ہے، اب مرید لوگ مشائخ کی صورت بنانے لگے چنانچہ اکثر لوگوں کو شیخ اور مرید کی پہچان مشکل ہوگئی ہے بلکہ عام طور پر ایک مرید اپنے شیخ سے بڑھ کر عارف ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور بہت سے لوگ بھی اس کی بات مان لیتے ہیں۔

پھر بتایا کہ حضرت ابراہیم متبولی رحمہ اللہ کو جب یہ پتہ چلا کہ پیر اور مرید کے دلوں میں خرابی پیدا ہوگئی ہے تو آپ نے مریدوں اور دوسروں پر پابندی بند کر دی اور یونہی آپ کے بعد حضرت شیخ محمد بن عنان، شیخ محمد بن منیر، شیخ محمد نامولی، شیخ یوسف کردی اور شیخ ابو العباس جیسے آپ کے مریدوں نے بھی یونہی کیا' مریدوں کو اس بارے میں نصیحت کرنا بند کر دی اور فقیروں سے کہہ دیا کہ اس دور میں کوئی بھی پیر نہ بنے کیونکہ ان میں اور مریدوں میں اس کی پوری شرطیں موجود نہیں۔

میں نے پوچھا کہ اس پر دلیل کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ سب کچھ دیکھنے میں آرہا ہے چنانچہ ایک شخص ہزار سے زائد شخصوں کو نصیحت کرتا ہے تو ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں نکلتا جو آداب گنوانے میں اپنی عادتیں چھوڑ دے تو یہ لوگ اس شخص کی طرح ہوتے ہیں جو بچوں کو پڑھانے کیلئے جمعرات کے دن عصر کے بعد مدرسہ کھولتا ہے یا ان حاجیوں کی طرح ہوتے ہیں جو واپس آکر اپنا وطن دیکھتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو جاتے وقت کی طرح اپنا

انتظام کر سکے اور اپنی ہر کمی پوری کر لے اور اگر فرض کریں کہ وہ بچے جمعرات کی عصر کے بعد انہیں فقیہ کے پاس لے جائیں تو ان کے دل اس فقیہ پر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ہر ایک اپنے خیال میں مگن ہوتا ہے اور فقیہ کے پاس وہ لوگ بے روح جسم کی طرح ہوتے ہیں لہٰذا یہ بات ذہن میں رکھو کیونکہ یہ دُنیا اس وقت اس کشتی کی طرح ہو چکی ہے جو سواروں کو ان کا وطن اس حالت میں دکھا رہی ہو کہ ان کے مال و اسباب سے بھری ہوتی ہے اور جو شخص ان سے راستہ پوچھتا ہے وہ ایسے شخص کی طرح ہوتا ہے جو ان سے کہتا ہے کہ اپنا اپنا سامان لے جاؤ اور دوبارہ سفر شروع کر دو جبکہ ان کا یہ ارادہ نہیں ہوتا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے مجھے وہ وقت بتا دیا تھا کہ جب ان کے بعد ان کی شریعت مکمل طور پر باقی رہے گی اور یوں فرما کر اس میں خامی پیدا ہونے کی بھی اطلاع دیدی تھی کہ: ''اگر میری اُمت درست راہ پر چلی تو اسے ایک دن ملے گا لیکن اگر درست نہ رہی تو آدھا دن ملے گا۔'' جبکہ اللہ کا ایک دن ہزار سال کا ہوتا ہے اور یہ دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شروع ہوا ہے اور جب میں آدھی مدت گذرنے سے آگے آیا تو معلوم ہوا کہ وہ درست جا رہی ہے لہٰذا اسے درست راہ کے ہزار سال ملیں گے لیکن جیسے یہ آہستہ آہستہ کمال تک پہنچی ہے تو اس میں خامی بھی آہستہ آہستہ ہی شروع ہو گی لہٰذا اس شریعت کا زور رہے گا اور گیارہویں صدی کے تیس سال تک اس میں مضبوطی رہے گی، پھر اس کا بڑا نظام بگڑ جائے گا اور یہ اس ہار کی طرح ہو جائے گی جس کا دھاگا ٹوٹ جائے اور وہ نشانیاں مسلسل دکھائی دینا شروع ہونگی جن کے بارے میں حضرت شارع علیہ السلام نے اپنی اُمت کو بتا رکھا ہے، یہ ہزار سال والا دن پورے دنوں کیلئے اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ ان میں آخری دن ہے جو ہمارے قریبی باپ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والے دنوں میں ساتواں دن بنتا ہے لہٰذا اس دن والے کو جمعہ کا دن دیا گیا چنانچہ اس کے بعد کوئی دن نہیں آئے گا اور نہ ہی حساب ہو گا بلکہ اس میں ہر قسم کی پکڑ ہو گی اور ساری اسلامی سزائیں دیدی جائیں گی اور پھر بدبخت لوگوں کا دور شروع ہو گا جس میں ان کی پکڑ دھکڑ کبھی ختم نہ ہو گی لہٰذا ان کا دن شروع رہے گا جس میں ان کو عذاب ہوتا رہے گا اور وہ ویسے ہی ختم نہ ہو گا جیسے جنتیوں کا دن ختم نہ ہو گا۔

پھر فرمایا کہ وہ ہفتے کا دن ہو گا کیونکہ اس میں ہفتے کے دن دوپہر کے وقت جنتی لوگ جنت میں جا بسیں

گے اور دوزخی بھی دوزخ میں چلے جائینگے' جہنم میں سے کئی ٹولیاں نکلیں گی اور بہت سے بے فرمان مسلمان جہنم میں ہوں گے چنانچہ ان میں سے کچھ تو پچاس ہزار سال تک اس میں رہیں گے جس کے بعد حضرت محمد ﷺ فرشتوں یا ارحم الراحمین کی شفاعت سے نکلیں گے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ کے وہ نام شفاعت کریں گے جن کے اندر انتقام کے مقابلے میں نرم دلی، مہربانی اور رحمت ہوگی۔

میں نے پوچھا کہ کیا ایسے موقع پر ہمیں وہ وقت معلوم نہ ہو سکے گا جب شریعت پر کسی طرح بھی عمل نہ ہو سکے؟

انہوں نے فرمایا: ہاں کیونکہ یہ تاریکی گیارہویں صدی کے تیس سال گذرنے پر پھیل جائے گی' اب تاریکی پھیلے گی تو رحمت اُٹھ جائیگی' سورج اور چاند (بروقت) دکھائی نہیں دیں گے' ستارے اور ان کی روشنیاں نہ رہیں گی جیسے فرمانِ الٰہی ہے:

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَاهُمْ مُّظْلِمُوْنَ وَ الشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○

(یٰسین: ۳۷، ۳۸)

''اور ایک نشانی ان کیلئے رات ہے جس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں تو ایسے موقع پر وہ اندھیرے میں گھر جاتے ہیں اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا ہے، یہ غالب اور علم والے اللہ کا اندازہ ہے۔''

چنانچہ سورج سے مراد شریعت اور بدر سے مراد حقیقت ہے۔

میں نے عرض کی کہ ۴۶۰ ہجری میں شریعت کے سورج اور اس کے مرکز پر بڑے عمل کی انتہا کیا ہوگی کیونکہ وہ وقت جسموں کے آسمان اور عملوں کے قبہ کے عین برابر ہونے کا موقع ہوگا اور جب سورج برابری کے عرش سے ڈھلتا ہے تو روشنی کا بادشاہ پھرتا ہے اور شریعت کا سورج عمل کے آسمان میں اُترتا ہوا کام کئے بغیر علم اور جھگڑے کی زمین پر اُتر آتا ہے تو ایسے موقع پر حقیقت کی سلطنت نظر آتی ہے' اس کا سورج چڑھتا ہے اور آسمان کے ہر طرف پھیل جاتا ہے جسے صوفی لوگ بتاتے ہیں چنانچہ معرفت کی حقیقتوں کے دکھائی دینے اور

ایمان کے طلوع ہونے نظر آنے کی بنا، پر حقیقت کا جھنڈا بلند ہوتا اور بڑھتا ہے جس کی وجہ سے عام لوگ حقائق پر بات کریں گے خواہ وہ بے علم ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ حقیقت کا نور جب بھی سامنے آتا ہے تو شریعت کا نور ختم ہو جاتا ہے جبکہ حقیقت کا وقت بے انتہاء ہوتا ہے بلکہ وہ اللہ کے لحاظ سے مسلسل جاری رہتا ہے اور جب شریعت کا سورج برابر ہوتا ہے تو اس کی بادشاہی کا وقت ہوتا ہے اور اس کے بعد دوسرے کی بادشاہی ہوتی ہے اور جب اسے زوال ہوتا ہے تو سائے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر ہر حرکت کرنے اور ٹھہرنے والے کو نور گھیر لیتے ہیں اور سایہ، سایہ والی چیز میں داخل ہو جاتا ہے جہاں دلیل اور مدلول نہیں ہوتے ، وجود، عدم کے ساتھ مل جاتا ہے اور عدم کی وجہ سے ''حدث'' نہیں رہتا کیونکہ ''قِدم'' آ جاتا ہے اور پھر شریعت کا سورج گرتا جائے گا، عرض کی نذر چاہے گا اور اس سے تعلق پیدا کر لے گا اور نور سے پیدا ہونے والے کو چھپانے کیلئے مٹانے والا بنے گا اور اس کے مرکز کیلئے آگے بڑھے گا اور چلتا رہے گا چنانچہ اس موقع پر سائے لمبے ہوں گے، نشان لمبے ہوں گے، سائے اور پردے بہت ہوں گے اور انوار دیکھنے میں آئیں گے، ایسا اس دور میں ہو رہا ہے اور یہ کام پچھلے وعدہ کے مطابق گیارہویں صدی کے ابتدائی سالوں میں مکمل ہو گا چنانچہ یہ کشف اور ذوق کے مطابق ہو گا کیونکہ معاملہ قریب آ چکا ہے اور جلد ہی آخرت کی صبح دکھائی دے گی کیونکہ اندھیرے چھائے جا رہے ہیں، علوم اور علم والے ختم ہو رہے ہیں' گمراہی ہر طرف پھیل رہی ہے اور دُنیا کا دن برائی پر ختم ہو گا اور اس دُنیا کے ختم ہونے میں کوڑا کرکٹ جیسا دکھائی دیگا۔

ہمارے ایک شیخ نے حضرت مہدی علیہ السلام سے ملاقات کی تو انہوں نے اپنے ظہور کا وقت بتایا اور کہا کہ وہ وقت قریب ہے' پردہ اُٹھنے والا ہے اور وہ اس وقت نکلیں گے جب دُنیا میں ہر طرف ظلم وستم یوں تمام ہو جائے گا جیسے اس میں بھرپور طریقے سے عدل وانصاف موجود تھا۔

(شیخ فرماتے ہیں کہ) اب جسے اللہ بچائے، اسے چھوڑ کر عام لوگ تو کیا، خاص لوگوں میں ظلم وستم کا سلسلہ جاری ہے، ہم میں سے خاص لوگ بڑے بڑے جھوٹے دعوے کرتے نظر آتے ہیں اور لوگوں کو غلط راہوں پر چلانے کیلئے یوں نکلتے ہیں جیسے بھاگنے والے وہ گدھے ہوتے ہیں جو شیروں سے ڈر کر بھاگتے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کہ کو ایسے صحیفے دیئے جائیں جو کھلے ہیں حالانکہ ایسا کبھی نہ ہو گا بلکہ وہ آخرت سے بے فکر

ہیں اور ایسا شخص کیسے فکر کرے گا جس کے کان بہرے ہوں اور شیطان کے داخل ہونے اور محروم رہنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں اندھی ہیں اور اس کی حالت یہ ہے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی یہ سچی بات بھی سننے کو تیار نہیں ”فرما دیجئے! یہی میرا راستہ ہے جس میں میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے پیچھے چلنے والے ہوش و حواس میں ہیں، اللہ ہر عیب سے بچا ہوا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں“ اور ایسا شخص اللہ تک پہنچنے کا دعویٰ کیوں کر سکتا ہے جو شخص اپنی کامل عبودیت سے جدا ہو چکا ہے اور وہ کیسے مل سکتا ہے جو حقیقت سے دور ہے؟ انتہیٰ۔ واللہ اعلم۔

یاقوت

میں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ سے عرض کی کہ کیا میں اپنے دل پر اُترنے والی باتوں کو اس کتاب میں درج کر دوں تا کہ اسلامی بھائی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں؟

انہوں نے فرمایا: اگر اللہ تمہیں یہ ہمت دے کہ تم اپنی باتوں کو شبہ کرنے اور جھگڑا کرنے والوں سے بچا سکو تو ایسا کر لو، ورنہ نہیں اور تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تصنیفیں کرو مگر سارے علماء کے خلاف بات نہ کرو۔

حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انہیں تصوف پر کتاب لکھنے کو کہتا تو وہ فرماتے کہ میرے مرید میری کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

کتاب الجواہر والدرر ہی اب مکمل ہو رہی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ اللہ کے کرم سے اس کے سامنے ہر وہ شخص گردن جھکا دے گا جو تعصب اور نفسانی خواہش چھوڑ دے گا کیونکہ اس میں ہر وہ جواب ہے کہ جسے بڑے بڑے لوگ ہی جان سکتے ہیں اور مردوں کی تعداد مرد ہی جانتے ہیں اور اللہ والوں کے نزدیک کتاب لکھنے والے لوگوں کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ اس میں ایسی بات ہرگز نہ لکھیں جو کسی اور نے کسی دوسری کتاب میں لکھ دی اور دوسرے لوگوں کی بات لکھیں تو حوالہ کے طور پر لکھیں کیونکہ اس پر اللہ کے کرم ہر وقت جاری ہوں گے اور ہر آنے والے وقت میں ہوتے جائیں گے چنانچہ جو ان کی کتابوں کو مجموعہ کہے گا تو وہ ظالم ہوگا۔

میں اس اللہ کو سراہتا ہوں جس نے ہمیں اس کتاب کیلئے راہنمائی فرمائی اور اسے نبھانے کی توفیق دی

اور میں رسولِ اکرم ﷺ کی مدد سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ جو کچھ ہم نے اپنی انگلیوں سے لکھا ہے، اسے ہمارے دلوں میں نقش کر دے اور ذہن میں موجود چیزوں کو ہماری روحوں میں بسا دے گا تاکہ اس کے ذریعے ہم اس میں موجود جھڑکوں اور ڈانٹوں پر عمل کر سکیں اور عظیم خدا سے سوال کرتے ہیں کہ رضا و تسلیم کی بناء پر ہمیں دُنیا سے خلاصی دیدے اور اہل دُنیا کو ان کی پوشیدہ باتوں کی بجائے ہماری باتیں سامنے رکھ کر خلاصی دیدے، ہمارے گمانوں اور دعویٰ کی بناء پر ہمیں ذلیل نہ کرے اور نہ ہی ایسی چیزوں کی وجہ سے ہمیں ذلیل کرے جن کا ہمیں علم نہیں ہے، یہ ہماری بڑی غلطیاں، بُرے ارادے اور دل میں آنیوالے ہلکے پھلکے کام ہیں۔

ایسے اس دور میں ہمارا کیا حال ہوگا جس میں ہلاک کر دینے والی عجیب وغریب چیزیں اور بدلے ہوئے حالات ہیں کیونکہ ہم ایسے بہت سے کام کر چکے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں اور گذشتہ سنگتوں کو برباد کر دیا تھا، ہماری نیتیں بری ہیں اور کام بگڑے ہوئے ہیں فحسبنا الله ونعم الوكيل ولاحول ولاقوة الا بالله العلي العظيم

میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے وجود میں آنے والے ہر ذرے کی تعداد کے مطابق توبہ کرتا ہوں جسے میں آج تک کر چکا ہوں۔ والحمد لله ربّ العالمين

اس کے آپ نے لکھا کہ اس کتاب کو تالیف کرنے والے نے کہا ہے جو اللہ کا بندہ اور اس کا محتاج ہے، عبد الوہاب بن احمد بن علی شعرانی انصاری جو علماء کی جوتیاں سیدھی کرنے والا ہے، اللہ اسے معاف کرے۔ رمضان المبارک کی اکیسویں تاریخ اور ہفتے کا دن تھا جبکہ ۹۴۰ ہجری تھی۔

وصلی اللہ علیٰ سیّدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم ورضی اللہ عن اصحاب رسول اللہ اجمعین والتابعین لہم باحسان الی یوم الدین، آمین آمین۔



الحمد للہ کہ اس مشکل ترین کتابِ تصوف کا ترجمہ مکمل ہو رہا ہے جسے وقتاً فوقتاً لکھتا رہا تاہم زلات کے بارے میں خدا ورسول سے معافی کا خواستگار ہوں۔

اس لاثانی روحانی کتاب کے ترجمہ کا ثواب سرکارِ دو عالم ﷺ کے بعد اپنے عظیم شیخ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ساتھ اپنے عالم باعمل نامور و محقق اساتذہ کرام محدث دوران حضرت سیّد ابوالبرکات لاہوری، حضرت فقیہ اعظم مفتی محمد نور اللہ نعیمی بصیر پوری اور حضرت مفتی محمد حسین نعیمی لاہوری نور اللہ مصناجعہم کی ارواح کو پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات میں اضافہ فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیّین کا مقام نصیب فرمائے۔ آمین اور پھر قدوۃ الاساتذہ، استاذ من حضرت شیخ الحدیث محمد اشرف سیالوی دامت انوارہم کے لئے دُعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خدماتِ دینیہ کا بیش از بیش صلہ دے۔ آمین۔

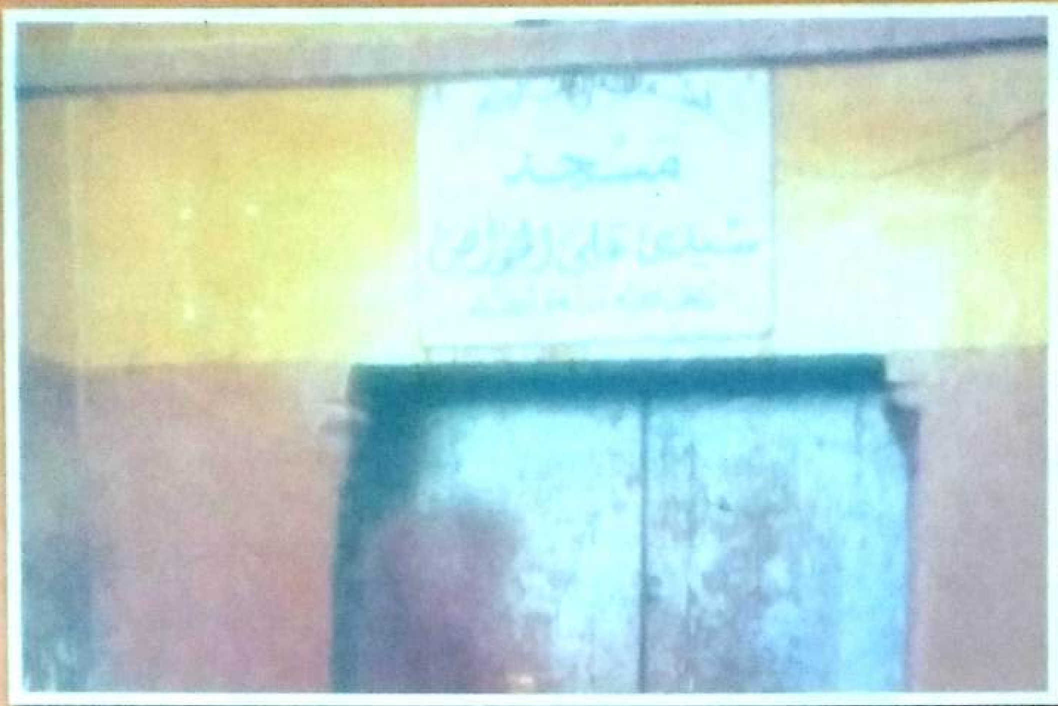
آخر میں اپنے والدین کی مغفرت کیلئے بھی دُعاگو ہوں جن کی دُعاؤں کے صلہ میں یہ کام کرنا نصیب ہوا۔

شاہ محمد چشتی سیالوی انصاری عفی عنہ

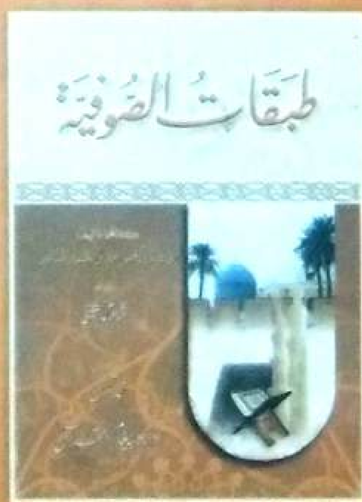
محلّہ محمود پورہ، قصور

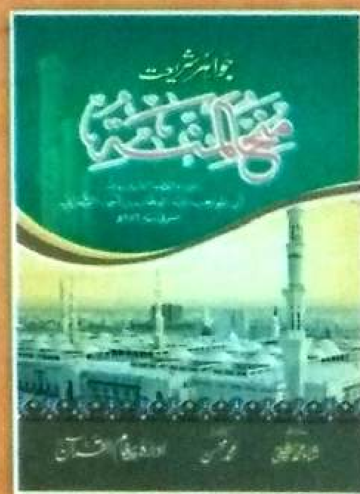
0321-6577473

۲۰۱۰/۱۲/۲۶ بروز اتوار تین بجے دن



بیرونی منظر مسجد حضرت شیخ علی خواص





ادارہ پیغام القرآن
۴۰۔ اُردو بازار لاہور Ph:042-37323241